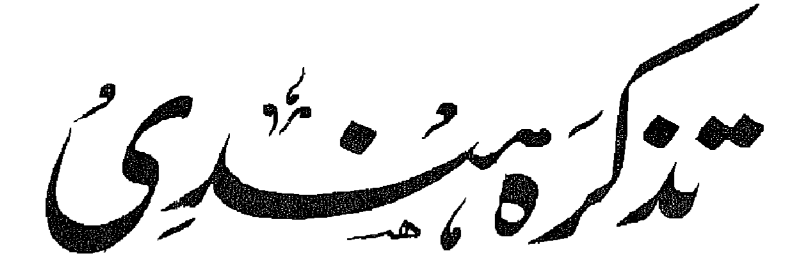
سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۵۴



تذکرہ ہندی

تالیف

غلام ہمدانی مصحفی

مرتبہ

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے (علیگ) معتمد اعزازی
انجمن ترقی اردو۔ اورنگ آباد (دکن)

جامع برقی پریس دہلی

طبع اول

سنہ [illegible]

فہرست

قواعد و ضوابط انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

۱۔ سرپرست وہ ہوں گے جو پانچ ہزار روپے یکمشت یا پانچ سو روپے سالانہ انجمن کو عطا فرمائیں۔ (ان ک
تمام مطبوعات انجمن بلا قیمت اعلیٰ قسم کی جلد کے ساتھ پیش کی جائیں گی)

۲۔ معاون وہ ہوں گے جو ایک ہزار روپے یکمشت یا سالانہ سو روپے عطا فرمائیں گے (انجمن کی تمام مط
ان کو بلا قیمت دی جائیں گی)

۳۔ رکن دامی وہ ہوں گے جو اڑھائی سو روپے یکمشت عطا فرمائیں گے (ان کو تمام مطبوعات انجمن
نصف قیمت پر دی جائیں گی۔)

۴۔ رکن معمولی انجمن کی مطبوعات کے مستقل خریدار ہوں گے جو اس بات کی اجازت دیں گے کہ انجمن ک
مطبوعات طبع ہوتے ہی بغیر دریافت کئے بذریعہ قیمت طلب پارسل ان کی خدمت میں بھیجدی جائ
(ان صاحبوں کو تمام مطبوعات پچیس فی صدی قیمت کم کر کے دی جائیں گی) مطبوعات میں انجمن
کے رسالے بھی شامل ہیں۔

۵۔ انجمن کی شاخیں (کتب خانے) وہ ہیں جو انجمن کو یکمشت سوا سو روپے یا بارہ روپے سالانہ دیں (انجمن
ان کو اپنی مطبوعات نصف قیمت پر دے گی)

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

ایسے اُن مہربان معاونین کی ایک فہرست مرتب کر رہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیں
آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو وہ بغیر ان سے دریافت کئے تیار ہوتے ہی ان کی خدمت میں مذر
وی پی روانہ کر دیجایا کرے۔ یہ اصحاب انجمن کے رکن ہوں گے ان کے اسمائے گرامی فہرست میں در
کئے جائیں گے اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہو گی فوراً بغیر دریافت کئے روانہ کر دیجایا کرے گی۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے وہ معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں اس اعان
کے ذریعے سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ ان معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی (تقا
چوتھائی قیمت کم کر کے روانہ ہوں گی۔

المشتہر۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

مقدمہ

اُردو شاعری کا ستارہ اُس وقت چمکا جب کہ سلطنت مغلیہ کا آفتابِ اقبال گہنا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ شاعری ایک پیشہ ہوگئی اور اُس عہد کے باکمال سخنور اپنے متاعِ ہُنر کو در در لئے پھرتے تھے کہ شاید کوئی قدردان مل جائے۔ مصحفی ان سب میں زیادہ بدنصیب تھا۔

نام غلام ہمدانی ولد ولی محمد ابن درویش محمد، مصحفی تخلص[1]، وطن امروہہ اور مولد اکبر پور[2]۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنے تذکرے میں سنہ پیدائش ۱۱۶۴ھ لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ مصحفی اپنے تذکرہ ریاض الفصحا میں اپنے حالات کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اس وقت میری عمر ۸۰ برس کی ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۲۱ھ میں شروع ہوا اور ۱۲۳۶ھ میں اختتام کو پہنچا۔ اس حساب سے اُن کی پیدائش ۱۱۴۱ھ اور ۱۱۵۶ھ کے درمیان واقع ہوئی ہے۔

ابتدائی تعلیم مکتب میں امروہہ ہی میں ہوئی اس کا اشارہ انھوں نے سید محمد زمان زماں تخلص ساکن امروہہ کے حال میں کیا ہے[3]۔ اسی ضمن میں اپنے استاد کا بھی ذکر کر گئے ہیں لیکن نام نہیں لکھا۔ اصل تعلیم دلی میں ہوئی چنانچہ ریاض الفصحا میں لکھتے ہیں کہ فارسی اور اُس کی نظم و نثر کی تکمیل تیس سال کی عمر میں شاہجہاں آباد میں ہوئی۔ جن دنوں میں جلاوطن ہو کر اس دیار میں تازہ تازہ پہنچا تو علمِ عربی یعنی طبیعیات، الہیات اور ریاضی مولوی مستقیم ساکن گوپامئو شاگرد مولوی حسن خواجہ تاش مولوی مبین عالم العلما سے حاصل کی اور میبذی اور صدرا پڑھا۔ قانونچہ کا درس مولوی منظہر علی سے لیا جو صرف و نحو میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ آخر عمر میں عربی ادب اور تفاسیر

---

(۱) تذکرہ ہندی گویاں صفحہ ۲۴۷۔

(۲) تذکرہ میر حسن صفحہ ۱۹۔

(۳) تذکرہ ہندی گویاں صفحہ ۱۱۔ نیز دیکھو صفحہ ۲۲۷ حال محزون و صفحہ ۱۲۸۔ حال تمہید۔ (تذکرہ ہندی گویاں)

دلی کے قیام کے ذکر میں جو چند جملے ضمناً اُن کی قلم سے نکل گئے ہیں اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ میر حسن کا یہ خیال صحیح ہے کہ اُس زمانے میں اُن کی گزران تجارت ہی پر تھی لکھتے ہیں :-

"میں شاہجہاں آباد میں بارہ سال تک دوروان نحف حال مرحوم میں گوشۂ عزلت

میں رہا - اور اس افراتفری کے زمانے میں تلاشِ معاش کے لئے

کسی کے دروازے پر نہیں گیا"[1]

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ دلی میں وہ اپنی معاش اپنے دست و بازو سے کماتے تھے اور کسی کے دست نگر نہ تھے۔

اگرچہ بقول خود وہ دہلی میں بارہ سال تک عزلت گزیں رہے لیکن اس پر بھی متاعروں کی شرکت، شعر و شاعری کا چرچا برابر جاری رہا اور خود بھی اپنے ہاں مشاعرے ترتیب دیتے رہے[2] اور اُس وقت بھی اُن کی شاعری اس درجے کی سمجھی جاتی تھی کہ لوگ اُن کے شعر سننے کے لئے اُن کے مکان پر حاضر ہوتے تھے[3]۔

دلی کا رنگ بدلا ہوا تھا، حالات ناساعد تھے، بسر اوقات کے ذرائع تنگ ہو رہے تھے، ناچار اپنے دوسرے ہمعصروں کی طرح دل پر پتھر رکھ کر دلی کو خیر باد کہا اور وادیٔ غربت میں قدم رکھا دلی کی حالت اُس وقت کیسی ہی ہو، اُس کا چھوڑنا کچھ آسان نہ تھا وطن تو خیر سب ہی کو عزیز ہوتا ہے مگر اس میں کچھ ایسی کشش تھی کہ باہر سے بھی جو لوگ وہاں آ گئے تھے انھیں وہ وطن سے زیادہ عزیز ہو گیا تھی۔ پیٹ بڑا ظالم ہے اُس کی خاطر یہ مفارقت بھی گوارا کرنی پڑی لیکن مرتے دم تک اس کا داغ دل سے نہ مٹا اور جب تک رہے اور جہاں رہے اُس کی صحبتوں اور خوبیوں پر مٹے رہے۔ ایسا

---

(۱) تذکرہ ہندی گویاں صفحہ ۲۴۷

(۲) تذکرہ ہندی گویاں احوال اسد صفحہ ۱۱۶ امین صفحہ ۲، فراق صفحہ ۱۵۷، مشتاق صفحہ ۲۱۰، مختر صفحہ ۲۴۴، مالاں صفحہ ۲۶۱، بصیر صفحہ ۲۶۱، ہاتف صفحہ ۲۷۰۔ نیز دیکھو عمدۂ منتخبہ و مجموعہ نغز۔

(۳) دیکھو تذکرہ ہندی گویاں ذکر ساقل صفحہ ۱۵۱

قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔ لکھتے ہیں کہ عربی سے نابلد ہونے کا جو نقص تھا وہ میں نے اس شہر میں پہنچ کر رفع کر دیا۔ دوسرا نقص علم عروض و قافیہ کی ناواقفیت تھی۔ اس کی تلافی بھی میں نے چند روز میں اساتذہ کی تصانیف کا مطالعہ کرکے کر لی اور خود اس فن میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام "خلاصۃ العروض" تھا

مصحفی نے اپنے استاد کا کہیں نام نہیں بتایا اور نہ کہیں اس کا ذکر کیا ہے۔ کسی اور تذکرے میں بھی اُس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ البتہ صاحب "سراپا سخن" نے اُن کے اُستاد کا نام امانی لکھا ہے[1]۔ لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ کون تھے، کہاں کے رہنے والے تھے اور کس قماش کے شخص تھے۔

اس پر سب تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے کہ ابتدائے شباب ہی میں وہ دلی چلے آئے تھے اور وہیں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی اور وہیں اُن کی شعر و شاعری چمکی۔ دلی سے انھیں خاص محبت تھی، اس کا ذکر اپنے تذکرہ میں جگہ جگہ بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ وہاں کے مشاعروں، ملاقاتیوں اور یاران عزیز کا ذکر جو آپ اس تذکرے میں جا بجا پائیں گے۔

دلی کہیں ہیں جس کو زمانے میں مصحفی میں رہنے والا ہوں اُسی اُجڑے دیار کا

یہ وہ زمانہ تھا کہ گئی گذری حالت پر بھی دلی کا ہونا یا دلی سے منسوب ہونا یا وہاں کی بول چال، تہذیب و شائستگی اور زباں دانی کا تمغہ سمجھی جاتی تھی۔ اسی بنا پر تو انھوں نے اپنے بعض حریفوں پر چوٹ کی ہے۔

بعضوں کا گماں یہ ہے کہ ہم اہل زباں ہیں دلی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں

مصحفی نے اپنے بزرگوں کا پیشہ "نوکری خانۂ بادشاہ" لکھا ہے۔ لیکن جب سلطنت کے کاروبار میں خلل واقع ہوا تو ان کا روزگار بھی درہم برہم ہو گیا۔ میر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ان کی بسر اوقات تجارت پر تھی[2]۔ مصحفی نے اپنے حال میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا لیکن

---

(۱) ص ۵۴۔

(۲) تذکرہ میر حسن صفحہ ۱۹۰۔ سپرنگر نے بھی بحوالہ عشقی اس کی تائید کی ہے۔

چندے میر محمد نعیم خاں کی رفاقت میں رہے[1]۔ پھر مرزا زین العابدین عرف مرزا مینڈو سرمست تخلص (از نواب سالار جنگ) نے جو اردو شاعری کے بڑے دلدادہ تھے سلسلۂ شاعری اپنی رفاقت مصاحبت میں لے لیا۔ مصحفی لکھتے ہیں کہ بڑی عزت سے پیش آتے تھے اور شعر و سخن میں مشورہ کرتے تھے۔ چار سال تک یعنی ۱۲۰۲ھ تک انھیں کے پاس رہے[2]۔

دلی کے شاہزادے، شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ اس زمانے میں لکھنؤ میں تھے صاحب عالم نے لکھنؤ کی سرزمین پر چھوٹی سی دلی بسا رکھی تھی اور سارا ٹھاٹ وہی قائم کر رکھا تھا۔ دلی سے جو جاتا پہلے اُن کی سرکار میں اپنا ٹھکانا ڈھونڈھتا۔ شعر و سخن سے ذوق رکھتے تھے اور شعرا اور اہل کمال کے قدردان تھے۔ انشا، جرأت، سوز، مصحفی وغیرہ انھیں کے دربار میں ملازم تھے یا انعام و اکرام سے سرفراز ہوتے تھے۔ بارہ سو سات آٹھ ہجری میں مصحفی بھی میر انشاء اللہ کی وساطت سے اس دربار میں داخل ہوئے[3]۔

ہمارے درباروں میں حسد و رشک، رقابت و غمازی اور سازباز کی گرم بازاری ہمیشہ
رہی ہے۔ ہر منہ چڑھا مصاحب دوسرے کے اکھاڑے اور لیے جانے کا
وہ عیاریاں اور افترا پردازیاں، حرفتیں اور جدتیں کام میں لائی
ہے۔ انشا، جرأت اور مصحفی خواجہ تاش اور ہم پیشہ تھے۔ اول
میں بڑھتے بڑھتے نوبت جنگ و جدل اور فحش اور پھکڑ تک پہنچ
نے وہ وہ کیچڑ اچھالی ہے کہ حیا اور غیرت کی آنکھیں
اور بیچین طبیعت کے تھے اور اس پر ذہانت اور غص
شاگردوں کا لشکر تھا۔ انشا کی زیادتیاں گوارا نہ ہو
ہنگامہ برپا ہو گیا جس کے مزے صاحب عالم اور ا

(۱) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۲۵۔ (۲) تذکرہ ہندی
(۳) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۱۲۱۔ آزاد نے جو یہ لکھا ہے

مقام پر ایک بات غور و تامل کے قابل ہے۔ یہ لوگ جہاں جہاں گئے (مثلاً فرخ آباد، عظیم آباد اور خاص کر لکھنؤ) وہاں والوں نے انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا، عزت و حرمت سے پیش آئے، آسائش پہنچائی، مسافر نہیں مہمانِ عزیز سمجھا اور وہ خدمت کی کہ غربت کی کلفت دلوں سے محو ہو گئی۔ آج کل ساحال نہ تھا کہ کوئی بھولا بھٹکا باکمال آ گیا تو سمجھے کہ غنیم چڑھ آیا۔

مصحفی دلی سے آنولہ اور ٹانڈہ پہنچے۔

حسب میکدہ چھٹا تو رہی کیا جگہ کی قید مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

ٹانڈے میں نواب محمد یار خاں امیر خلف نواب علی محمد خاں، صاحب ذوق اور قدر شناس امیر تھے، شاعروں کا اُن کے ہاں اچھا خاصا جمگھٹا تھا۔ قدرتی لاہوری، میر محمد نعیم نعیم، پروانہ علی شاہ، پروانہ، میاں عشرت، حکیم کبیر، محمد قائم وغیرہ مجلس شعر و سخن کے رونق افروز تھے۔ میاں مصحفی بھی شریک صحبت ہو گئے۔ نواب نے میر سوز اور مرزا محمد رفیع سودا کو بھی خط لکھ کر بھیجا اور اپنے ہاں بلایا، وہ اُس زمانے میں مہربان خاں رند کی سرکار میں ملازم تھے، فرخ آباد کو چھوڑنا گوارا نہ کیا لیکن یہ مجلس زیادہ مدت جمنے نہ پائی۔ سکرتال کی لڑائی (۱۸۲ھ) میں نواب ضابطہ خاں کو شاہ عالم نے مرہٹوں کی امداد سے ایسی شکست دی کہ ٹانڈے کی امارت درہم برہم ہو گئی۔ بیچارے فلک زدہ شاعروں کا وہاں کوئی ٹھکانا نہ رہا اور منتشر ہو گئے۔

مصحفی ٹانڈے سے ۱۸۳ھ کے لگ بھگ لکھنؤ پہنچے۔ یہ نواب شجاع الدولہ کا زمانہ تھا، سودا وہاں پہلے سے موجود تھے۔ اُن سے اور بعض مشہور شعرا سے ملاقات ہوئی۔ ابھی سال بھر ہی رہنے پائے تھے کہ طبیعت اچاٹ ہوئی اور پھر دلی کا رُخ کیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہاں کوئی سرپرست اور قدر دان نہ ملا اور روزگار کی کوئی صورت نہ نکلی لیکن دلی میں کیا رکھا تھا، حالت پہلے سے بھی بدتر تھی۔ آخر تھوڑے دنوں کے بعد ہی دوبارہ لکھنؤ پہنچے۔

لکھنؤ پہنچ کر حیدر روڈ صاحب (لالہ کانجی مل، کایستھ سکسینہ) کے ہاں قیام رہا[1]۔ اس کے بعد

(۱) تذکرہ ہندی گویاں صفحہ ۱۴۱۔

مصحفی نے عمر بھی بہت پائی، بڑے استاد جنہوں نے اردو کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور نئی پود جس نے آگے چل کر بڑا نام پایا، سب کو دیکھا، پرکھا اور اکثر اُن کے سامنے چل بسے۔ وفات کا صحیح سنہ معلوم نہ ہو سکا۔ تذکرہ ریاض الفصحا میں جس کا سنہ اختتام ۱۲۳۶ھ ہے لکھتے ہیں کہ اس وقت میری عمر اسّی سال کی ہے۔ شیفتہ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آج کے دن مصحفی کو مرے دس سال ہوتے ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۲۵۰ھ میں لکھا گیا، اس حساب سے اُن کا سنہ وفات ۱۲۴۰ھ ہوا اور عمر چوراسی سال کی۔

مصحفی کے استاد ہونے میں شبہ نہیں۔ بڑے مشاق اور ریختہ گو شاعر تھے۔ آٹھ دیوان، متعدد قصائد اور مثنویاں اُن کی تصنیف سے اب تک باقی ہیں۔ علاوہ اس ضخیم کلام کے شعرا کے تین تذکرے بھی اُن کی بڑی یادگار ہیں جو اب تک گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔

سب سے پہلا تذکرہ فارسی گو شعرا کا ہے جس کا نام عقد ثریا ہے۔ اس میں تین قسم کے شعرا کا ذکر ہے۔ اول شعرائے ایران جو ہندوستان میں کبھی نہیں آئے۔ دوسرے وہ شعرائے ایران جو ہندوستان آئے۔ تیسرے ہندوستانی فارسی گو شاعر۔ دوسرا تذکرہ اردو کہنے والے شاعروں کا ہے۔ تیسرے تذکرے کا نام ریاض الفصحا ہے۔ اس تذکرے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جن لوگوں کے نام پہلے تذکرے میں لکھنے سے رہ گئے تھے اُن کا ذکر اس میں کیا گیا ہے۔

ان تینوں میں تذکرہ نمبر ۲ یعنی تذکرہ ہندی اصل ہے، باقی دو کو اُس کا تکملہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ تذکرہ جیسا کہ خود مصحفی نے لکھا ہے، میر مستحسن خلیق خلف میر حسن کی فرمائش سے تحریر میں آیا اور عہد فردوس آرامگاہ (محمد شاہ بادشاہ) سے شاہ عالم بادشاہ کے زمانے تک کے شعرا کا حال درج ہے۔ بعض متقدم شعرا کے حالات تبّناً لکھ دیے گئے ہیں لیکن زیادہ تر اس میں معاصرین ہی کا ذکر ہے۔[1]

مصحفی کا زمانہ معمولی نہیں تھا۔ یہ اردو زبان کی ترقی و فروغ کا نہایت ممتاز دور ہے۔

(۱) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۳، ۴

ہاتھ آ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انشا اپنی طراری، تیزی اور رسوخ سے بازی لے گئے۔ اور مصحفی کو ذلت نصیب ہوئی۔ صاحب عالم کی نظریں ان کی طرف سے پھر گئیں، تنخواہ میں بھی تخفیف ہوئی اور آخر میں قطع تعلق کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ اسی تنخواہ کا ذکر کس حسرت سے کیا ہے۔

چالیس برس کا ہی ہے چالیس کے لائق | تھا مرد معمر کہیں دس بیس کے لائق
لے دے کے پچیس سو اب پانچ ہیں اپنے | ہم بھی کبھی روزوں میں تھے پچیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر | ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

مصحفی طبیعت کے بہت نیک اور مرنج و مرنجاں شخص تھے۔ اُن کے ہمعصر تذکرہ نویسوں نے اُن کے مزاج اور اخلاق کی بہت تعریف کی ہے اور انھیں خلیق، متواضع، مسکین وضع، مسکین نہاد اور نیک سیرت لکھا ہے[1]۔ وہ کبھی درباری شاعروں سے نہ الجھتے۔ لیکن جب دوسری طرف سے چھیڑ شروع ہوئی تو اُس کے جواب میں خاموش رہنا ممکن نہ تھا کچھ تو شاعری کا گھمنڈ کچھ درباری حالات اور اس پر شاگردوں کی شہ نے معاملہ کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

یہ حالات اُس زمانے کی معاشرت پر دھندلی سی روشنی ڈالتے ہیں۔

مصحفی کی زندگی پریشان حالی، تنگدستی اور عسرت میں گزری۔ اگرچہ کئی امیروں کی رفاقت اور صحبت رہی اور شاگرد بھی ان کے کثرت سے ہوئے جن میں بڑے بڑے لوگ بھی تھے مگر کبھی فراغ بالی اور معاش کی طرف سے اطمینان نصیب نہ ہوا۔ علی لطف صاحب گلشن ہند نے اُن کے احوال میں صحیح لکھا ہے "   برس سے اوقات لکھنؤ میں بسر کرتا ہے ضیق معاش تو وہاں ایک مدت سے نصیب اہل کمال ہے، اسی طور پر درہم برہم اس غریب کا بھی احوال ہے" آخر میں یہ حال ہو گیا تھا کہ یا تو سعادتمند شاگرد اُن کی مدد کرتے تھے یا غزلیں بیچ بیچ کے اپنی بسر اوقات کرتے تھے۔ اس طرح کلام کا بہت سا حصہ دوسروں کی قسمت میں آ گیا۔

---

(۱) دیکھو ذکر مصحفی تذکرہ قدرت اللہ شوق، تذکرہ قدرت اللہ قاسم اور عمدۂ منتخبہ میں۔

سے تھے کہ برائے اساتذہ بیں تلامذہ کسی کے ہوں۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

شاگردِ تازہ ارپس شاگردی رسد   یعنی رجوع خلق بسوئیت ہماں کہ بُو

ان میں سے بعضوں نے بہت نام پایا مثلاً ضمیر، خلیق، رنگین، پروانہ، تنہا اور منتظر اور گرم۔ دونوں اُن کے خاص اور عزیز شاگرد تھے۔ اکثر کا حال ان تذکروں میں موجود ہے۔ ان تذکروں میں اکثر شعرا ایسے ہیں جن سے مصحفی ذاتی طور پر واقف تھے یا اُن سے دوستانہ تعلقات تھے۔ جن کو نہیں جانتے تھے اُن کے متعلق صاف لکھ دیا ہے کہ میں نہیں جانتا۔

مصحفی نے اپنے تذکرے صاف اور سیدھی زبان میں لکھے ہیں تکلف اور تصنع اور عبارت آرائی سے کام نہیں لیا۔ کہیں بے جا طول نہیں دیا، جو حالات جس کسی کے معلوم تھے مختصر طور پر صاف صاف لکھ دئے ہیں۔ انھیں حالات کے ضمن میں کہیں کہیں اُس زمانے کی شعروشاعری اور اردو ادب کے اتار چڑھاؤ کی کیفیت بھی معلوم ہو جاتی ہے مثلاً حاتم کے ذکر میں اُن کی زبانی ولی کے دیوان کا شاہجہاں آباد میں آنا، لوگوں میں اس کا چرچا ہونا، بعض صاحبوں کا ایہام گوئی پر اردو شاعری کی بنیاد رکھنا چند سطروں میں خوبی سے بیان کیا ہے اسی کے ساتھ حاتم کی بزرگی، اُن کے دیوان زادے اور حکیت استادی کا تذکرہ بھی اچھے انداز میں خوب لکھا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ میں مشاعروں کی حالت، اپنے مشاعرے کا ذکر بعض نامور اور ہمعصر شعرا کی ملاقات کا حال جگہ جگہ لکھتے گئے ہیں۔ ایک جگہ مشاعروں کے متعلق لکھا ہے کہ تجربے میں آیا ہے کہ ایسی مجلسیں ایک سال سے زیادہ نہیں رہنے پاتیں، ضرور کوئی نہ کوئی تفرقہ اور خلل پیدا ہو جاتا ہے[1]۔

وہ اپنے تذکروں میں شعرا کے کلام کے متعلق رائے لکھتے ہیں لیکن اس میں تنقیدی حیثیت بہت کم ہوتی ہے تاہم بعض نامور شعرا کے متعلق اُن کی رائیں خاص وقعت

(۱) حال شیخ معن حالی (تذکرۂ ثانی)

اگرچہ فارسی کا رواج عام تھا، مکتبوں اور مدرسوں میں فارسی کی تعلیم برابر جاری تھی۔ فارسی کا پڑھنا علم و فضل ہی کے لئے نہیں بلکہ تہذیب و شائستگی کے لئے لازم خیال کیا جاتا تھا۔ لوگ فارسی شعر و سخن کے ایسے ہی دلدادہ تھے جیسے اکبر و جہانگیر کے زمانے میں۔ اس کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ یہی تذکرے جو اردو شعرا کے ہیں فارسی میں لکھے گئے۔ اس سے پہلے اور بعد بھی بہت سے تذکرے جو اردو شاعروں کے لکھے گئے فارسی میں ہیں لیکن اردو زبان رفتہ رفتہ زور پکڑتی جاتی تھی اور مصحفی کے زمانے میں تو اس نے یہ قوت حاصل کر لی تھی کہ ہمارے مستند شاعر فارسی کو چھوڑ کر اردو کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ خود مصحفی جو فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور فارسی کے دو دیوان مرتب کر چکے تھے جن میں سے ایک ظہیری نیشاپوری کے جواب میں ہے اپنے حال میں لکھتے ہیں "بمقتضائے دوران زمانہ آخر کار خود را مصروف ریختہ گوئی داشتہ برائے آنکہ کہ رواج شعر فارسی در ہندوستان بہ نسبت ریختہ کم است و ریختہ ہم فی زماننا بہ پایۂ اعلیٰ فارسی رسیدہ (بلکہ از و بہتر گردیدہ)"[1] اس سے بڑھ کر کوئی اور مستند شہادت نہیں ہو سکتی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس دور میں اردو کے ایسے بلند پایہ شاعر ہوئے ہیں جن کی بدولت اردو نے وہ فروغ حاصل کیا کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اردو میں لطافت و شیرینی، قوت اور وسعت پیدا کی اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ اُن کی زبان اور کلام کا اثر اب تک باقی ہے اور باقی رہے گا۔

مصحفی کی حاتم سے لے کر نصیر دہلوی تک ذاتی ملاقات تھی بعض اُن میں سے بزرگ تھے جیسے حاتم، خواجہ میر درد، میر، سودا، فغاں وغیرہ، بعض ہم عمر اور معاصر تھے مثلاً قائم، جرأت، سوز، بقا، انشا، حسن، حسرت وغیرہ، بعض نومشق تھے اور نام پیدا کر رہے تھے جیسے آتش، ناسخ، نصیر، رنگین، ممنون، طپش، خلیق، افسوس وغیرہ وغیرہ۔ شاگردِ مصحفی کے اس کثرت

(۱) تذکرہ ہندی گویاں صفحہ ۲۴۸ قوسین کے الفاظ ایک نسخہ میں ہیں دوسرے میں نہیں۔

فارسی دانی کی تعریف کی ہے۔ انشا نے مثنوی شیر برنج مولانا بہار الدین آملی کی مثنوی نان و حلوا کے جواب میں لکھی اُس کی نسبت لکھتے ہیں "بسیار بصفا گفته داد فصاحت زبان فارسی در روداده" اُن کے اُردو کلام کے متعلق یہ فقرہ لکھا ہے "اگرچہ ہمہ کلامش در عالم ظرافت خالی از کیفیتے نیست اما آنچہ از اشعار ساده اش انتخاب بفقیر افتاده ایست" اُن کے کلام کا انتخاب بھی بہت اچھا کیا ہے۔ انتقال کے بعد بھی انھیں یاد کیا ہے ؎

مصحفی کس زندگانی پہ بھلا میں شاد ہوں
یاد ہے مرگِ قتیل و مردنِ انشا مجھے

قتیل سے مصحفی کے دوستانہ تعلقات تھے اور وہ اُس کے خلق و ظرافت اور قناعت کی تعریف کرتے ہیں لیکن کلام کے متعلق صاف لکھ دیا ہے کہ "در قصیدہ یدِ طولیٰ دارد اما در گفتنِ غزل لطفی است"(1)

آتش اُن کے شاگرد تھے، اُن کے متعلق کیا صحیح رائے دی ہے "اگر عمرش وفا کرده و چندیں سال بر ہمیں وتیره رفت و فکر تیشش را با سلیقہ در ہیں نیاید یکے از بے نظیراں روزگار خواہد شد"

رنگین بھی اُن کے شاگرد تھے کیا خوب کہا ہے کہ "ہر چند چنداں بہرہ از علم ندارد اما ذکاوتِ طبعش بر صاحب علمان غالب" رنگین نے اپنا دیوان اصلاح کے لئے پیش کیا شروع سے آخر تک دیکھ کر فرمایا "کلامش بسیار کم اصلاح پر آمده" اصل رائے یہ ہے کہ "چوں مرا خوش عشق با تر افتاده، اکثر قطعہ ہائے خوب خوب و غزل و نامہ ہائے نغز نغز بہ سلکِ نظم کشیده"

ناسخ کی نسبت ایک جگہ فرماتے ہیں "در تلاش ہائے معانی تازه ہمی کند" ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں "معنی بندی تازه علم استادی برافراشته" لیکن مصحفی اس قسم کی شاعری کو جس میں معنی بندی اور "استعارہ خیالی" زیادہ ہوتے ہیں پسند نہیں کرتے تھے(1)

(1) دیکھو ذکر واجد تذکرۂ ثانی۔

رکھتی ہیں۔ مثلاً سودا کے تذکرے میں اگرچہ پورا ایک صفحہ بھی نہیں لکھا لیکن جو کچھ لکھا ہے اُس میں اُس کے کمال اور سیرت کی تصویر کھینچ دی ہے۔ نکتہ چینیوں کے اعتراضات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں "غرض ہر چہ بود، در روانیِ طبع نظیر خود نہ داشت" اور آخر میں کہتے ہیں "نقاش اولِ قصیدہ در زبانِ ریختہ اوست، حالا ہر کہ گوید پیرو تتبعش خواہد بود"

مظہر جانِ جاناں کی نسبت فرماتے ہیں کہ "در دورِ ایہام گویانِ اول کسے کہ شعرِ ریختہ بہ تتبع فارسی گفتہ اوست" آخر میں لکھتے ہیں "فی الحقیقت نقاشِ اولِ ریختہ بایں وتیرہ باعتقادِ فقیر مرزا است، بعد ہ تتبعش بہ دیگراں رسیدہ"

سودا سے مقابلہ کرنے کے بعد جس کا رواج اُس وقت عام تھا اور جس کا اثر اب بھی باقی ہے۔ میر صاحب کی نسبت فرماتے ہیں "غرض ہر چہ ہست استادیِ ریختہ بر و مسلم است ہمہ ریختہ گویان ہند سند از کلامش می آرند و او را در پیشِ اُستادی می دانند و الحق چنین است"

یقین کے کلام کے متعلق بھی قریب قریب وہی رائے ظاہر کی ہے جو مظہر جانِ جاناں کے حق میں لکھی ہے۔ آخر یقین ہیں تو مظہر ہی کے تربیت یافتہ۔ کہتے ہیں کہ "در دورۂ ایہام گویان اول کسے کہ ریختہ را شستہ و رفتہ گفتہ این جوان بود، بعد از ان تتبعش بہ دیگراں رسیدہ"

مصحفی پہلے شخص ہیں جنھوں نے میر حسن کی مثنوی کی سچی تعریف کی ہے "در مثنویِ آخر کہ سحر البیان نام دارد ید بیضا نمودہ۔ الحق کہ کار کار اوست قطع نظر از بلاغتِ شاعری زبانش بسیار بامزہ و شیریں دعالم پسند افتادہ"

معصروں کے کلام کے متعلق صحیح رائے کا ظاہر کرنا آسان نہیں، اور خاص کر ایسے لوگوں کے متعلق جن سے آویزش اور چشمک رہی ہو۔ انشا اللہ خاں اور اُن میں کیا کچھ نہیں گذری تھی اور ان بزرگوں نے کون سی بات تھی جو اٹھا رکھی تھی، اس پر بھی جب وہ انشا کا حال لکھنے بیٹھے تو سچی تعریف اور بے لاگ رائے ظاہر کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اُن کی سلامت روانی اور خاص کر

انشاؔ نے بھی جا بجا دریائے لطافت میں اردو کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے بعد پھر میر امن کی باغ و بہار میں نظر آتا ہے۔

پہلے تذکرے کے آخر میں چند شاعر عورتوں کا حال بھی درج ہے۔

ان تینوں تذکروں کی تصنیف کی تاریخیں یہ ہیں۔

تذکرۂ اول، ہندی گویاں۔ سنہ ۱۲۰۱ھ سے قبل شروع ہوتا ہے اور سنہ ۱۲۰۹ھ میں ختم ہوتا ہے۔ تاریخ اختتام تو مصحفی نے خود لکھ دی ہے ابتدا کا صحیح سنہ تو معلوم نہیں ہو سکا لیکن حالات کے ذکر میں میر حسن (متوفی سنہ ۱۲۰۱ھ) کا تذکرہ ضمناً آگیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ اس سنہ سے قبل لکھنا شروع کر چکے تھے۔

تذکرۂ دوم، ہندی گویاں۔ اس کا سنہ تصنیف اس کے نام ریاض الفصحا سے نکلتا ہے یعنی سنہ ۱۲۲۱ھ، لیکن یہ تاریخ آغاز ہے، تاریخ اختتام سنہ ۱۲۳۶ھ ہے۔

تذکرۂ فارسی گویاں یعنی عقد ثریا کا سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ ہے۔

ہندی گو شاعروں کے دو تذکرے ہیں ان میں بعض شعرا کے حالات مشترک ہیں، اس لئے کہیں کہیں بعض شعرا کے حالات کے متعلق رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے یہ تعجب کی بات نہیں کیونکہ جیسا کہ خود مصحفی نے لکھا ہے ایک عالم شباب کا نتیجہ ہے اور دوسرا زمانۂ شیب کا۔

ہندی گویوں کا پہلا تذکرہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے نسخے پر مبنی ہے۔ البتہ اس کا مقابلہ خدا بخش خاں کے کتب خانے کے نسخے سے کیا گیا بعض مشتبہ مقامات کا مقابلہ کتب خانہ مدرسہ ندوۃ العلما سے بھی کیا گیا۔ باقی دو تذکرے خدا بخش خاں کے کتب خانے کے نسخوں کی نقل ہیں۔ بعد ازاں ان تینوں تذکروں کے مبیضوں کا مقابلہ کتب خانۂ ریاست رامپور کے نسخوں سے ہوا۔ افسوس ہے کہ کتب خانہ خدا بخش خاں اور رامپور کے نسخے بہت غلط اور بدخط نکلے۔ تاہم مقابلے سے بعض مقامات کی کچھ نہ کچھ تصحیح ہو گئی۔

میں قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر ایٹ لا اڈوکیٹ پٹنہ کا ممنون ہوں کہ انھوں نے

مصحفی کے تذکروں میں بیسیوں ہندو شاعروں کا حال درج ہے ان کا ذکر بھی اسی گرم جوشی اور خوبی سے کرتے ہیں جیسا دوسروں کا۔ اس سے اُس زمانے کی تہذیب اور آپس کی یک جہتی کا اندازہ ہوتا ہے۔

تذکرے میں اکثر نامور شعرا کی تاریخِ وفات کے قطعے لکھے ہیں۔ اس فن میں انھیں خاص دخل تھا۔

میر سوز کے ابتدائی تخلص "میر" کی شہادت بھی اس تذکرے سے ملتی ہے۔

سعادت امروہوی کا حال بھی لکھا ہے لیکن میر صاحب کے تعلق تلمذ و استادی کا ذکر نہیں کیا۔

مصحفی نے اپنے تذکروں میں ضمناً صرف تین تذکروں کی طرف اشارہ کیا ہے ایک تذکرہ میر حسن(۱) دوسرے تذکرہ گردیزی(۲) تیسرے تذکرہ قدرت اللہ شوق۔

ایک بات اور قابل لحاظ ان تذکروں میں پائی جاتی ہے۔ جہاں تک تحقیق ہوا ہے اُردو شعرا میں مصحفی پہلے شخص ہیں جنھوں نے "اردو" کا لفظ زبان کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ان تذکروں میں کئی جگہ یہ لفظ آیا ہے۔ حضور کے حال میں ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز شاہجہاں آباد میں لطف علی خاں ناطق کے گھر پر مشاعرہ تھا۔ میر صاحب کی طرحی غزل میں قافیہ کے بعد ردیف "اور" بعض طرف تھی بعضے فصحائے اُسے خلافِ "اردو" خیال کرکے اُس کی پیروی سے کی شتار کے حال میں لکھتے ہیں کہ "اداے زبانِ اردو چنانچہ باید از زبان ندرت بیانش می شود" پھر کے تذکرے میں مرزا قتیل کے متعلق فرماتے ہیں کہ "او ہم باوصفِ فارسی گوئی دعوئے اُردو دانی ریختہ دانست" اسی طرح مہجور کے حال میں لکھا ہے کہ "سہ کتاب در زبان اردوئے ریختہ شکر آمیختہ از خامۂ فکرش رونق سواد پذیرفتہ" لیکن "زبانِ اردوئے معلی" کا لفظ اس سے پہلے میر صاحب نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں لکھا ہے(۳)

---

(۱) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۸۸ ذکر خاکسار صفحہ ۲۶ ذکر بالال

(۲) دیکھو صفحہ ۲۲۴ ذکر لقا "تذکرہ ہندی گویاں" (۳) صفحہ ایک

ن

دونوں نسخوں کی نقل خدا بخش خاں کے کتب خانے سے لکھوا لی تھی اور خود بڑی احتیاط سے تینوں نسخوں کا مقابلہ وہاں کے نسخوں سے کیا۔

حاشیہ میں ان نسخوں کا حوالہ درج کر دیا گیا ہے۔ ن خ سے مراد نسخہ کتب خانہ خدا بخش خاں ہے اور ن۔ ر سے نسخہ رامپور۔ جہاں صرف ن لکھا ہے اُس سے بھی نسخہ رامپور مراد ہے۔

عبدالحق

حیدرآباد دکن

۸ر نومبر ۱۹۳۳ء

بسم الله الرحمن الرحیم

تذکرهٔ مصحفی

نیکوترین تذکره که غنچهٔ دلهاے ارباب سخن را باهتزاز نسیم تقریر بشگفتن در آرد حمد
خداوند سخن آفرینی است که مصرعهٔ ریختهٔ شمع قامت هوشاں را با چندیں معنی سوز و گداز
بسم الله دیوان عشق ساخته و دلنشیں بیاضے که توتیائے اشعار آبدارش دیدهٔ تماشائیان
معنی دوست را آبحیات معنی هائے روشن در جلباب ظلمات الفاظ متراکم باید نعت سلطنت مرتبت
که شیرازه بند کاف و نون دو مصرعه چسپان ذوالفقار دو سره موزون و مسجع در قبضهٔ تصرف
انداخته - امابعد ضمائر فیض ذخائر مشکل پسندان دقیقه رس و دقیقه رسان مشکل پسند
پوشیده مباد که چون این فقیر حقیر غلام همدانی مصحفی تخلص از تصنیف دیوان فارسی و
هندی و تالیف تذکره فارسی فراغت حاصل کرده بهم تالیف تذکره هندی در پیش آمد
اگرچه از علو همت خداداد سر و دماغ آں نبود که اوقات عزیز خود را باشتغال چنیں امر
لاطائل که دیگراں بفخر بگردن خودش بسته اند مصروف سازد اما بتکلیف میر مستحسن خلیق
خلف میر حسن که باشارهٔ پدر بزرگوار خود کلام خود را از نظر فقیر می گذارند و شوق شعر
هندی دامن دلش را محکم فرا گرفته طوعاً و کرهاً قدم دریں بادیهٔ پرخار گذاشت و بتقیید
حروف تهجی اسامی قدیم شعرائے عهد فردوس آرامگاه تا شعرائے زمانه شاه عالم بهادر

مدت سے اشتیاق ہے پیارے جو آئیے — ٹھلا رواقِ چشم میں سیریں دکھائیے
وہ گلبدن جو آکے ہم آغوش ہو کہیں — جوں غنچہ پیرہن میں نہ پھولے سمائیے
ہے مدتوں سے منتظر جلوہ آفتاب — مکھڑے سے ٹک نقاب کو جلدی اٹھائیے

بات ایک کیجے غیر سے اور ہم سے منہ کو موڑئیے — ٹک خدا سے ڈریئے ان وصفوں کو اب تو چھوڑئیے
منہ نہ موڑے گا یہ عاصی گر یہی منظور ہو — لیجئے سنگِ جفا اور شیشۂ دل توڑئیے

اس بسنتی پوش کو گر پائیے — آرزو دل کی جو ہے بر لائیے

اے صنم جس سے جہاں میں آشنائی کیجئے — کیا ہے لازم پھیر اس سے بیوفائی کیجئے

(۲) آصف

تخلص نواب وزیر آصف الدولہ بہادر یحییٰ خاں است کہ شور سخاوتش غلغلہ در چار دانگِ عالم انداختہ و برق شمشیر سطوتش زہرۂ شیران آہنی چنگال آب ساختہ۔ اگرچہ آصف است اما سلیمان زمانش می تواں گفت و اگرچہ یحییٰ است اما عیسیٰ عہدش می تواں خواند۔ سایہ پرچم ظفر توامش بر سر نزد و یک دو دور افتادہ و سم سمندان فولاد نعلش بہر طرف کہ رو آوردہ خاک بغی و طغیان را بر باد دادہ۔ از بسکہ از ابتدائے عمر در جمیع فنون از ابنائے یگانۂ روزگار است۔ بمقتضائے موزونیِ طبع گاہ گاہے خیال شعر نیز می فرماید۔ چند اشعار از کلام اوست۔ از دست۔

تجھے غیر سے جب باہم دیکھتے ہیں — نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
تو جلدی سے آ ورنہ میرے مسیحا — کوئی دم کو راہ عدم دیکھتے ہیں

بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ وسلطانہ و افاض علی العالمین برہٗ واحسانہٗ ہمت گماشت بیشتر در آں ذکر معاصرین است کہ احوال ہر یکے بچشم خود دیدہ و بہ حسن و قبح مراتب سخن ہر کس وا رسیدہ۔ وکم کم احوال بعضے متقدمین نیز بطریق تیمن صورت اندراج یافتہ۔ فرق زبانِ ریختہ سابق وحال بر ہوشمندان پیدا است امید کہ منظورِ نظر مبصرانِ نقود معانی و صرفیان راستہٗ بازار سخندانی گردد وَبِاللّٰہِ التَّوفِیق وَلَہُ المُستَعَان۔

(۱) آفتاب

تخلص شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی است کہ نور معدلتش بسیط زمین را چوں آفتاب عالمتاب روشن ساختہ و ہمائے دست تاج بخشش بر سر ذرات خاک از قاف تا قاف سایہ انداختہ، دریں زمانہٗ پر آشوب کہ از ہر طرف غبار فتن و فساد برخاستہ خاطر عالی را مکدر دارد بر سر کونین آستیں افشاندہ اوقات عزیز خود را اکثر بطاعت و عبادت بسر می برد و پس از فراغت اوقاتِ معہود تلاوتِ قرآن و نوشتن آں اشہب فکر را در میدان شعر ہندی و فارسی و کبت و دوہرہ وغیرہ نیز جولان میدہند و در آں وقت اکثرے از کبیشراں و ریختہ گویان پایہ تخت حاضر می باشند و وقت خواندن خوشخوان غلغلہ تحسین آفرین بلند می سازند برائے تیمن و تبرک بقولی کہ کلام الملوک ملوک الکلام اشعار حضرت نیز داخل ایں بیاض کردہ شد تا بر صفحۂ روزگار یادگار بماند۔ از وست

دل شاد ہو گیا تھا سن کر تری سواری موقوف کیوں ہوئی پھر تقصیر کیا ہماری

تری اس مانگ سو کیا معنیٔ دلخواہ ہے پیدا شب معراج کی اس خط سے گویا راہ ہے پیدا

جوں شمع تا سحر شب فرقت میں آفتاب بے اختیار مجکو رلاتی ہے چاندنی

(۳) آبرو

عرف شاہ مبارک کہ میاں نجم الدین نام داشت نبیرۂ حضرت غوث گوالیاری نوراللہ مرقدہٗ شخصے بود یک چشم باریش و عصا۔ شعر را بطوریکہ در آں زمانہ رواج داشت بسیار بخوبی گفتہ خصوصًا مثنوی کہ موعظ آرایش معشوق ازخامۂ فکرش ریختہ بسیار است فقیر چند شعرش بطور خود از دیوانش انتخاب زدہ نوشتہ عمرش از ہنچاہ متجاوز خواہد بود کہ تا سیب پائے اسپ پائے حیاتش فرو رفتہ از دست۔

افسوس ہے کہ ہم کو دلدار بھول جاوے | وہ شوق وہ محبت وہ پیار بھول جاوے

کتابت کا پہنچا آہ سے میری ہوا مشکل | جلے جاتے ہیں گرمی سے ہوا کی پر کبوتر کے

کیا بری طرح بھوں مٹکتی ہے | کہ مرے دل میں آ کھٹکتی ہے
زلف کی شان ملکھ اوپر دیکھو | کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے
اب تلک گرچہ مرگیا فرہاد | روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے | وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

دامنِ دشت کیا نقش قدم سے پر گل | کس بہاراں کا یہ دیوانہ تماشائی ہے

عبث کیوں روبرو ہو کر کھاتے ہو قسم جھوٹی | بن آئینہ کے تم اک دم بھی رہ سکتے ہو منہ دیکھو

بتوں کی گلی میں شب و روز آصف — تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

وحشت میں کوہ و دشت جو یہ آہ لے گئی — کیا کیا کنوئیں جھکا نے تیری چاہ لے گئی
کعبہ میں بھی گئے تو ہمیں تیری یاد آہ — پھر سوئے دیر لے بت دلخواہ لے گئی
جاروب کش نے اس کے نہ رہنے دیا مجھے — گر وہاں نسیم شکل پر کاہ لے گئی
آصف چمن میں آتی ہے اس رشک گل کی بو — کیا جانیئے کدھر مجھے ناگاہ لے گئی

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے — ہم سے جانا کہ دو جہاں سے گئے
تیرے کوچہ میں نقش پا کی طرح — ایسے بیٹھے کہ پھر نہ یہاں سے گئے
شمع کی طرح رفتہ رفتہ ہم — سنیو اک دن کہ جسم و جاں سے گئے

دل تو کہتا ہے یار آتا ہے — پر مجھے کب قرار آتا ہے
یہ بگولا نہیں اڑاتا خاک — سر پہ کوئی خاکسار آتا ہے
میں کہ دل گا ترا گلا تجکو — یہ بھلا اعتبار آتا ہے
خیر ہے آصف اس گلی میں آج — دل کو ہر پھر پکار آتا ہے

کس طرح غیر کنے تم کو بہم دیکھیں گے — یہ تو واللہ ان آنکھوں سے نہ ہم دیکھیں گے
دور دامن کی تو نوبت کہیں پہنچے یارب — کب تلک دست و گریباں کو بہم دیکھیں گے
رام تم ہو چکے اور ہم نے بھی لیں پوجے پانو — جا کے اب اور کسی بت کے قدم دیکھیں گے
کل کے نامہ کا تو آصف یہ کچھ آیا تھا جواب — آج کیا کرتا ہے تو حال رقم دیکھیں گے

(۴) اثر

کہ میر محمد نام دارد برادر خورد خواجہ میر درد نور اللہ مضجعہ، شخصے است بزیور علم و عمل آراستہ و بصلاح و تقویٰ پیراستہ، تا حین حیات برادر بزرگ خود را چون پیر پرستش می کرد، حالا بجائے او در شاہجہاں آباد سجادہ نشین است و شعر ہندی و فارسی، کم از برادر بزرگ می گوید۔ از وست۔

کب کب تری گلی میں ہم بے قرار آئے — سو بار جی نے چاہا تب ایک بار آئے
ہرچند جی یہ ٹھہری پھر ہم ادھر نہ آویں — آخر نہ رہ سکے پر بے اختیار آئے

کب کب آملے ہو اثر کیوں تجھو تنگ آتا ہی — آ نکلتا ہو کبھی جی سے جو تنگ آتا ہے

تیرے کوچہ میں دوبارہ خوب ہم ہو کر چلے — ڈھونڈتے کو دل کے آئے جان بھی کھو کر چلے

یہ تجھ بن رات جو گذری ہے میں جانوں یا خدا جانے — تجھے تو کب ہوئی ہو گی خبر تیری بلا جانے

رقیبوں نے حماقت سے یہاں تک پاسبانی کی — کہ اُس نامہرباں نے ضد سے آخر مہربانی کی
نہ قصد اپنا کہ دل دیجے نہ قصد اُس کا کہ جی لیجے — مصیبت کیا بیاں کیجے بلائے ناگہانی کی

جس وقت کہ تو نے اُسے پیغام دیا تھا — قاصد بخدا اُس نے مرا نام لیا تھا
ناگاہ پس از عمر ملا مجھکو تو بولا — بس لگ نہ چل اب تو نے تو بدنام کیا تھا

شور ہو اس کی اشکباری کا　　　آبرو چشم تر قیامت ہے

سجا ہے نرگسی بوٹی کا جامہ　　　کرے کیونکر نہ ہم سی چشم پوشی

نالہ ہمارے دل کا غم کا گواہ بس ہے　　　دینے کے تئیں شہادت انگشت آہ بس ہے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے　　　خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

ظالم نگہ کا تیر ستم کام کر گیا　　　سینہ کو صاف توڑ جگر سی گذر گیا

جان اگر دشمن ہوئے ہو تم ہمارے اس قدر　　　تو ہمارے دل کو کیوں لگتے ہو پیارے اسقدر
گاہ گاہے پیار کی انکھوں سے کرتا ہی نگاہ　　　مہرباں ہوتا چلا ہے اب تو بارے اسقدر
دیکھنے کو دوڑتے ہیں لوگ بھونچنیا سمجھ　　　آہ سو دل کے نکلتے ہیں شرارے اسقدر
عاجزوں کو بے گنہ آزار دینا خوب نہیں　　　ڈر خدا سے آبرو کو مت ستارے اسقدر

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوگی　　　اس دل بیقرار کی صورت

تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے　　　کہاں ہے، کس طرح کی ہے کدھر ہے
کیا ہے بے خبر دو نو جہاں سے　　　محبت کے نشہ میں کیا اثر ہے
تخلص آبرو بر جا ہے میرا　　　ہمیشہ اشک غم سے چشم تر ہے

بھوا دھر کو بھی ہو جلوہ گری عشوہ گری
تیری دولت کا بھلا ہم بھی تو کچھ یاد کریں
پاس کے دل سے بھلا ٹک تو نکل جائے نکار
اور بھی جی میں جو کچھ ہو تمہیں سو ارشاد کریں

جو سزا دیجے سو ہے بجا مجھ کو
تجھ سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو
غم میں بیٹھوں کہاں تلک بت کے
اب اٹھا دے کہیں خدا مجھ کو
سرد مہری نے تیری اے ظالم
آہ کتنا جلا دیا مجھ کو
کیوں تو ہر چند جفا ہی کرتا ہے
نہیں کچھ دعوئے وفا مجھ کو
گر اسی میں خوشی تمھاری ہے
اور بھی کیجئے خفا مجھ کو
دو ہی میں ہوں اثر وہی دل ہے
پر خدا جانے کیا ہوا مجھ کو

نہ لگا لے گئے جہاں دل کو
آہ لے جائیے کہاں دل کو
تو بھی جی میں اسے جگہ دیجو
منزلت تھی اثر کے ہاں دل کو

بے گناہوں سے دل کو صاف کرو
نہیں تقصیر پر معاف کرو
کر چکے قتل اثر غریب کے تئیں
اب تو شمشیر کو غلاف کرو

کدھر کی خوشی کہاں کی شادی
جب دل سے ہوس ہی سب اڑا دی
تا ہاتھ لگے نہ کھوج دل کا
عیار نے زلف سے اٹھا دی
پل مارتے خاک میں ملایا
ٹک اس نے نظر جدھر ملا دی
یا رب سوا لقائے و تجھ تک
لا مقصودی و لا مرادی
دیتے ہو کسے یہ بد دعائیں
کیا پیارے اثر نے پھر دعا دی

ہوا کیا وہ ترا اے شرمگیں چپ ہو کے رہ جانا   کہی جو بات کہا بدنا ہوئی جو بات سہ جانا

بھلا شکر کرنے لگی پھر شکایت   کرم مہربانی توجہ عنایت

حد ہو چکی ہے اے تو خاطر بھلا کہاں تک   ہم نے ہوس کو مارا مقدور تھا جہاں تک

بس ہو یارب یہ امتحاں کہیں   یا نکل جائے اب جان کہیں
حسن ویسا ہی گو رہو نہ رہو   کوئی جاتی ہے تیری آن کہیں
وائے غفلت کہ ایک ہی دم میں   میں کہیں اور کارواں کہیں

ہم ہیں بے دل دل اپنے پاس نہیں   آہ اس کا بھی تجھ کو پاس نہیں
بے وفا کچھ نہیں تری تقصیر   مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں
قتل میرا ہے تیری بدنامی   جان کا ورنہ کچھ ہراس نہیں(1)
یوں خدا کی خدائی برحق ہے   پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں

کوئی کھاتا تھا دغا چھوٹی مدارات سے میں   آ پھنسا دام میں کیا جائے کس بات(2) سے میں
سخت ناچار ہے تقدیر کے ہاتھوں بندہ   ورنہ یوں باز رہوں تیری ملاقات سے میں

دل(3) میں ہے جور ترے از سر نو یاد کریں   تو سنے یا نہ سنے نالہ و فریاد کریں
ان بتوں کی ہے بڑی دوڑ یہی دل شکنی   یہ کہاں جو یہ کسی دل(4) کے تئیں شاد کریں
ہم اسیروں کی اسے چاہئے خاطر داری   اور الٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

---

(1) اس کا میں یہ شعر نہیں۔ (2) گھات (ح ر)۔ (3) ح میں ہے از سر نو جور سرے یاد کریں (ح خ)۔ (4) دل کو کہیں (ح)

میں تو بے چیں ہوں پر ہے تحفگی یہ[1] بن میرے ستائے اس کو بھی چین نہیں

نے دل کو قرار بے قراری کے سبب نے چشم کو خواب اشکباری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

سودا کب تھا اسے یہ کب تھی وحشت بس دیکھ تجھے ہوا پریشاں حالت
زلفوں کے دام میں الم سا آزاد آ کر پھنس جاوے یوں خدا کی قدرت

(۶) امیر

مسمٰی بہ نواب محمد یار خاں خلف نواب علی محمد خاں امیرے بود از قوم افاغنہ۔ در علم موسیقی و ستار زدن یگانۂ روزگار و در رعنائی و زیبائی جوانے بود باغ و بہار۔ ہزارہا دریں کار بر باد دادہ و بہ استادان ایں فن از داد و دہش بسیار رحمتہا کہ نہادہ۔ درایامیکہ بہ ترغیب حکیم کبیر سنبلے شوق شعر ہندی دامن دلش را بسوئے خود کشید، خطی بطلب میر سوز و مرزا محمد رفیع نوشتہ روانہ کرد۔ چوں درآں ایام ایں ہر دو بزرگ در سرکار مہربان خان رند تخلص بصیغۂ شاعری عز و امتیاز داشتند از فرخ آباد آمدن ایشاں بہ ٹانڈہ کہ موضع بود و باش نواب بود اتفاق نیفتاد۔ آخر کار میاں محمد قائم کہ درآں ایام در بسولی بود حسب الاشارہ آمدہ شرف ملازمت آں والاجناب دریافت۔ و بد ماہہ یک صد روپیہ عز و امتیارش دادہ باستادیش برداشت۔ و علی ہذا القیاس دیگر سخن سنجان مثل قدوی لاہوری و میر محمد نعیم نعیم تخلص دیوانہ علی شاہ[؟] بیدوانہ مرادآبادی و میاں عشرت[2] ہدال و حکیم کبیر صاحب کہ از قدیم در سرکارش بود و فقیر حقیر مصحفی از حاضران مجلس او بود و ہر وقت کہ غزل طرح می فرمود تند بسرانجام می رسانید۔

---

(۱) میں تو بے چیں ہوں ہی پر تحفگی یہ (ل نخ)۔ (۲) عسرت (ل ر)

رباعیات

کیا تجھ سے کہوں میں کس طرح گذرے ہے | کیا دوں میں تپاکہ اس طرح گذرے ہے
بالفرض اگر کہا تو پھر کیا حاصل | گذرے ہے خیر جس طرح گذرے ہے

احوال تباہ کو دکھاؤں میں کسے | افسانۂ دردِ دل سناؤں میں کسے
تو دیکھ نہ دیکھ، سن نہ سن، جان نہ جان | رکھتا ہوں تجھی کو اور لاؤں میں کسے

نے حال تباہ کی انھیں بینائی | نے نالہ و آہ کی اثر شنوائی
کوئی مرتے مرو، جیتے جیو، بھائیں نہیں | اللہ و غنی بتوں کی بے پروائی

صدقے ترے نام پر یہی بندا ہے | دل دادۂ بے خطر یہی بندا ہے
بے عیب خدا کی ذات ہی ہے پیارے | تقصیر معاف آخر یہی بندا ہے

اب ضبط سے تاب جی کے رہنے کی نہیں | طاقت صدمات ہجر سہنے کی نہیں
اک بات ہے موقوف ترے آنے پر | پن آئے ترے کہوں سو کہنے کی نہیں

(۵) الم

کہ صاحب میرزام دارد خلف خواجہ میر درد صاحب نور اللہ مضجعہٗ جوانی است حلیم و سلیم بمقتضائے موزونی طبع کہ موروثی است۔ گاہ گاہی فکر رباعی یا مطلع حسن مطلع میکند (حق تعالیٰ سلامت دارد۔ن ر) رباعیات

کیا کہئے الم کہ اک گھڑی چین نہیں | معلوم ہوا کہ جیتے جی چین نہیں

کس نے نظروں میں خدا جانے اُسے مل ڈالا　نرگس آج آنکھ اٹھاتی نہیں بیماری سی
کیا کہوں ولولۂ شوق کو تیرے میں امیر　گھر میں جاتے ہیں پڑے تو خبرداری سی

وہ دن گئے کہ جو روتی تھیں چشم آب رقیق　گریں ہیں لخت دل آنکھوں سے اب تو مثل عقیق

کیا عجب بال ملائک ہوں اس جاگہ فرش　جس جگہ پانو رکھے صاحب مسند میرا
مجلس طاعت سے کچھ اپنے تو نہیں پاس امیر　مگر احمد کا ہوں میں اور ہے احمد میرا

(۷) امجد

مولوی امجد امجد تخلص کہ پیرائیہ حالش باکسوت فضل وکمال مزین است ہمیشہ بہ درس وتدریس گذرانده ودر فارسی ہم برغم علمائے دیگر معلومات معقول بہم رسانده۔ دم از شاگردی نظام خاں مبجز میزند ودر گفتن معنی ابیات جلال اسیر وغیرہما رخش خیال در میدان وسعت می دواند۔ معہذا بمقتضائے موزونی جبلی بگفتن شعر فارسی وہندی نیز قادر است۔ از مدت دراز دست بیعت بدست مولوی[1] فخرالدین محمد صاحب نوراللہ مضجعہٗ گذاشتہ ہمیشہ در مجلس‌شان بطریق آداب وسلوک در شاہجہاں آباد ممتاز بوده عمرش قریب بہ ہفتاد[2] باشد۔ از وست

بسمل مجھے نہ چھوڑ یو لے یار دیکھنا　ایسا ستم نہ کیجیو زنہار دیکھنا
ٹھوکر لگے ہے دل کو مرے ہر لٹک کے بیچ　کرتی ہے کیا ستم تری رفتار دیکھنا
تو آکے دل جلوں کو ستاتا تو ہے رقیب　کوئی آہ لگ گئی تو مرے یار دیکھنا

جاں بلب تشنہ جگریاں سے چلا جاتا ہوں　بے خبر جلدی سی ساقی کہ ہوا جاتا ہوں

---

(۱) گرامی فخرالدین صاحب (ل ر) (۲) ہواہد بود (ن ح)

و از بسکہ مزاج نواب بہ سیر و تماشائے مرقع گوناگوں سیر میلان تمام داشت۔ یک مرقع تصاویر شعرا نیز از عاقل خاں مصور کہ مصور سحر کار بود نویسانیدہ بر صفحۂ روزگار یادگار گذاشتہ۔ از انجا کہ فلک حقہ باز از قدیم الایام بازیہائے تازہ بر روئے کار آرد بیک ناگاہ بر شیشۂ انعقاد ایں مجلس بہشت آئین سنگِ تفرقہ انداختہ شراب عیش یاران را بذائقہ ہلاہل ہجراں مبدل ساخت و بسبب آں شکست خوردنِ ضابطہ خاں از حضرت ظلِّ سبحانی بود در سکرتال بامداد و کمک مرہٹہ ہائے در آں ایام بے تمیزی ہر یک از ندمائے و شعرائے مجلس جدا جدا راہی در پیش گرفتند۔ فقیر در آں حادثۂ جانگزا بہ لکھنؤ رسیدہ بود بعد انقضائے مدت یک سال بہ شاہجہاں آباد رفتہ رخت اقامت در آں دیار مینو نشاں انداخت۔ در آنجا پس از تمادی ایام بسمع رسید کہ نواب موصوف بعد شکست حافظ رحمت خاں باجل طبیعی در گذشت۔ از وست۔

اس منہ سے آہ کچھ نہ نکلا — جز نالہ و آہ کچھ نہ نکلا
کیا تو نے دیا تھا مجھکو ساقی — شیشہ میں تو واہ کچھ نہ نکلا

تیرے گھر جانے سے یاں اپنا تو گھر جاتا ہے — اے مری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے
اللہ رے سرخی ترے چہرے کی ہنگام عتاب — جتنا ہی بگڑے ہے اتنا ہی سنور جاتا ہے

اُس شکار انداز سے لگ کر کوئی چھٹتی ہے آنکھ — کیوں نہ ہو سوئے قضا منہ وقتِ دم نخچیر کا

سرخ چشم اتنی کہیں ہوتی ہے بیداری[1] سے — لہو اُترا ہے تری آنکھوں میں خونخواری سے
وقتِ رخصت کے ترے لے مرے جی کے دشمن — تھام تھام آج رکھا دل کو میں کس خواری سے
بس میں آیا جو تمھارے اُسے جا ہو سو کرو — کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچاری سے

---

(۱) سے خواری (ن خ)

ناگنی زلف کی رہتی ہیں بن جان سے لئے — کیا ہی بھری ہر بلا اُف ترا کا ٹا نہ جیئے

ہر ایک لالہ کا گل چار داغ سے لے نکلا — گڑے ہیں زیرِ زمیں داغدار کتنے ایک
شرار و شعلہ و پروانہ و دلِ بیتاب — یہ ایک ایک سے ہیں بے قرار کتنے ایک

(۹) احسن

کہ مرزا احسن علی[1] نام دارد جوانے است سراپا خلق و خوش تقریر و خوش تحریر۔ پیش ازیں پیش خواجہ محمد یونس خاں می بود بعد ازاں در سرکار نواب وزیر مرحوم بصیغہ شاعری عزو امتیاز داشت۔ حالا در سرکار نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں بہادر ممتاز است۔ شعر خود را در اوائل فکر سخن از نظر میر ضیا می گزرانید۔ بعد ازاں از خدمت مرزا رفیع استفادہ گرفتہ۔ قوتِ شاعری چنانکہ شاعر را باید در قصیدہ وغیرہ پیدا کرد۔ چوں فی الجملہ طالب[2] علمی ہم دارد شعر را بہ متانت و رزانتِ تمام میگوید و احتیاطِ محاورہ و صحت زبان بسیار می کند۔ نقیر را در لکھنؤ دیدہ۔ از دوست۔

کل بوسہ کے سوال پہ کیا کیا نہ کہہ گیا — میں اُس کے آگے اپنا سا منہ لیکے رہ گیا

الٹا سحر صبا نے جو گوشہ نقاب کا — دیکھا اُس کو رنگ زرد ہوا آفتاب کا

کہا جو میں نے کہ رُخ کو ترے قمر نہ لگا — بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا
رہی جو تن میں مرے جان ایک رمق باقی — لگا کے زخم کہا حیف کارگر نہ لگا
اسی لئے تو میں تجھ سے خفا ہوا ہوں احسن — گھڑی گھڑی میرے پاؤں کو چشم[3] تر نہ لگا

(۱) حسن علی (ن ر) (۲) طلب (ن) (۳) چشم تر (ن ر)

مست ہم آغوشی کو آنا مری اے سیل سرشک
اپنی ہی موج میں میں آپ بہا جاتا ہوں
حشر میں بھی نہ اٹھوں گا میں ٹک اک آنکھ لگے
اپنی بیداری سے یہاں تک تو تھکا جاتا ہوں
ایک عالم نے تری تیغ سے پائی ہے نجات
سب گنہگاروں میں اک میں ہی رہا جاتا ہوں
جو کہا تو نے کہ آ بیٹھ تو میں بیٹھ گیا
جو کہا تو نے کہ جا یہاں سے کہا جاتا ہوں
جس گھڑی آپ کو دیکھوں ہوں میں حیرت تک تاپ
اپنی نظروں سے بھی امجد میں گرا جاتا ہوں

(۸) اسد

کہ میر امانی نام دارد جوانے بود ظریف مزاج و خندہ روی شاگرد مرزا محمد رفیع۔ دیواتے ضخیم ترتیب دادہ در قصائد و غزل و مثنوی ماہر خصوصاً مثنوی تحفہ را بسیار[1] بہ تلاش گفتہ۔ اکثر در مشاعرہ فقیر در شاہجہاں آباد می رسید۔ اصلش از شاہجہاں آباد است و بقولے اکبر آباد۔ زبانی میر ذوالفقار علی کہ ہمسایۂ ایشاں بود۔ چناں معلوم شد کہ مشار الیہ عازم لکھنؤ شدہ است میخواست کہ خود را بہ پورب رساند چوں اجلش امان نہ داد در اثنائے راہ درسرائے بانکرمؤ ہنگامِ شب بردست دزداں کشتہ شد۔ عمرش قریب پنجاہ خواہد بود۔ از وست۔

مانے ہے کوئی وہ بت گمراہ کسی کی
گو آکے سفارش کرے اللہ کسی کی
پروانے پڑے جلتے ہیں ووتی ہے گھڑی شمع
یارب نہ شب وصل ہو کوتاہ کسی کی
پھنس قید میں گر چاہ میں ہو گرگ کا طعمہ
جو چاہے اسد کر[2] نہ مگر چاہ کسی کی

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

زلفیں ہی دیکھ کر نہ خجل رات ہو گئی
مکھڑا جو کھل گیا تو سحر مات ہو گئی

(۱) ں خ میں "بسیار" نہیں ہے (۲) جو چاہے اسد یہ نہ کر چاہ کسی کی (ں خ)

اول طرح مشاعرہ او انداختہ۔ ازوست۔

چہرا کچھ ان دنوں غم پنہاں سے زرد ہے
ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے

یہ جوش غم ہے کہ سینہ میں خوں ابلتا ہے
نہ رکھیو ہاتھ کلیجہ پہ میرے جلتا ہے
نہ پوچھو دل کی حقیقت تمہارے عشق میں آہ
اُسے وہ غم جو لگا ہے اُسی میں گلتا ہے
یہ ہم کو اُس کی جدائی نے اور ایذا دی
کہ رات دن کوئی سینہ میں دل کو ملتا ہے
کسی کے کان کا دُر دیکھا تو نے آشفتہ
جو اشک آنکھوں سے موتی سا تیری ڈھلتا ہے

وہ رشک مہر جو عالم میں بے نقاب پھرے
پھر اس جہان سے نہ کر دول پہ آفتاب پھرے
گئے تھے کل مجھے بٹھلاکے میں یہ آتا ہوں
میں ایسے آنے کے صدقے بہت شتاب پھرے

لڑتے تو رات اُس سے میں غصہ میں لڑ لیا
پر جب وہ اٹھ چلا تو کلیجہ پکڑ لیا

ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے
الٰہی موت دے، گذرا میں ایسے جینے سے
نہ جاوے کیونکہ بصارت وہ چاند سا مکھڑا
نظر پڑا نہیں مجھکو کئی مہینے سے
ہو جس دماغ میں کچھ بوئے عشق وہ سمجھے
ملی جلی ہوئی بو عطر کی پسینے سے

چلا ہے کعبہ کو آشفتہ پارسا بن کر
خدا جو بیٹھے بٹھائے اسے خراب کرے

(۱۱) امین

کہ امین الدین خاں نام دارد پسر قاضی وحید الدین خاں کہ در عہد نواب نجیب الدولہ

تب جو دھڑکا مرے دل کا خلل انداز رہا — کام دل لینے میں اُس شوخ سے میں باز رہا
شام کی صبح ہوئی بند قبا کھلنے میں — سینکڑوں جان سے جا دیں گے جو یہ ناز رہا
لیکے دل بات میں کی خانہ خرابی اُس کی — جس کے گھر جا کے تو اے خانہ برانداز رہا
ٹکڑے اُڑ جائیں گے سینہ میں جگر کے آسنؔ — تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

یہ راہ تھی کیسی کہ تیرے گھر تلک آتے — ہر گام پہ ہم بیٹھ گئے دل کو پکڑ کر
صاف آئی نظر شکل اجل آنکھوں میں آسنؔ — جس دم کہ رکھا قبضہ پہ ہاتھ اُس نے پکڑ کر

کل جو اُس شوخ نے سنکھ ہولڑائی آنکھیں — برق نے ابر کی چادر میں چھپائیں آنکھیں
شوخ چشمی پہ گھمنڈ اپنی نہ کیجو نرگس — آنکھیں کھل جائیں گی جب اُس نے دکھائیں آنکھیں
پشت پا پر سے نظر اُٹھتے نہ دیکھی ہم نے — واہ ری چشم حیا، ہٹو ری لجائیں آنکھیں[1]
دیں دو دل کس کو نہیں اس میں کسی کی تقصیر — آفتیں دل پہ مرے میری ہی لائیں آنکھیں
مل گئے خاک میں ہم تسپہ بھی اس ظالم نے — نہ ملائیں، نہ ملائیں، نہ ملائیں آنکھیں
کل عجب طرح سے تڑپے تھا ترے کوچہ میں — دیکھ کر حال کو آسنؔ کے بھر آئیں آنکھیں

(۱۰) آشفتہ

کہ مرزا ضیا[2] قلی نام دارد پسر حکیم محمد شفیع برادر بیات مرزا رضی جوانیست شوریدہ سر و وارستہ مزاج با وصف آشنائی با فن طبابت کہ موروثی است چون دیگران بدکان خود فروشی نمی چیند۔ در طرز گفتن و خواندن شعر نشاگردی و تتبع میر سوز مفاخرت میکند۔ والحق کہ وقت روانی زبان حرکاتش از مردم سامعین دلفریبیہا می نماید۔ شعر دردمندانہ کہ شستہ و صاف باشد دوست دارد۔ در ایامے کہ فقیر از شاہجہان آباد در لکھنؤ آمدہ

---

(۱) حیا ہی نے لجائیں (ل ح) (۲) مرزا صفا قلی (ل ح)

آنکھوں کے اشارے سے غیروں کو بلاتا ہے　　میاں جھوٹی نہ کھائیں تو کس کو اُڑاتا ہے

نہ اس لئے ملے ہیں کہ کچھ سیم و زر ملے　　ہم تجھ سے آکے اور ہی امید پر ملے
خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں امید　　جیتا پھر آکے مجھ سے مرا نامہ بر ملے
کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے ہزار حیف　　مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

منہ تو دکھلائے ذرا گو نہ ملاقات کرے　　ہم کو سو وصل ہیں جو ہنس کے وہ اک[1] بات کرے

ہنس کر مجھے لوگوں میں اشارات نہ کیجئے　　رسوائی ہو جس بات میں وہ بات نہ کیجئے

ابھی وہ پردہ میں ہے تسپہ خلق مرتی ہے　　غرض دکھائے یہ دیدار دیکھئے کیا ہو

دیکھتے ہی اُسے حاضر ہوئے مرجانے کو　　دو ہی اشخاص جو یہاں آئے تھے سمجھانے کو

(۱۴۳) اصغر

کہ مرزا جواد علی نام دارد قوم قزلباش اصل بزرگانش خراسان است از دو پشت در ہندوستان بود و باش دارد۔ مولدش در لکھنؤ دشو دنما نیز واقع شدہ۔ جوان حلیم و سلیم از شاگردانِ میر حسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ عمرش تا امروز بست و دو سالہ خواہد بود۔ از یاوریِ بخت سعید در عمر دوازدہ سالگی شرفِ زیارتِ نجف اشرف و کربلائے معلیٰ و کاظمین شریف یعنی بغداد کہنہ و سامرہ یعنی جائے پنہاں شدنِ حضرت صاحب الزماں دریافتہ۔ مدت چہار سال دریں سفر بود۔ بفضل الٰہی باز مراجعت نمودہ در لکھنؤ رسیدہ۔ از وست۔

---

(۱) ذرا بات کرے (ل خ)

خدمتِ قضا بآں بزرگ مفوض بود۔ جوانِ خوش اخلاق و خوش اختلاط است۔ در شاہجہاں آباد ہمسایۂ فقیر بود و شریک صحبت مشاعرہ نیز۔ حالا در سرکار صاحب عالم بخدمت داروغگی دوائی خانہ ممتاز است بمقتضائی موزونیٔ طبع گاہ گاہی خیال شعر مندی می کرد و میکند یک شعر از و بخاطر است۔

کون آتا ہے یہ کس کے پانو کی آواز ہے | ہر صدائی پا میں جس کے سطح کا ناز ہے

(۱۲) افسوس

کہ میر شیر علی نام دارد ابن میر علی مظفر خاں داروغۂ توپخانۂ عالیجاہ[1] جوانیست سلیم الطبع سخن فہم از معاصرین۔ گویند بہ شاگردی میر حیدر علی حیراں افتخار دارد۔ اگرچہ پیش ازیں چندے از میر سوز نیز استفادہ کردہ۔ وطن بزرگانش نارنول است۔ فقیر او را در لکھنؤ دیدہ۔ بسیار بخوبی و خلق پیش می آمد۔ از وست۔

ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر | رونے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر

کیا لکھوں اس کو میں احوال یہ کہنا قاصد | بے حواسی کے سبب طاقت تحریر نہیں

کیا تو نے لکھا تھا جو تیرے خط کے تئیں دیکھ | آنسو لگے افسوس کی آنکھوں سے ٹپکنے

اُس کی صورت کے تئیں یاد دلا دیتا ہے | ہنستے ہنستے مجھے یہ گل تو رلا دیتا ہے

صلاح جانے جو کچھ کہیو اُس سے لے قاصد | پیام کیا میں تجھے دوں نہیں حواس مجھے

(۱) نسخہ ر میں "عالیجاہ" نہیں ہے۔

L380

احقر دہ بدمعاملہ ہے بن لکھے پڑھے
توسنے جو دل دیا اسے ناداں غلط کیا

مجھے اس دوستی پر بد تر از دشمن سمجھتے ہو
غرض کشتہ ہوں میں تو آپ کی سی بدگمانی کا
تو ایسی ساعدِ نازک پہ پیارے گل جو کھاتا ہو
نہیں آتا تجھے افسوس اپنی نوجوانی کا

ہم آخر ہو گئے بس انتظار صبح ہی کرتے
قیامت آج تو نے اے شب ہجراں درازی کی
کئے سو سو سلام اے احقر ہم نے اسکو چھپ چھپ کے[1]
پر اس کے ناز نے اس پر بھی ہم پر بے نیازی کی

(۱۴) اکبر

عرف بھو جوانیست شوخ طبع و طرار و لطیفہ گو۔ ہمیشہ نوکری خانۂ بادشاہ با امتیاز در بو ایان کردہ۔ در آں ایام کہ فقیر در شاہجہان آباد طرح مشاعرہ انداختہ اول برائے اصلاح شعر ریختہ بفقیر آوردہ بود۔ بعد چندے بخدمت شاہ حاتم رفتہ استفادہ کلی از ذات با برکاتِ ایشاں بر داشتہ۔ حالا صاحب دیوان است دیر رویۂ استاد قدم در راہِ ایہام گوئی بیشتر می گذارد و در آں معنی ہائے تازہ می بندد۔ اما فقیر اشعار ایہام را دوست نمی دارد لہذا دو سہ شعرِ سادہ ازو نوشتہ شد و آں این است۔

ہمارے دل میں خنجر ناز کے کیا کیا گڑتے ہیں
یہ کافر خوبرو جس وقت تن[2] کر ٹک اکڑتے ہیں
یہ جتنے خوبرو سرکش ہیں ان کو خوب دیکھا ہے
گئے پر حسن کے ہر ایک کے پھر پاؤں[3] پڑتے ہیں
خدا چاہے سو ہوشے اب ہمارے حق میں اے اکبر
صنم سو لپنے ہم بھی آج ایک بوسہ پہ اڑتے ہیں

(۱۵) انشا

انشا تخلص سید انشاء اللہ خاں نام دارد خلف الرشید میر ماشاء اللہ خاں۔ وطن

---

(۱) کرکر (ن خ) (۲) تن (ن خ) (۳) پاؤں (ن خ)

ہووے نصیب جلد کہیں وصل یار کا — احوال بے طرح سے ہے دلِ بے قرار کا

بزم میں اُس کی جو شب جاہ کا مذکور چلا — اُٹھ کے مجلس سے وہیں وہ بتِ مغرور چلا

لوہو کی جگہ اشک میں لختِ جگر آیا — دل کا مجھے احوال بُرا کچھ نظر آیا
بندہ ہوں تیرا اے اثرِ آہِ جگر سوز — صدقہ سے تیرے نالہ میرا کارگر آیا
تو نے جو کہا پیار سے مجھ کو ادھر آنا — آنکھوں میں لہو مدعیوں کی اُتر آیا
کل اہلِ محلہ نے مجھے منع کیا تھا — پھر آج میں اُس کوچہ میں ایک آہ بھر آیا

میرے حق میں تو بہتر ہے مجھے آرام ہووے گا — ولے تو قتل کرنے سے مرے بدنام ہووے گا

ظالم تو مجھ سے کس لئے بیزار ہو گیا — کیا رازِ دل مرا کہیں اظہار ہو گیا

جس کا خوباں سے دل لگا ہوگا — وہ نہ آرام سے رہا ہوگا
دامِ الفت میں پھنس گیا تو ہوں — دیکھوں انجام اس کا کیا ہوگا
مر گیا ہوگا وہ دلِ کشتہ — جس کا معشوق بے وفا ہوگا

کہئے دیدار بھی دکھایئے گا — یا یونہیں دربدر پھرایئے گا

سمجھا تھا اُس کو اپنا گریباں غلط کیا — کھینچا جو میں نے آپ کا داماں غلط کیا
لائے اُٹھا جو کوچۂ دلدار سے مجھے — گو اس میں تم خفا ہو عزیزاں غلط کیا

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں	بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی	تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے سنا انشا	غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

گاہ گاہ ہے جو ادھر آپ کرم کرتے ہیں	وہ ہیں اٹھ جاتے ہیں یا اور ستم کرتے ہیں

کل وہ نگہہ اچٹتی ہوئی یوں جو پڑ گئی	بے اختیار اس سے میری آنکھ لڑ گئی
اٹھتی نہیں جو دل سے صدا آہ کیا ہوا	اس ساعتِ ترنگ کی کیا کل بگڑ گئی

(۱۶) اختر

میر اکبر علی اختر کہ پیش ازیں انجم تخلص می کرد ولد میر عبد اللہ ابن حضرت اناث پانصدمنی[1] کہ ایشاں پیرزادہ ہائے نواب قمرالدین خاں بودند جوان ظریف الطبع ولسان است۔ در فن ساختن انواع آتشبازی وغیرہ نظیر خود ندارد روزے کہ موصی الیہ ہمراہ مرزا اجانی کہ از کربلائے معلی آمدہ بودند بلکھنؤ آمد بفقیر درآں ایام رفیق میر محمد نعیم خاں صاحب بود چوں مرزائے موصوف بسابقہ معرفت بخانۂ میر صاحب موصوف فرود آمدہ بودند بعد چندے تعریف صناعتش بیان نمودہ اورا بہ سرکار میر صاحب نوکر کنانیدند الحاصل درہماں روزہا با فقیر نیازمندی کردہ چیزے شکستہ بستہ خود را برائے اصلاح اکثر می آورد۔ چوں چند سال بریں بگذشت و روزگار فقیر برہم خورد و وحشتِ مزاج براں زیادہ گردید و مطلقاً بہ شعر و شاعری سروکار نماند بلکہ نفرت کلی رو داد۔ موصی الیہ موافق معمول برائے اصلاح می آمد و متصدعِ اوقاتِ ازادگی می شد۔ لہذا جواب دادم کہ مرا دماغ اصلاح نماندہ است پیش میاں قلندر بخش جرأت بروید و اکنوں شعر خود را

(۱) "ایشاں پانصدمی" بجسمہ (ن خ ر)

بزرگانش نجف اشرف وخودش در مرشدآباد تولد یافته تحصیل کتب عربیه و فارسیه وطب بقدر حال ہمہ وارد۔ از ابتدائے عمر بحکم موزونی طبع شعر در ہر سہ زبان می گوید و زور طبیعت می نماید اما میلان طبع اش بطرف ریختہ بیشتر است۔ مثنوی شیر و برنج در جواب نان وحلوا مولانا بہاء الدین آملی بسیار بصفا گفتہ و داد فصاحت زبان فارسی در و دادہ۔ دیوانش از نظر فقیر گذشت اگرچہ ہمہ کلامش در عالم ظرافت خالی از کیفیتی نیست اما آنچہ از اشعار سادہ اش انتخاب فقیر افتادہ اینست۔

ہے اور کوئی ایسا جس میں یہ بھبن نکلے
سچ دیکھ اسے کہتے ہیں بےساختہ پن نکلے
انشاں کا وہ عالم ہے اس چاند سے مکھڑے پر
جوں وقت سحر انشا سورج کی کرن نکلے

اچھا جو خفا ہم سے ہو تم اے صنم اچھا
لو ہم بھی نہ بولیں گے خدا کی قسم اچھا
اغیار سے کرتے ہو میرے سامنے باتیں
مجھ پر یہ لگے کرنے نیا تم ستم اچھا
اس ہستی موہوم سے میں تنگ ہوں انشا
واللہ کہ اس سے مراتب عدم اچھا

ٹک آنکھ ملاتے ہی کیا کام ہمارا
تس پر یہ غضب پوچھتے ہو نام ہمارا
رکھتے ہیں کہیں پاؤں تو پڑتے ہیں کہیں اور
ساقی تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا
بے تابی دل کے سبب اس شوخ تک انشا
پہنچے ہے بلا واسطہ پیغام ہمارا

ہے شب وصل کھلے کاش نہ دروازۂ صبح
کم نہیں شور قیامت سے یہ آوازۂ صبح

مانگا جو اس[1] سے بوسہ میں نے چمن کے اندر
بولا کہ یہاں نہیں چل چھپّی بھون کے اندر

(۱) مانگا جو میں نے بوسہ اس سے چمن کے اندر (ل خ)

تمھاری جنبشِ ابرو ہی کا مارا ہو وہ پیارے — کہ انجم کے ناحق قتل پر اب آپ کستے ہیں

تماشے کی ہے جا مژگاں پہ جو لختِ جگر نکلا — عجب یہ نخل ہے جس میں کہ شکل گُل ثمر نکلا

اشک خونیں یہ نہیں کیا رنگ دکھلانے لگے — جو سرِ مژگاں پہ اب لختِ جگر آنے لگے
کچھ ستارا شاید انجم تمھارا پھرا ہے ان دنوں — تم جو پاس اپنے اُسے پھر پھر کے بلوانے لگے

لائی صبا یہ کس کی نکہت چمن کے اندر — چھپتی ہے بوئے غنچہ سو پیرہن کے اندر

اللہ اللہ رے تیری جلوہ گری کا عالم — نہ لگے گرد کو بھی جس کی پری کا عالم
پھر دل میں آپ میں آتا نہیں ہمدم اُس بن — مجھ سے مت پوچھ میری بے خبری کا عالم
کیا کہوں کل تیری رفتار کی اٹکھیلی دیکھ — کچھ عجب حال سے تھا کبک دری کا عالم
لیکے دل جان سے مارا مجھے اختر اس نے — کیا کہوں اُس کی میں بیداد گری کا عالم

کوئی جتا دے یہ اُس شوخ بیوفا کے تئیں — کہ آشنا نہیں دُکھ دیتے آشنا کے تئیں
شبِ وصال میں بھی منہ کو پھیر بیٹھا وہ — زباں پہ لایا جو میں حرفِ مدعا کے تئیں

گر یونہیں وصل کے دن جی پہ ملال ہوگا — تو ہجر میں الٰہی کیا اپنا حال ہوگا

ہمارا لیکے خط تجھ سے اگر وہ نامہ بر کھولے — تو کہہ دینا اُسے ٹک ڈائیں بائیں دیکھ کر کھولے
پھڑکتا رہ گیا مرغِ چمن حسرت میں اُڑنے کی — بوقتِ صبح بھی صیاد نے اُس کے نہ پر کھولے

بہ ایشاں بہ نماید اول راضی بریں نبود چوں دید کہ طبیعت ایشاں آزردہ میشود پیش مشارالیہ رفت وصورتِ حال را ظاہر کرد۔ جرأت گفت کہ میانِ من و ایشاں دوستی است وقول شمارا چہ اعتبار اگر رقعۂ از دستِ ایشاں نویسانیدہ بیارید مضائقہ ندارد۔ آخر کار چوں روز دویم آمدہ درخواستِ رقعہ از من کرد نوشتہ دادم۔ از ہماں روز انچہ گفتہ ومی گوید بہ میاں جرأت می نماید۔ عمرش تقریباً از سی متجاوز باشد۔ از وست۔

صاف دل سی بھی جو اس کو انیؔ ہم گھر لے گئے
تو بھی سب دل میں گماں کچھ اور ہم پہ لے گئے
بوسے گھبرا کر ہمیں پیٹے جو یہ حرکت کرے
سامنے اُس کے گلے تک ہم جو خنجر لے گئے
کر رہے ہیں لوگ باہر کے جو سب حیرت چاہیے
کون تھا وہ جس کو تم شب گھر کے اندر لے گئے

یہ تیغ جو کھینچے ہے قاتل اسے کہتے ہیں
تڑپے ہے جو دل میرا بسمل اسے کہتے ہیں
یارب وہ ملے مجھ سے تا لوگ کہیں مجھکو
ساحر اسے کہتے ہیں عامل اسے کہتے ہیں
اخترؔ میں لئے چاہا یہاں تک کہ وہ ملا بھی
قائل ہو کہ ہاں سچ ہے مائل اسے کہتے ہیں

کس رشکِ گل سے لگ کر آئی صبا چمن میں
کیا بو مہک رہی ہے اب جا بجا چمن میں

اور کیا خاک ہو کوئی تجھ سے ستمگر عاشق
رہتے پھرتے ہیں ترے اگلے سی گھر گھر عاشق

سوچتے کیا ہو میرے قتل کو میاں بسم اللہ
کھینچ کر تیغ لگا کہنے ہاں بسم اللہ

سدا آواز کی بھی ہم تو سننے کو ترستے ہیں
خوشا حال اُن کا ہے جو آپ کے ہمسایہ[1] بستے ہیں
کیا مدفون کس کو کر کے ٹکڑے تو نے اے قاتل
کہ جس کی خاک پر یارب کے ٹکڑے برستے ہیں

(۱) ہمسایہ میں (ل ح)

جب دیکھے ہے مہ داغ سیاہ اپنی جبیں پر — آتا ہے اُسے رشک ترے رخ کے حسیں پر
معلوم نہیں کیا ہو تہ خاک تماشا — نرگس کی جو رہتی ہو جھکی آنکھ زمیں پر

سوئے ہی خواب میں غفلت کے دوستاں ہر روز — یہ عمر جاتی ہے افسوس رائگاں ہر روز
بہار آنے کی کچھ تو خبر سنی ہے جواب — کرے ہے صحن چمن صاف باغباں ہر روز
نہ طول اُس کا ہوتا روزِ آخرت آخر — کہوں گر اپنی شب غم کی داستاں ہر روز
جگاتا پھرتا ہے خواب عدم[1] سے فتنہ کو — یہ بے سبب نہیں گردش میں آسماں ہر روز
غم فراق سے اس شعلہ رو کے لئے افسر — جلا کرے ہے میرا مغزِ استخواں ہر روز

چہرے پہ ماہ کے نہ کیا کر خیال تو — آئینہ لیکے دیکھ ٹک اپنا جمال تو
گویا شفق میں پنجہ خورشید غرق ہے — جس وقت ہاتھ مہندی سے کرتا ہے لال تو

اب نہیں ہم سے وہ الفت اور ملنا یار کو — بیشتر ہے ربط اُس کو آج کل اغیار سے
ایک جنسِ حسن تھی سو وہ زلیخا لے گئی — کیا خریدیں جا کے اب ہم مصر کے بازار سے
ٹک نزاکت دیکھیو پہنے ہے گجرا جب وہ شوخ — شاخ گل سا ہاتھ جھکے ہے گلوں کے بار سے
سینکڑوں کے خانۂ دل پر خرابی آ گئی — ایک دن جھانکا تھا اس نے رخنۂ دیوار سے
کچھ تمنا دل کو اپنے باغ جنت کی نہیں — کام لے افسر ہے مجھکو کوچۂ دلدار سے

(۱۹) اوباش

شیخ امیر الزماں بجنوری اوباش تخلص از شیخ زادہ ہائے لکھنؤ جوان صلاحیت شعار است۔ بمقتضائے موزونی طبع چیزے کہ گفتہ آنرا بر بیاضے نوشتہ داشتہ رو نمے

---

(۱) خواب عدم (ن خ)

(۱۷) آشفتہ

بھورے خاں جوان صلاحیتِ شعار و سپاہی پیشہ است پیش ازیں روزہائے کہ فقیر در دہلی بود دیواں شوکت بخارائی از ملائے میخواند۔ و ہم بروبہ اش کم کم فکر شعر فارسی بتلاش تمام می کرد۔ چوں ایں ماجرا بعرصۂ طویل گزشت اکنوں کہ دوبارہ بفاصلۂ قلیل ملکھنؤ گزر افگندہ دیدش کہ در ریختہ زبانے و بیانے پیدا کردہ و دیوانے درست ساختہ۔ اما عجب اینست کہ باوصف ملاقات کلامش بدستِ فقیر نیامد مگر ہمیں غزل ازوست۔

جامِ گدائی ہاتھ میں لخت سانج سویے پھرتے ہیں — شمس و قمر دونو بھکاری حسن کے تیرے پھرتے ہیں
مدت سے ہوئے اخترِ طالع ماہ جبیں ہیں گردش میں — کھول تو باہمن پوتھی اپنی کب دن میرے پھرتے ہیں
بد ذات پوچھو ہاتھ دکھاؤ فال کھلاؤ کوئی یہ — دن جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں
عقل و فراست سلب ہوئے سب اے جنوں آئی جو — گلیوں گلیوں لڑکے ہم کو گھیری گھیری پھرتے ہیں
یوں کاندھے پہ زلفیں اس کی بل کھاتی ہیں تیغ ام — مارسے کو ڈال گلے میں جیسے سپیری پھرتے ہیں
جوگ لیا آشفتہ ہم نے دیکھ لٹک ان زلفوں کی — گلیوں گلیوں حال پریشاں بال بکھیرے پھرتے ہیں

(۱۸) افسر

غلام اشرف[۱] ولد غلام رسول کہ در مرثیہ و سلام اشرف تخلص می کند و در شعر افسر قرار دادہ۔ قوم شیخ بزرگانش چودھری[۲] گاؤخانہ پادشاہی بودہ اند۔ مشارٌ الیہ بمقتضائے موزونی طبع از یک دو سال فکر مرثیہ و سلام بر سبیل رواج زمانہ کردہ و می کند۔ در ایامیکہ مؤلف طرحِ مشاعرہ افگندہ در آں روزہا بترغیب فقیر مجموع پنج غزل طرحی مشاعرہ گفتہ از نظرِ فقیر گزرانیدہ طبعش مناسبت تمام بدرستیِ کلام دارد۔ ازوست۔

---

(۱) شرف سلام (۲) داروغہ کارخانہ۔ (ن خ)

نگہ وہ شوخ کہ طعنہ کٹار پر مارے ‌‌‌‌   مژہ وہ تیر[1] کہ خنجر کو دھار پر مارے

حرف البا

(۱) بیدار

بیدار کہ میر محمد علی نام دارد بہ میر محمدی بیدار مشہور است شاگرد مرتضیٰ قلی بیگ فراق تخلص کہ شاعر فارسی گو گذشتہ۔ جوانیست محمد شاہی قامت حال خود را بہ لباس درویشی[2] آراستہ دارد یعنی بھینٹھہ گیروی بر سر تاج می بندد و دیگر لباس اد لطہ دنیا داران است۔ در عرب سرائے اقامت دارد۔ دیوان ریختہ اش مشہور است زبانش بسیار رشتہ و رفتہ۔ کم کم فکر شعر فارسی ہم می کند چنانچہ اشعار فارسی خود را نیز از قسم چند غزل و رباعی و دو سہ قصیدہ کہ در نعت و منقبت وغیرہ گفتہ بر پشت سرورق دیوان خود نوشتہ داخل ساختہ۔ چوں اعتقاد بجناب مولوی فخر الدین صاحب بسیار داشت ہر گاہ کہ از عرب سرائے در مدرسہ غازی الدین خاں برائے دیدن آں بزرگ می آمد۔ گاہ گاہ بہ فقیر ہم اتفاق ملاقات می افتاد و صحبت شعر میان می آمد۔ حالا گویند کہ از چندے در اکبر آباد رونق افزا است دیوانش از نظر فقیر گذشت۔ انتخاب او است۔

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجئے گا	ایک ملنے کو نہ کم کیجئے گا
گر یہی زلف و یہی مکھڑا ہے	غارتِ دیر و حرم کیجئے گا
جی میں ہے آج بجائے مکتوب	یہی بیت اُس کو رقم کیجئے گا
مہربانی سے بھرلے بندہ نواز	کہئے کس روز کرم کیجئے گا

---

(۱) تیر (لا ساخ) (۲) لباس شاہی یعنی درویشی (ن ح)

ہمہ کلام خود را بنظر مولف گزرانیدہ انچہ عجالتاً بطور انتخاب افتادہ اینست۔

یار مجھ سے وہ مہ جبیں نہ ہوا — میری خواہش پہ آسماں نہ پھرا
دین و دنیا سے ہم پھرے پر آہ — اپنی خو سے وہ بدگماں نہ پھرا
ہو گئے پیسے انتظار(۱) میں ہم — تو بھی او باش وہ جواں نہ پھرا

خون ہو دل کاوش سے اُس کی بہہ گیا — ٹوٹ کر سینہ میں پیکاں رہ گیا
مجھ سے مت منزل کی پوچھو سرگزشت — ہمرہاں آگے گئے میں رہ گیا

جھلکے ہے یوں چشم تر میں رخ اُس بے حجاب کا — پانی میں جیسے عکس پڑے آفتاب کا

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے سو وہ درد غم میں سما گئے — ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی ہم سے آنکھ(۲) چرا گئے

(۲۰) الہام

شاہ ملول الہام تخلص قوم شیخ کہ پیش ازیں تخلص ایشاں ملول بود شاعر فارسی گو است۔ طبعش چوں بحر مواج رواں رواں افتادہ۔ کم کم بطرف ریختہ ہم متوجہ می شود بعضے از موزونان لکھنؤ چہ در فارسی وچہ در ہندی شاگردیش را فخر خود می شمارند و اورا استاد مسلم الثبوت می دانند و الحق کہ در درویشی و شاعرئیش دوش بدوش راہ می رود و بسبب نام درویشی اعالے و اداتے شہر توقیر و تعظیمش را موجب افتخار می پندارند وطن اجدادش ہمیں شہر لکھنؤ و قبل مرادآباد۔ عمرش از شصت متجاوز باشد از وست۔

قدر تو نے کچھ نہ جانی گو بُرے یا نیک تھے — تازہ برواروں میں پر ظالم ترے ہم ایک تھے

---

(۱) انتظاری میں (ل ر) (۲) آنکھیں (ل ر)

آئے تو ہو یہ دل کی تسلی ہو تب مری — اتنا کہو کہ آج نہ جائیں گے ہاں رہے
بیدار زلف کھینچے اُدھر چشم یار اِدھر — حیراں ہوں دل کہاں نہ رہے کس کہاں رہے

کیا ہوئے گلشن میں آکر اے عزیزاں شاد ہم — رشک ہر گل کے گلے لگ یار کو کر یاد ہم
قتل تو کرتا ہی آخر کھول دے آنکھیں ٹک ایک[۱] — دیکھ لیویں تیری صورت پھر کے لے جلاد ہم

قاصد اس کا پیام کچھ بھی ہے — یا دعا یا سلام کچھ بھی ہے
تو جو بیداریوں پھرے ہے خراب — پاس ناموس و نام کچھ بھی ہے

صبا کوچہ میں تیرے اس لئے ہر صبح آتی ہے — کہ تیری بو سے جا پھولوں کو گلشن میں بساتی ہے
بہ چشم اشک و بدل داغ و بلب آہ و غم دوری — تری الفت مجھے اے بیوفا کیا کیا دکھاتی ہے

جاں تلک تو نہیں ہے تجھ سے دریغ — اے میں قربان کیوں تو برہم ہے
گاہ رونا[۲] ہے گاہ ہنسا ہے — عاشقی کا بھی دور عالم ہے

اُٹھ کے لوگوں سے کنارے آئیے — کچھ ہمیں کہنا ہے پیارے آئیے
کچھ تو کی تاثیر نالے نے مرے — آئے تم مدت میں بارے آئیے

جو کچھ چاہئے آپ ہی فرمائیے — پہ غیروں کی باتیں نہ سنوائیے
نصیحت سے بیدار کیا فائدہ — جو ہو آپ میں اس کو سمجھائیے

---

(۱) اب بجائے ایک (ل ح) (۲) روتا بجائے رونا ہنستا بجائے ہنسا (ل ح)

تنہا نہ دل ہی لشکرِ غم دیکھ ٹل گیا — اس معرکہ میں پائے تحمل بھی چل گیا
گزری شبِ شباب ہوا زورِ شب اخیر — کچھ بھی خبر ہے قافلہ آگے نکل گیا
قابل مقام کے نہیں بیدار یہ سرائے — منزل ہے دور، خواب سے اٹھ، دن تو ڈھل گیا

مل گئی تھی اس میں کل کس کے دلِ سوزاں کی خاک
گردبادِ دشت فرسا شعلۂ جوالہ تھا
ہو گیا گرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا بیدار یا یہ آگ کا پرکالہ تھا

حیف ہے ایسی زندگانی پر — کہ فدا ہو نہ یار جانی پر
حال سن سن کے ہنس دیا میرا — کچھ تو آیا ہے مہربانی پر

ہے بعد مرگ گور میں شورِ جنوں ہنوز — میں کشمکش میں دست و گریباں کی ہوں ہنوز
آیا تھا رات خواب میں وہ سروِ خوش خرام — بیدار چشم سے ہے رواں جوئے خوں ہنوز

اب تک میرے احوال سے واں بے خبری ہے — اے نالۂ جاں سوز یہ کیا بے اثری ہے
فولاد دلاں چھیڑیو زنہار نہ مجھ کو — چھاتی مری جوں سنگ شراروں سے بھری ہے
ہے زور میں کچھ آب و ہوا شہرِ عدم کی — ہر شخص کہ بیدار ادھر کو سفری ہے

مقدور کیا مجھے کہ کہوں واں کہ یہاں رہے — ہیں چشم و دل گھر اس کے جہاں جا ہے واں رہے
نے بتکدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا — محوِ خیالِ یار رہے ہم جہاں رہے

بیدار تو اس جہاں میں آکر — جو چاہے سو میرے یار کیجو
پر جس سے گرے کسو کے دل سے — وہ کام نہ اختیار کیجو

کہاں ہیں طالع بیدار یہ کہ ایسا ہو — کہ سر دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو

صورت اس کی سما گئی جی میں — آہ کیا آن بھا گئی جی میں
تو جو بیدار یوں ہوا تارک — ایسی کیا بات آگئی جی میں

مان کہنے کو نہ جا چھوڑ کے اس وقت مجھے — بات رہ جائے گی اور دن تو گذر جاتے ہیں

تیری ہم خاطر نازک سے خطر(۱) کرتے ہیں — ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں
دل و دیں تھا سو لیا اور بھی کچھ مطلب ہے — بار بار آپ جو ادھر کو نظر کرتے ہیں
کیا ہو گر ایک(۲) گھڑی یہاں بھی کرم فرماؤ — آپ اس راہ سے آخر تو گذر کرتے ہیں
تیرے ایام فراق اے صنم مہر گسل — آہ مت پوچھ کہ کس طرح بسر کرتے ہیں
دن کو پھرتے ہیں تجھے ڈھونڈتے اور رات تمام — شمع کی طرح سے رو رو کے سحر کرتے ہیں
یہ وہی فتنہ و آشوب جہاں ہے بیدار — دیکھ کر پیر و جواں جس کو حذر کرتے ہیں
بس نہیں خوب کہ ایسے کو دل اپنا دیجو — آگے تو جان میاں ہم تو خبر کرتے ہیں

جانیں مشتاقوں کے لب پر آئیاں — بل بے ظالم تیری بے پروائیاں
سادہ روئی ہی غضب ہے تس پہ اور — کرتے ہو ہر لحظہ حسن آرائیاں

(۱) حذر بجائے خطر (ل ح) (۲) کوئی بجائے ایک (ل ح)

گر بڑے مرد ہو تو غیر کو یہاں جا دیجے　　اس کو کہہ دیکھئے بیٹھے ہمیں اٹھوا دیجے

جس وقت تو بے نقاب آوے　　ہو گا کوئی جس کو تاب آوے
اے جان بلب رسیدہ اتنا　　رہتا ہو کہ تا جواب⁽¹⁾ آوے
بیدار کو تجھ بن لے دل آرام　　ہوتا ہی نہیں کہ خواب آوے

سلام بھی ہو زمانے میں اور دعا بھی ہو　　ہمارے یار نے قاصد سے کچھ کہا بھی ہے

جس دن تم آکے ہم سے ہم آغوش ہو گئے　　شکوے جو دل میں تھے سو فراموش ہو گئے

جی میں بیدار تیرے ملنے کے　　ہائے کیا کیا خیال رکھتا ہے

جی میں بیدار کھب گئے میرے　　فندق اُس پنجہ حنائی کے

سیا تو ہو یہ کوئی دم میں پھر گریباں کا　　جدا جدا نظر آتا ہے تار تار مجھے
یہ پیچ و تاب تو کچھ بے سبب نہیں بیدار　　دکھا گیا ہے کوئی زلف تابدار مجھے

دانت تو کیا ہیں اگر کاٹو چھری سو بیار ے　　ہاتھ سے میرے تو ممکن نہیں داماں چھٹے

یوں مجھ پہ جفا ہزار کیجو　　پر غیر کو تو نہ پیار کیجو
کرتے تو ہو تم لطا کی باتیں　　پر ہم سے ٹک آنکھیں چار کیجو

---

(۱) رہ جا تو کہ تا جواب - (ن خ)

اورا نہ دیدہ حق تعالیٰ سلامت دارد۔ انتخاب دیوان اوست۔

کسی کا کوئی بیاں آشنا نہیں دیکھا سوائے اس کی بھی آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا گرد غم دل سے دھو نہیں سکتا
شب مرا شور گریہ سن کے کہا اس کے ہاتھوں میں سو نہیں سکتا
مصلحت ترک عشق ہے ناصح لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
جوں مسلسل بیاں کہے ہے سخن کوئی موتی پرو نہیں سکتا

ہمدم نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہو چکا
آتا ہے تجکو ننگ مرے نام سے عبث لے شوخ اب تو شہر میں بدنام ہو چکا

گل کی حسرت سے مرے دل میں سدا خار رہا میں تو بھر عمر قفس ہی میں گرفتار رہا

قفس میں میں رہائی کے لئے کیا کیا نہیں کرتا پھڑکتا ہوں تڑپتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا

جانے دے مجکو لے ہوس سیر گلستاں اب اس چمن سے لیجے غم آباد کی طرف
وامق تو کیا ہے قیس بھی جاتا ہے مجکو بھول جب دیکھتا ہوں حسرت فرہاد کی طرف
ہووے گا ذوق حسرت دیدار میں خلل شیریں گذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف
باتوں میں آہ کس نے لگایا اسے بیاں رکھے تھے کاں ٹک مری فریاد کی طرف

بھلا اس تو لے دین و ایمان عاشق ہوا ہے تو کیوں دشمن جان عاشق

یوں بہار خط سبز اُس کے ہے رخسار کے ساتھ — جیسے پھولا ہو بنفشہ کہیں گلزار کے ساتھ
آہ مت پوچھ کہ کس طرح کٹی شب تجھ بن — صبح کی رو رو کے گلے لگ در و دیوار کے ساتھ
آئینہ دیکھ تو اس منہ سے تجھے اے طوطی — دعویٰ ہم سخنی اس لب و گفتار کے ساتھ

اُس آئینہ رو کے ہو مقابل — معلوم نہیں کدھر گئے ہم
جوں شمع اس انجمن سے بیدار — لے(۱) داغِ دل و جگر گئے ہم

یہ بھی کوئی وضع ہے آنے کی جو آتے ہو تم — ایک دم آئے نہیں گذرا کہ پھر جاتے ہو تم
دور سے یوں تو کبھی(۲) جھلکے دکھا جاتے ہو تم — رہ جو جاتا ہوں یہ کہہ پاس آؤ کہاں کتے ہو تم
کہیے مجھ سے تو بھلا اتنا کہ یہ میں بھی سنوں — بندہ پرور کس کے ہاں تشریف فرماتے ہو تم
اس پری صورت بلا انگیز کو دیکھا نہیں — ناصحو معذور ہو گر مجھ کو سمجھاتے ہو تم
دیکھئے خرمن پہ یہ برق بلا کس کے گرے(۳) — بے طرح کچھ تیوری بدلے چلے آتے ہو تم
جو کوئی بندہ ہوا اپنا اُس سے پھر کیا ہے حجاب — میں تو اس لائق نہیں جو مجھ سے شرماتے ہو تم
آج یہ گرد اور یہ میداں انھیں کہہ دیجئے — دیکھ لوں جن کے بھروسے مجکو دھمکاتے ہو تم
پھر نہ آویں گے کبھی ایسے اگر آزردہ ہو — بس چلے ہم خوش رہو کاہے کو جھنجھلاتے ہو تم
حالت بیدار اب کیا کیجئے آگے بیاں — وقت ہے اب بھی اگر تشریف فرماتے ہو تم

بیان (۲)

کہ خواجہ احسن الدین خان نام دارد، شاگرد مرزا مظہر۔ دست بیعت بہ مولوی فخر الدین صاحب نور اللہ مضجعہٗ دادہ۔ شاعر مربوط گو و صاحب زبان است۔ مدتے گذشتہ کہ بہ طرف دکن رفتہ گویند کہ در سرکار نظام علی خاں عز و امتیاز دارد۔ فقیر بنوز

(۱) سبے بجائیے سے لے۔ (ل اح) (۲) کبھی۔ (ل اح) (۳) پڑے (رح ر)

کیوں نہ ہو ہم سے وہ سحر باہمی　　حس کا قد تو نہال کے مانند
گل رحاں کی گلی میں لے بیتاب　　خاک پا ہے گلال کے مانند

(۴) بیتاب

بیمار الم کہ بود ایں قدر دانم کہ شاگرد محمد قایم است منقطعش کہ از زبان ایشاں شنیدہ بودم بیاد ماندہ -

بے تاب بھی کیا جواں تمہارے واسطے　　ہو خانہ خراب اس اجل کا

(۵) بیجان

کہ عزیز جاں نام دارد قوم افغان یعنی روہیلہ فقیر در ایامیکہ در آنولہ بود مومی الیہ اتفاق ملاقات اکثر می افتاد - حالا معلوم نیست کہ کجاست از وست -

ایسے ناداں ہیں ہم تم کو نہ پہچانیں گے　　ہم سخن غیر سے ہوتے ہو جو آواز بدل
پیچ دیتا ہے تجھے کہہ کے برادر یہ رقیب　　اس سے دستار نہ لے خانہ برانداز بدل

نہ بوئے مشک ہو ایسی نہ نافۂ تاتار　　جو لپٹیں آتی ہیں گلرو ترے پسینے میں

(۶) بیباک

کہ میر نجف علی نام دارد سید موسوی از اولاد حضرت موسیٰ کاظم - اصل نژادش عربی است - از چند پشت در سرکار کول مقام داشتند اگرچہ مولدش نیز کول است اما نہ سالہ در شاہجہاں آباد آمدہ سن تمیز در ہمیں جا رسیدہ قدرے تحصیل صرف فارسی نمودہ بود کہ طبعش بطرف طبابت مائل شدہ - الغرض در بست و دو سالگی مثل اطبائے

جا کہو کوئے یار میں کوئی　　مرگیا انتظار میں کوئی
کیوں بیان سیر باغ کی رخصت　　نہیں دیتا بہار میں کوئی

جنگ پر جس کی لوگ لڑتے ہیں　　صلح میں اُس کی کیا مزا ہوگا

جاتا ہے یار کچھ تو بیان منہ سے بولئے　　اے بے نصیب مانع گفتار کون ہے

مت آئیو لے وعدہ فراموش تو اب بھی　　جس طرح کٹا روز رہا گذر جاوے گی تب بھی

رُباعیات

کیا تو نے سمجھ کے دل بیان اُس کو دیا　　میں کیا کہوں اُس کی خوبیاں ہیں کیا
بدخو بدعہد شوخ سرکش مغرور　　بے دین بے مہر بے وفا بے پردا

جس شخص سے ہوتی نہیں قنبر کی مدح　　وہ کیونکہ کرے حیدر صفدر کی مدح
مجھ سے تو یقیں کی نہیں ہوتی تعریف　　کس منہ سے کروں حضرت مظہر کی مدح

از بس میں نہیں زباں پہ اپنی قادر　　اکثر ہوتی ہیں دل کی باتیں ظاہر
کہتا ہے وہ طفل شرمگیں جھنجھلا کر　　یارب عاشق نہ ہو کسی کا شاعر

(۳) بیتاب

کہ از دودرۂ سابقین است چنانچہ از زبانش می تراود ۔ از دست ۔
اُس کے ابرو ہلال کے مانند　　خال اس کا بلال کے مانند

کر خون ایک جہاں کا اور ہی جہان بدلا — یہ رنگ تو نے کیسا اے آسمان بدلا
مجلس میں اسکی ہم نے تہمت کے ڈر کے مارے — سو سو جگہہ سے اٹھ اٹھ اپنا مکان بدلا

(۷) بقا

کہ بقاء اللہ نام دارد پدرش حافظ لطف اللہ خوشنویس از اکبر آباد آمدہ بود خودش در لکھنؤ نشو و نما یافتہ پیشتر غمین تخلص میکرد و شعر فارسی می گفت و از نظر مرزا فاخر مکین می گذرانید آخر آخر شوق شعر ہندی دامن دلش را فرا گرفتہ، در ایامے کہ وارد شاہجہان بود باشارۂ شاہ حاتم بقا تخلص گزاشتہ حالا نسبت شعر فارسی بسوئی خود کمتر می کند و خود را یکے از ریختہ گویان می پندارد، شاہ مذکور مشار الیہ را بہمین جہت در سلک اسامی شاگردان جدید خود نوشتہ وطرفہ اینکہ شیخ مذکور در تذکرۂ فتح علی خاں حسینی تخلص کہ بر بھولا پہاڑی قیام دارند بطوع و رغبت خود خود را شاگرد میر درد نویسانیدہ۔ در غزل وغیرہ تلاش بسیار می کند اما در قصیدہ خیلے ید طولی دارد ہرچہ می گوید بسیار بتلاش و علو می گوید اما در گفتن غزل بطی است۔ با فقیر در رابطۂ آشنائی بسیار مربوط است بلکہ اکثر در شاہجہان آباد چندے یکجا بودیم و شام و چاشت باتفاق ہم می کردیم۔ غرضکہ جوان سراپا خلق و ظریف مزاج و قانع دیدمش طبع شوخش بطرف ہجو بسیار مائل افتادہ در شاہجہان آباد با میر و در لکھنؤ با مرزا معرکہ گیر بپا کردہ و دقت طبع خود را اظاہر نمودہ۔ حالا در لکھنؤ بکنج قناعت پا شکستہ اوقات بسر می کند با فقیر گاہ گاہے ملاقات می شود۔ از دست۔

رہ رواں کہتے ہیں جس کو جرس محمل ہے — محنت راہ سے نالاں وہ ہمارا دل ہے
موج سے بیش نہیں ہستی وہمی کی نمود — صفحۂ دہر پہ گویا یہ خط باطل ہے
کچھ تعین نہیں اس راہ میں جوں ریگ رواں — جس جگہ بیٹھ گئے اپنی وہی منزل ہے

دیگر علاج میکند چون موزون طبع افتادہ گاہ گاہے سرے بفکر شعر نیز دارد و ہرچہ گفتہ و می گوید از نظر فقیر گزرانیدہ و می گزراند ایں چند شعر از وست ۔

ہم کو لیل و نہار نے مارا — گردش روزگار نے مارا
ایک تو آگے ہی تھے سودائی — تس پہ جوشش بہار نے مارا
صبر کس طرح کیجئے بیباک — اس دل بے قرار نے مارا

جب ہمارا وہ شوخ یار ہوا — دل وحشی کو تب قرار ہوا
داد خواہوں سے گھر گئے رستے — اس کا بس کوچہ سے گزار ہوا

بیباک کیونکہ پہنچیں گے منزل کو دیکھئے — اپنی کھلی تب آنکھ کہ جب کارواں گیا

صیاد یہ ہوس ہے دل داغدار میں — گلپوش کر قفس کو مرے نو بہار میں
ملتے ہیں دل کو مثل حنا پاؤں کے تلے — یہ رسم ایک نئی ہے بتوں کے دیار میں
بیباک کوئی کھول کے دیکھے تو آنکھ — آتش بھری ہوئی ہے ہمارے مزار میں

جو کوئی تجھ پہ مبتلا ہووے[(۱)] — پھر کسی کا نہ آشنا ہووے[(۱)]

ہمیں تیری ہی ہر دم جستجو ہے — کہ اپنا مطلب و مقصود تو ہے
اگر منظور ہے تم کو مرا قتل — تو فدوی بھی تمہارا روبرو ہے
گر اب کے اٹھ گیا ہاتھ اپنا ناصح — گریباں اور دامن بے رفو ہے

(۱) ہوگا (ل ر)

رُخ اُس کا صفائی تر سے تلووں کی نہ پاوے　　خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھاوے

آئینہ[1] دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں　　اس کا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

(۸) برق

تخلص میاں شاہ جیو کہ بسبب موزونی طبع اول ہمیں غزل از خامۂ فکرش تراوید جوان ظریف مزاج و شوخ طبع و ملحشور با فقیر از قدیم الایام بسیار باعتقاد میں می آمد و چون تخلصش فقیر گذاشتہ لہذا دم ارشاگردی ہم می زند۔ ازوست۔

یوں لاکھ ہوں دنیا میں تو کچھ کام نہیں ہے　　واللہ کہ تجھ بن مجھے آرام نہیں ہے
ہووے دل پژمردہ مرا کیونکہ شگفتہ　　ہر باغ میں گل پر وہ گل اندام نہیں ہے
کیا دھوم سے اُمڈی ہے گھٹا ایسی ہوا میں　　افسوس کہ ساقی و مے و جام نہیں ہے
اے برق نہ جی اپنا جلایا دمیں اُس کی　　کچھ خوب تر اس کام کا انجام نہیں ہے

حرف پ

(۱) پروانہ

پروانہ علی شاہ مراد آبادی کہ پروانہ تخلص میکرد جوان شوریدہ سر و قلندر وضع بود بنگ و شراب بہ شدت میزد و بکسب و شغل نفی و اثبات وغیرہ سر راہی داشت گاہ گاہے از و کشف کہ اہل کمال را باشد مشاہدہ کردم معرفت محمد قایم در سرکار محمد یار خاں کہ ذکر ایشاں گزشت او ہم در سلسلۂ شعرا جا داشت و چیزے کہ موزوں میکرد از نظر ایشاں می گزرانید دو شعر ازوست[2]۔

---

(۱) ن خ میں یہ شعر فاضل ہے۔ (۲) از دیگا طراست۔ (ن ح)

آستیں حشر کے دن خوں سے تر ہو جس کی
یہ یقیں جانیو اس کو کہ مرا قاتل ہے
کھول دو عقدۂ کو مین بقا کے پل میں
یا علی تم کو یہ آساں ہے اسے مشکل ہے

ترے جو خال سیہ لب پہ آشکارا ہے
کسی کے بخت سیہ کا مگر ستارا ہے
چمن میں لالہ نہیں تجھ کو دیکھ کر قاتل
زمیں سے خون شہیداں نے جوش مارا ہے
بقا کی آہ نے اُس میں کبھی نہ کی تاثیر
بتاں یہ دل ہے تمہارا کہ سنگ خارا ہے

تو نے اس طرح کا اے چرخ گرایا ہم کو
کہ موئے پر بھی کسی سے نہ اٹھایا ہم کو

وہ صورتیں جو پیش نظر تھیں سو مثل اشک
یوں گم ہوئیں زمیں میں کہ ڈھونڈے نہ پائیاں

دست ناصح نہ(۱) مری جیب کو اس بار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اس میں نہ رہے تار لگا
یار کو بھیجی خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کوں کھڑا تھا پس دیوار لگا

شب گذری اب اے سحر کے نالو
پھر چرخ پہ برچھیاں سنبھالو
گر قتل کیا بقا کو جو یاں
اس بات کو منہ سے مت نکالو
پنہاں ہی بھلا ہے خون عاشق
جانے دو اب اس پہ خاک ڈالو

اس بزم میں پوچھو نہ کوئی مجھ سے کہ کیا ہوں
جوں شیشہ گرے سنگ پہ میں اس کی صدا ہوں
اے عشق تو ہر چند مرا دشمن جاں ہو
مرنے کا نہیں نام کو اپنی میں بقا ہوں

---

(۱) جو بجائے نہ — (ن خ)

ایک دن دیکھا نہ تو عاشق کی غمخواری کرے | بیوفا تجھ سے کوئی کب تک وفاداری کرے
کب نزاکت گل کی سرگوشی کی رخصت دیوے ہے | جھوک جب بالی کی کانوں پر گرانباری کرے

دیکھتے ہی اس کو چہرے پر بحالی آگئی | زعفرانی رنگ جو تھا اس میں لالی آگئی

بشیر

تخلص میر بشارت علی از شاہجہاں آباد در لکھنؤ آمدہ بود[1] شاگرد میر نظام الدین ممنون گردیدہ۔ ازوست۔

یارب نہ کھلے زلف گرہ گیر کسی کی | وابستہ ہے وہاں خاطر دلگیر کسی کی
شاید دل بے تاب کو تسکین ہو لینے | کھنچوا کے رکھوں سینہ پہ تصویر کسی کی
دیوانہ بشیر آیا ہے ادھر کہیں شاید | پھر کھڑکے ہے اس کوچہ میں زنجیر کسی کی

حرف التا

(۱) تاباں

میر عبدالحی[2] تاباں کہ[3] قصہ حسن یوسفیش[4] در چار سوئے مصر دہلی شہرت تمام دارد جوانے بود بیتریں نہال قامت رعنائیش در باغ لطافت از شیرۂ جانہا پرورش یافتہ و لعبتی بود حورا نژاد کہ لعبت باز پردۂ نیلگون آسمان دست صبر خیدیں عاشق بیتاب را بیک کرشمۂ دلفریبش بر تافتہ۔ طبع موزونش حسن و عشق را یکجا ساختہ و شیرینی گفتارش نمک بر زخم جگر ملیحان ہندا نداختہ۔ اگرچہ زبانی شاہ حاتم درابتدا شاگرد شاہ حاتم است اما آنچہ شہرت دارد و واقعی است اینست کہ بہ شاگردی محمد علی حشمت

---

(۱) شاگرد میر نظام الدین ممنون از شاہجہاں آباد دارد لکھنؤ شدہ بود (ل ح) (۲) اس شعر میں (ل خ) ہے تاباں تخلص میر عبدالحی نام داشت (ل ح) (۳) "کہ" ندارد (ل ح) (۵) حسن یوسفش (ل ح)

آج ثابت نہ رہا دل نہ کوئی جان درست | اس کی مژگاں نے کیے پھر پر و پیکان درست
ہمتِ حضرت قایم سے اگر ہو امداد | چند ایام میں کر لیجیے دیوان درست

(۲) پروانہ

تخلص راجہ جسونت سنگھ عرف کاکاجی پسر راجہ بینی بہادر کہ رکن رکین نواب شجاع الدولہ مرحوم بود جوان خلیق و ذی شعور است۔ پیش ازیں شعر فارسی می گفت و از نظر رائے سرب سنگھ دیوانہ میگذرانید۔ چنانچہ اشعار فارسی اش پیش فقیر در شاہجہان آباد بوساطت مرزا قتیل رسیدہ بودند در ہماں ایام داخل تذکرۂ اول شد ندامادر روزہائے کہ مؤلف از شاہجہاں آباد بہ لکھنؤ رسید چوں غائبانہ ہمیشہ مشتاقِ ملاقات می ماند، خبر آمدن ایں خاکسار شنیدہ بسیار بہ گرمی و تپاک پیش آمدہ و از ہماں ایام عطف عنانِ فکرِ شعر فارسی بطرف ریختہ کردہ خود را شب و روز در گفتن شعر ہندی مصروف داشت تا الی الیوم کہ عرصۂ دوازدہ سال شدہ باشد مشق او بسیار رسا و پختہ گردیدہ۔ در گفتن قصیدہ و غزل طور مرزا رفیع را مسلم میدارد و اکثر رصیدِ معانیہائے تازہ ہمت می گمارد پیش از آمدنِ فقیر کہ ہنوز آغازِ شوق او بود اعتقاد بہم رسانیدہ مثل میر تقی و میر حسن و میاں بقاء اللہ وغیرہ داشت۔ اکنون از تہہ دل بفقیر رجوع کلی دارد و درستی اشعار درستش موقوف بر مشورہ ایں ہیچمدان باعتقاد او افتادہ۔ ایں ہم خوبی اوست و الا شاعریش از ہیچ صاحب طبیعتے در مرتبہ کمی نیست از دست۔

کھا تیغ نگہ جب ترے گھایل کو غش آیا | گویا دمِ نزع میں بسمل کو غش آیا
کیا کہیے ہمدم کہ اُسے دیکھ کے ہم تو | ہر چند سنبھالے ہیے پر دل کو غش آیا
کرتے تو کیا قتل پہ حیران ہیں جو دیکھا[1] | ٹھیرا نہ گیا سامنے قاتل کو غش آیا

---

(۱) ن رح میں یہ شعر نہیں ہے۔

سر پر مرے سایہ کیا گر نے ہُما تو کیا ہوا — یا کھائی میری استخواں بعد از فنا تو کیا ہوا
دنیا کے نیک اور بد سے کچھ تاباں نہیں ہے غم مجھے — گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

غیر کے ساتھ جو دیکھا ہے اُسے بال کھلے — اس سبب دل ہے بہت آج پریشاں میرا

تعلق سے جہاں کے جو کوئی آزاد ہو بیٹھا — وہ آبِ زندگی سو اپنی ہستی کے ہاتھ دھو بیٹھا
گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کہنے — کہ کچھ حاصل نہیں ہووے گا ساری عمر رو بیٹھا

ایسا ہی مرے اشک کا گر جوش رہے گا — تو شمع صفت جسم بھی پانی ہو بہے گا
جز ترکِ محبت کہ میں لاچار ہوں اس میں — مانوں گا میں ناصح جو تو سب مجھ سے کہے گا
میں خواب میں دیکھا ہے لگاتے اُسے مہندی — کیا جانیے کس کس کا لہو آج بہے گا

آئی بہار شورشِ طفلاں کو کیا ہوا — اہلِ جنوں کدھر گئے یاراں کو کیا ہوا
غنچے لہو میں تر نظر آتے ہیں تہہ بہ تہہ — اُس رشکِ گل کو دیکھ گلستاں کو کیا ہوا
اُس جامہ زیب غنچہ دہن کو چمن میں دیکھ — حیراں ہوں میں کہ گل کے گریباں کو کیا ہوا
آئے ہے تیرے خط کے سے کیوں ہے گرفتہ دل — بتلا کہ تیری زلفِ پریشاں کو کیا ہوا
روتے ہی تیرے غم میں گذر گئی ہے اُس کی عمر — پوچھا کبھی نہ تو نے کہ تاباں کو کیا ہوا

ہمیشہ رات گھر غیروں کے رہنا — پھر آ کے صبح کے تئیں ہم سے کہنا
عجب احوال ہے تاباں کا تیرے — کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

که[۱] شاگرد محمد غنی بیگ قبول کشمیری است بسیار بسر برده وحشمت تخلص محتشم علی خاں برادر میر ولایت الله ولد میر باقی نیز بود - چوں ایں هر دو بزرگ نسبت شعر هندی میلان طبع به شعر فارسی بیشتر داشتند لهذا احوال ایں صاحبان در تذکرهٔ فارسی تسوید یافته عرص اریں جملهٔ معترضه تصحیح احوال هر یکے بنا بر رفع اشتباه سائع بود - آمدم بر مطلب که اگرچه فقیر آں یوسف ثانی را بسبب نه بودن در آں دوره که در عین جوانی که گرگ اجلش در ربوده ندیدا اما تصویر آں آفت جاں[۲] در چاندنی چوک بر دوکان پارچه فروشے که مرقع تصاویر گوناگوں[۳] داشت بملاحظه رسیده والحق که از دیدن آں معنی عین الیقین بمشاهده افتاده هر که هر چه در وصف حسن و جمال خوبی اعضائے آں دلفریب عالم گوید بجا است دیوان ریخته اش مشهور است - از وست -

مری لوحِ تربت په یار و کھدانا ۔۔۔ که اس سنگدل سے نه کوئی دل لگانا
زبس تیری مژگاں سے ہے مجکو الفت ۔۔۔ جہاں دیکھنا خار وہاں لوٹ جانا

رہتا ہے چاک وحوں میں سدا لوٹتا ہوا ۔۔۔ مرے غریب دل کو الٰہی یه کیا ہوا
میں اپنے دل کو غنچهٔ تصویر کی طرح ۔۔۔ یا رب کبھی خوشی سے نه دیکھا کھلا ہوا
تو دیکھ مجھ کو شمع میں مت کڑھ که تیرے یار ۔۔۔ مجھ سے بہت ہیں ایک نه ہوگا تو کیا ہوا
ہر دم کروں نه کیونکے گریباں کو اپنے چاک ۔۔۔ آتا ہے یاد یار کا جامه چنا ہوا
تاباں کسکے دیکھنے سے را ماتے تھے تم ۔۔۔ کھودی بہار خط نے تمھاری بھلا ہوا

خفا سے اپنی پشیمان نه ہو ہوا سو ہوا ۔۔۔ تیری بلا سے مرے حق میں یه جو ہوا سو ہوا
سبب جو میری شہادت کا یار سے پوچھا ۔۔۔ کہا که اب تو اسے گاڑ دو ہوا سو ہوا
نه پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم ۔۔۔ وه ایک دم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا

(۱) که شاگرد ایشاں شاگرد محمد غنی الخ (ن ح) (۲) آفت جاں روزگار (ل ح) (۳) گوناگوں مثل حور داشت (ل ح)

یہ تار دم ہر صورت باز کار رشتہ کہ ہر صورت   چلے جاتے ہیں پرے میں لئے ناچار جب کھینچا

(۳) تنہا

کہ محمد عیسیٰ نام دارد وطن بزرگانش شاہجہاں آباد و خودش در لکھنؤ تولد یافتہ عمرش قریب بست و ہفت رسیدہ - جوان صلاحیت شعار و خوش اطوار را ابتدائے عمر بسبب موزونی طبع چیزے موزوں میکرد حالا ریختہ[1] گفتہ و می گوید و از نظر فقیر می گذراند لیکن بسیار رسا است - شوق مرثیہ خوانے و گفتن سلام ہم دارد و روزگار در فرقہ سپاہ گری بسر می نماید[2] من کلامہ[3] -

غیر سے شکوہ مرا ایس دیکھی دانائی تیری   میں ہوا رسوا تو کیا ہو گی نہ رسوائی تیری
اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہو گئی   رو برو غیروں کے کیوں میں نے قسم کھائی تیری

حیران تھا کل وہ آئینہ یکبار دیکھ کر   کچھ میں بھی رہ گیا اُسے لاچار دیکھ کر
میں وہ اسیر سیر چمن ہوں شکستہ بال   روتے ہیں جس کو مرغ گرفتار دیکھ کر
دل ہے وہ جنس بدھسے بازار دہر میں   موہنہ پھیر لیوے اپنا خریدار دیکھ کر
بلبل کو لیکے نکلا تھا صیاد کل کہیں   شاید کہ خوش ہو یہ گل و گلزار دیکھ کر
گلشن تلک پہنچنے نہ پایا کہ مر گئے   چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھ کر
تلوار پر نہ ہاتھ رکھو جان مر گیا   تنہا تمہاری ابروئے خمدار دیکھ کر

آئے تو سلے آن کے اک آن نہ ٹھیرے   میں کتنا کہا وہ کسی عنوان نہ ٹھیرے
مجلس سے دیا تو نے اٹھا ایسی جو مجکو   شاید تری نظروں میں ہم انسان نہ ٹھیرے
آغاز ہی میں ہو گئی وحشت سے مجھے تنہا   اس فصل میں شاید کہ گریبان نہ ٹھیرے

---

(۱) ایجہ (ل ح) (۲) می کند بجائے می نماید (ل ح) (۳) ار دست بجائے من کلامہ (ل ح)

تجلی (۲)

عرف میاں حاجی ولد میر محمد حسین کلیم جوانے است در فن ریختہ بے نظیر و ہمشیرہ زادہ میر محمد تقی میر دیوان ضخیم ترتیب دادہ و مثنوی لیلیٰ مجنوں را تیز بنائی خوبی نہادہ اکثر مخمس و مسدس خوب خوب و غزلہائے بحر کامل از وبر زبان شائقان زمان و رشاہجہان آباد جاری است عمرش قریب بہ چہل خواہد بود روزگار در فرقہ سپاہ گری با متیاز تمام کردہ می کند۔ با فقیر بسیار آشنائی واشت حق تعالیٰ سلامت دارد ایں چند شعر کہ مشتی نمونہ از خروارے در ینجا یاد باید کرد۔ از وست۔

کئی دن سو روٹھ گئے ہیں وہ نہ پیام ہے نہ سلام ہے — جو یہی طرح رہی ہمنشیں تو ہمارا کام تمام ہے
کبھی پاس بھی جو بلاتے ہو تو ہزار باتیں سناتے ہو — مری صاحب اتنا تو جانیے کوئی کیا تمہارا غلام ہے

طرب کا رنگ رخ گل پہ آشکار آیا — کلی سے کھل گئے جو نہیں وہ گلعذار آیا
تڑپ کے جان نکل جائے گی ابھی صیاد — نکھیو باغ میں پھر موسم بہار آیا
ملا میں خاک میں مر مر کے آہ پر تو بھی — نہ بے قرار ہی دل کے تئیں قرار آیا
مری وفا پہ تجھے روز[1] تک تھا اے ظالم — یہ سر یہ تیغ ہے لے اب تو اعتبار آیا
بہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلی نے — کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو یار آیا

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی — ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلی کو عبث — وہ بچارا کبھی اس کوچہ میں آیا نہ گیا

---

(۱) زور بجائے روز۔ (ن خ)

کیا کیجئے اے یار وکہ اس دستِ جنوں سے
یہ نقص بڑا اپنے گریبان میں آیا

ریدانیوں میں آج ہے اک حشر سا برپا
شاید نیا قیدی کوئی زندان میں آیا

کیا تو نے کیا زہر کو کیوں کھا لیا تنہا
کیا بیٹھے بٹھائے یہ ترے دھیان میں آیا

رو یا جو میں اک شب بتِ نادان کے آگے
وہ صبح لگا کہنے ہر انسان کے آگے

اے دستِ جنوں چاہیے تو کر اس کے بھی پرزے
اب باقی ہی دامن ہے گریبان کے آگے

بجلی کی چمک شعلۂ جوالہ کا عالم
ہے گرد تری خنسق و امان کے آگے

زنداں سے ہمیں عید کو اس نے جو نکالا
ہم گر پڑے غش کر در زنداں کے آگے

کچھ شعر پہ موقوف نہیں سننے ہو تنہا
گر بات بھی کہئے تو بس لسان کے آگے

عجب طرح کی بہاراں فنوں کسی پہ ہے
نہ حور پر وہ لطافت ہے نہ پری پہ ہے

کہا جو میں نے کہ ہم پاس اب نہیں آتے
تو بولا وہ کہ یہ موقوف اپنے جی پہ ہے

چمن میں آکے جا ہی یہ کس نے لی ہے نسیم
شگفتگی سی جو ہر گل کی یہاں کلی پہ ہے

ادھر کو پھیر کے منہ پھیر بھی ذرا ہنس[1] لو
کہ جان اپنی غش اس آپ کی ہنسی پہ ہے

نہ غافل اب ہو بارے تا مصحفی تنہا
بہوش باش کہ عالم رواروی پہ ہے

ہم سے کرتے ہو بیاں غیروں کی یاری آن کر
رہ گئی ہے آپ کی یہ دوستداری آن کر

ہم کو آنے سے تمہاری بزم کے کیا تھا حصول
دیکھ لیتے تھے مگر صورت تمہاری آن کر

روٹھنے پر میرے کیا لازم تھا ہو جیا نا خفا
بلکہ کرنی تھی[2] تمھیں خاطر ہماری آن کر

طعن بدخواہاں سے تو اک دم نہ جائے گا قرار
کی جو تیرے در پہ ہم نے بے قراری آن کر

تھا اگرچہ غش میں مجنوں لیکن آنکھیں کھل گئیں
سر پہ اس کے جس گھڑی لیلیٰ پکاری آن کر

---

(۱) ہنسیو (ل ح) (۲) کرتے تھے (ل ح)۔

ہو کر جدا وہ سب سے جب ہم سے آملے گا / البتہ اپنے دل کو تب کچھ مزا ملے گا
بلبل کے توڑتا ہے کیوں بال و پر دوانے / ان کاوشوں سے تجکو صیاد کیا ملے گا
گو قافلے سے یارو تنہا رہا ہے پیچھے / دن تو ابھی بہت ہے کیا ڈر ہے جا ملے گا

مذکور ہے چلا تھا شب ہمنشیں کسی کا / جی میں خیال گزرا میرے وہیں کسی کا
سینہ پہ ایک پرزا اب جیب کا نہیں ہے / دیکھا تھا ہاتھ میں نے بے آستیں کسی کا
تنہا رکھیں توقع کس بات کی کسی سے / ہاں سچ تو یہ ہے بھائی کوئی نہیں کسی کا

کرتا ہے ستم ہم پہ تو آسان سمجھ کر / ہم کچھ نہیں کہتے تجھے نادان سمجھ کر
مر جائیں نہ زندانی ترے مارے خوشی کے / ٹک کھولیو ظالم در زندان سمجھ کر
معمورۂ دنیا میں بہ کثرت ہے کہ اللہ / آئے تھے اسے ہم تو بیابان سمجھ کر
کیوں ترک کیا اس کی ملاقات کو تنہا / کرتا ہے جو کچھ بات تو انسان سمجھ کر

یہ تو فرمائیے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں / آپ بے وجہ جو منہ ہم سے چھپا لیتے ہیں
دل بھی کیا جنس زبوں ہے کہ خریدار آ کے / لیتے ہیں پر اسے سوجا یہ دکھا لیتے ہیں
تھم کے بے وجہ تڑپتے نہیں بسمل تیرے / آب خنجر کا یہ رہ رہ کے مزا لیتے ہیں
خاک میں دل کو ملا کہتے ہیں قیمت کیا دو / چیز اگر لیتے ہیں تو پہلے چکا لیتے ہیں

اک آدھ کا ڈر ہم کو نہ دو چار کا خطرا / ہے بھی تو تری خوئے ستمگار کا خطرا

کوئی گل لے گلشن سے جو دامان میں آیا / دل ہو کے لہو دیدۂ گریان میں آیا

ناصح تو کسی بت سے تو جا آنکھ لڑا دیکھ
سن میری نصیحت یہ ٹک اس کا بھی مزا دیکھ
کیا اُس کے تصور میں تری بن گئی صورت
لے آئینہ شکل اپنی تصور تو ذرا دیکھ

لے گئے یوں ترے کوچہ سے تصور کو لوگ
جوں اٹھا دیں کسی بدمست کو میخانے سے

یہ کہتے ہیں طبیب آ کر سر بیمار پر تیرے
ہمیں آتا ہے رونا اب تو جان زار پر تیرے

گو وہ گیا پر اپنی آنکھوں کے سامنے سے
جاتا ہی کوئی اُس کی رفتار کا تصور

خفا عظیم کی خاطر نہ ہووے دوستاں ہرگز
کہ بستر پر سے ہل سکتا نہیں یہ ناتواں ہرگز
تصور مر گیا گھٹ گھٹ کے ظالم عشق میں تیرے
ہوا ظاہر نہ اس کا آہ کچھ درد نہاں ہرگز

(۵) تسکین

میر سعادت علی جوان شائستہ وصلاحیت شعار است - وہم از شاگردی میر قمرالدین منت میزد - از وست -

حال دل کہئے تو ہم سے وہ صنم رکتا ہی
اور جیب رہئے تو مشکل ہی کہ دم رکتا ہی
کس کا کوچہ ہی یہ یارب نہیں معلوم ہمیں
خود بخود یاں کے پہنچتے ہی قدم رکتا ہی

(۶) تسلی

تخلص لالہ ٹیکا رام پسر گوپال رائے بخشی برادر خورد لالہ بھولا ناتھ کہ خدمت دیوانی کچہری بخشی گری فوج نواب وزیر تعلق بایشاں دارد - جوا سے است مہذب الاخلاق

جس جگہ کشتہ کا تیرے لاشہ تھا خوں میں پڑا — خوب سا رو دیا وہاں ابر بہاری آن کر
میں بھی کیا برگشتہ طالع ہوں کہ تہہ آرات کو — پھر گئی در تک مرے اس کی سواری آن کر

(۴) تصور

سید احسان(۱) حسین ولد سید حیدر حسین خاں از سادات زیدیہ متوطن قصبہ بکوڑ(۲) جوان صلاحیت شعار و خوش ظاہر است۔ مشورہ شعر از میاں قلندر بخش جرأت کردہ ومیکند و سلسلہ نسبش بحضرت امام زین العابدینؑ منتہی می شود۔ عمرش بیست و پنج سالہ خواہد بود۔ از وست۔

صدمۂ غم متصل جب تیرے بابل پر رہے — ہائے اس مضطر کا ہر دم کیوں نہ پھر دل پر رہے

مرقدسے میرے ہاتھ قدمبوسی کو نکلیں — گر بعد فنا بھی وہ مرے خاک پر آوے
رونا کہیں موقوف کریں ہیں مری آنکھیں — جب تک نہ تسلی کو دل آوے جگر آوے
لگ جائے تصور کے گلے آکے وہ بت آج — اللہ کرے اُس کی یہ امید بر آوے

مجھے بے تاب آتا دیکھ کر کوچہ میں یہ بولا — بھلا کیوں دوڑ دوڑ آتا ہے یہ کیا اس کی ندامت ہے
تصور گرمجوشی یار کی مجھ کو رلائے گی — بہت گرمی کا ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے

غیر کے دل کو کرو تم شاد یوں نہیں چاہئے — اور مجھ پر اس قدر بیداد یوں نہیں چاہئے
ذکر شکوہ سے بھی میرا تم کبھی کرتے نہیں — واہ کیا دل سے بھلائی یاد یوں نہیں چاہئے

ہجر و وصال یار سے اپنا یہ ملک دل — ویراں ہوا کبھی کبھی آباد ہو گیا

---

(۱) سید احسان حسین نام دارد ولد حیدر حسین خاں۔ (۲) بکوڑ بہ رائے فارسی (ن خ)

دیتے اگر نہیں ہو تسلّی کو تم کچھ اور   بوسہ ہی ایک شعر کا اس کے صلا ملے

تجھ سا جو بے وفا ہوا ہوگا   اس کا عاشق نہ کوئی جیا ہوگا
کیوں تسلّی سے اب نہیں ملتے   غیر نے کچھ سکھا دیا ہوگا

گزر چمن میں اگر وقت صبح تو نہ کرے   نسیم پاس نہ جا گُل کے اس کو بو نہ کرے
کوئی بشر نہ زمانے میں ہووے گا ایسا   کہ جس کے دل میں جگہ تیری آرزو نہ کرے
کوئی اڑانے سے باز آئے ہی صبا اُس کے   ہماری خاک کو جب تک کہ کو بکو نہ کرے
جہاں میں اور تسلّی کا کون پوچھے حال   جو اُس کے حال پہ اے یار رحم تو نہ کرے

تو نہ میری ہی جان ہے کافر   تجھ پہ شیدا جہان ہے کافر
بھاگتا ہے مرے تصور سے   کس قدر بدگمان ہے کافر
دن پھرے پھر مگر تسلّی کے   ان دنوں مہربان ہے کافر

کیا پوچھتے ہو حال تم اس غم نصیب کا   میں تو یہی کہوں گا برا ہو رقیب کا

کب میں نے کہا پیارے تم مجھ سے جدا بیٹھو   پہلو سے مرے تجھ سے پہلو کا لگا بیٹھو
آتے ہی کہا تم نے بس گھر کو میں جاؤں گا[1]   آخر کو تو جاؤگے اک دم تو بھلا بیٹھو
کیا جانے تمھیں کس نے یہ بات سکھائی ہو   جب پاس مرے آؤ تب منہ کو بنا بیٹھو
مانگا جو تسلّی نے اک بوسہ تو دو بیا لے   منہ پھیر کے ظالم نے یوں ہنس کے کہا بیٹھو

---

(۱) جاتا ہوں۔ (ن خ)

خصوصاً به اہل کمال ہر فن به تواضع و تعظیم پیش می آید وطن بزرگانش موضع کرہل قریب بہ آگرہ و خودش در لکھنو نشو[1] و نما یافتہ چوں از ابتدائی عمر ذوق موزونی شعر دلنشین خاطرش بود حالا کہ بفضل الٰہی سن عمرش از بست و پنج متجاوز خواہد بود بشعر ہندی و فارسی بسلیقہ تام می گوید اما در بند شہرت نیست اکثر مثنویہا و دواوین اساتذہ جمع ساختہ و انتخاب نمودہ[2] زیبا ئیدہ چنانچہ فقیر ہم یک دیوان فارسی و دو دیوان ہندی خود مع تذکرہ فارسی حسب الاشارہ نوشتہ دادہ و دیوان اول فقیر را در عالم[3] کمتب نشینی کہ فقیر در آں روزہا نو وارد ایں شہر بود از کمال اشتیاق آدم فرستادہ طلبیدہ بدست خود در عرصہ قلیل نقل گرفتہ۔ اگرچہ ذہانت طبعش چنداں محتاج مشورہ نیست۔ اما احتیاطاً اشعار فارسی را از نظر مرزا محمد فاخر مکین می گذرانند و دہ پانزدہ غزل ہندی کہ گفتہ۔ مشاطگی آں موقوف بر رائے فقیر داشتہ۔ غرض کہ باہمہ خوبیہا کہ وارد اخلاق ایشاں بر زبان کہ و مہ جاری است چنانچہ فقیر ہم در آں جملہ مرہون حسن[4] سلوک ایں بلند اقبال است۔ حق تعالیٰ ہمیشہ بہ مسند ایالت ذات شریفش را متمکن داشتہ در سایۂ حفظ خود نگاہ دارد۔ از وست۔

دیکھے سماں جو اس مژۂ اشکبار کا | ہو جائے شق جگر رگ ابر بہار کا
جس کے قدم تلے دل خوباں ملے گئے | مذکور کیا ہے اپنے دل خاکسار کا
فہمیدہ لوگ کرتے ہیں دولت پہ کب گھمنڈ | کیا اعتماد زندگی مستعار کا
آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں | کیا پوچھتے ہو حال شب انتظار کا

اب بھی اس نیم جاں میں کچھ ہے | فائدہ امتحان میں کچھ ہے
کیوں ستاتا ہے دیکھ تو پیارے | اس دل ناتواں میں کچھ ہے

جو چاہے سلطنت اُسے ظل ہما ملے | مجھکو یہی ہوس ہے کہ وہ مجھ سے آ ملے

---

(۱) تولد و نشو و نما (ل ح) (۲) ساختہ (ل ح) (۳) ایام (ل ح) (۴) حسن نہیں ہو (ل ح)

تجھ پہ آفت یہ نئی پھر دل زار آئی ہے
لوگ کہتے ہیں کہ گلشن[1] میں بہار آئی ہے

خوں ٹپکتا ہے تری تیغ نگہ سے ظالم
کسی مظلوم کو شاید کہ یہ مار آئی ہے

دیکھئے حال تسلی کا ہو کیا اب کے سال
لوگ کہتے ہیں کہ گلشن میں بہار آئی ہے

کیا منہ جو کوئی آوے ترے تیر کے منہ پر
یہ ہم تھے کہ منہ رکھدیا شمشیر کے منہ پر

گو دل میں خفا ہو تو پہ اس بات کو ناداں
کہیو مخصوصیت عاشق دلگیر کے منہ پر

میرا ہی جگر ہے یہ کہ میں سینہ سپر ہوں
رستم تو چڑھے اس بت بے پیر کے منہ پر

جب سو تری تصویر لکھی کلک قضا نے
وہ حسن نہ دیکھا کسی تصویر کے منہ پر

جانے دے تسلی تو نہ کر فکر سخن کا
پھبتا ہے سخن مصحفی و میر[2] کے منہ پر

حرف الثا

(۱) ثنا

میر شمس الدین ثنا تخلص۔ بزرگانش اہل خطہ بودند خودش در عظیم آباد متولد شدہ۔ شاگرد شاہ مشتاق طلب بود۔ کم کم فکر شعر کردہ۔ ازوست

شب فرقت میں تیری نالۂ زاری ہے اور میں ہوں
جھپکتی ایک پل نہیں آنکھ بیداری ہے اور میں ہوں

چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے
فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

(۲) ثاقب

میاں شہاب الدین درویشے بود از سالقین۔ گویند کہ شعر خود را بہ میاں شاہ مبارک

---

(۱) مجلس (ل ح) (۲) مصحفی بیر۔ (ن خ)

جب ہمیں دکھا کے بیٹھا گالی کیا خوب — بارے اب آپ نے یہ وضع نکالی کیا خوب

بھلا اور تو مجھ کو دو چار کہہ جا — بُرا میں نہ مانوں گا کہہ یار کہہ جا
جفا کیوں ہوا بیوفا کہنے سے تو — جفاکار تو ہم کو سو بار کہہ جا
دھڑکتا ہے جی کیونکہ میں تجکو چھوڑوں — پھر آوے گا سچ مجھ سے عیار کہہ جا
کیا ترک ملنا مرا کس سبب سے — وہ بات آ کے مجھ سے تو اک بار کہہ جا
تسلی سے کب ایسی باتیں تو کہتا — کسی کے سکھانے سے دلدار کہہ جا

دکھاتا ہے مہ حسن کا اپنے جلوہ — اگر تم بھی آؤ لب بام کیا ہو
ترے لب سے غنچہ کرے ہمسری کیا — ترے آگے گل نازک اندام کیا ہو
تسلی عجب بیوفا کو دیا دل — اس آغاز کا دیکھیں انجام کیا ہو

عالم اس بت پہ مبتلا ہی رہا — اُن میں قدسی بھی اک فدا ہی رہا
اٹھ گئی دوستی زمانہ سے — آشنائی نہ آشنا ہی رہا
نہ سنی تو نے ایک بات کبھو — ہم کو اس بات کا گلا ہی رہا
تم خفا ہی رہے تسلی سے — اور وہ تم پہ نت فدا ہی رہا

میاں جو کچھ تری سج دھج میں رعنائی نکلتی ہے — کہاں مرزا مزاجوں میں وہ رعنائی نکلتی ہے
ادا و ناز جو تجھ میں ہیں اوروں میں کہاں پیارے — کہ تیری وضع میں کچھ اور زیبائی نکلتی ہے
صبا مذکور جب تجھ سے چلی ہے تیری زلفوں کا — چمن سے بوئے سنبل ہو کے سودائی نکلتی ہے
خدا سے ڈر برابر کر نہ اوروں سے تسلی کو — کہ تیرے عاشقوں میں اس میں یکتائی نکلتی ہے

(۳۴) جہاندار

تخلص شاہزادۂ ولیعہد خورشید رکاب صاحب عالم خطاب کہ از بس علو ہمت و سمو منزلت مرتبۂ عالیجاہی خود را باوج افلاک رسانیدہ و دست دُربارش ہنگامۂ ابر نیساں را سرد ساختہ باوصف استغنائے مزاج کہ خاصۂ بادشاہاں است خود را بکسب علم و ہنر نیز مصروف داشتہ در کمالات بسیار در ذات بابرکاتش جمع آمدہ۔ معہذا بمقتضائے موزونی طبع گاہ گاہے شعر ہندی و فارسی نیز می فرماید، ازوست۔

کون سی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی　　　پر جفا جو یہ تری نت کی لڑائی نہ گئی
قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے　　　وضع نالہ کی مرے اُس سے اڑائی نہ گئی
دل سوز کی جہاندار تیرے تا بفلک　　　کونسی آہ تھی جو مشعل ہوائی نہ گئی

کہاں طالع جو پہنچیں اُس کے در تک　　　رہیں دور ہی سے ہم اس کو نگر تک
رسائی میرے نالہ اور دعا نے　　　کہاں پائی اجابت اور اثر تک
بجھاؤں شمع ساں کیا اب جہاندار　　　شرار عشق تو پہنچا جگر تک

میں تو سو بار ترے ملنے کو آیا تنہا　　　ایک افسوس کبھی تجھ کو نہ پایا تنہا
شرک سے خالی کسی کا نہ نظر آیا دل　　　وہ بڑے ظرف ہیں جن میں تو سمایا تنہا
کس کو دعویٰ نہیں الفت کا تری عالم میں　　　عاشقوں میں ترے میں ہی نہ کہایا تنہا
بلکہ کل میں ترے جی بھی ہمارا ہے اسیر　　　دام میں زلف کے دل ہی نہ پھنسایا تنہا
کل جہاندار ہم اور یار تھے ٹک مل بیٹھے　　　سخت ناساز نے پھر آج بٹھایا تنہا

آبرو می نمود و نیز بخان آرزو مشورہ داشت "یک شعر از و بهمرسیدہ اینست[1]"

تا قبر کی نعش اور پر قاتل نے آکے پوچھا یہ کون مرگیا ہی کس کا ہے یہ جنازا[2]

حرف الجیم

(۱) جوشش

محمد عابد جوشش تخلص پسر جسونت ناگر، گویند جوان قابل است و در عظیم آباد بسر می برد۔ فقیر او را ندیدہ و دو شعر از و بهمرسیدہ این است۔

تمھارے در پہ جو دربان نے آستیں پکڑی برنگ نقش قدم ہم نے بھی زمیں پکڑی

چوں آئینہ یہ ستم رسیدہ رہتا ہے مدام آب دیدہ

(۲) جوشش

تخلص رحیم اللہ جوانے است ورزش گیر۔ در ابتدا بہ شاہجہاں آباد در مجمع و ہنگامہ ہا ریختہ بازی میکرد۔ چوں طبعش موزوں بود و از کلام اساتذہ دفترہا یاد داشت آخر آخر خود ہم چیزے موزوں کردن شروع نمودہ رجوع برائے اصلاح آں بفقیر آوردہ و چند سال کامل خود را دریں شغل مصروف داشت حالا در گفتن شعر قوت تمام پیدا کردہ۔ غزل درست بستہ بسرانجام میرساند۔ بالفعل یک شعر از و بخاطر است طرحی مشاعرہ فقیر در شاہجہاں آباد۔

دریا مری آنکھوں سی نت جاری لہو کا ہی سید رو تو کیا جاتے کیا رنگ کسو کا ہی

(۱) ایک شعر الخ نہیں ہی اس کی جگہ صرف از دست ہی (ان ح) (۲) جنازہ (ان ح)

چاندنی چوک جائے بود و باش او بود، بکوچۂ رائے مان شہرت دارد۔ مشارٌ الیہ از انقلاب زمانہ مع عشایر در صغرسن بہ پورب رسیدہ دہم اینجا نشو و نما یافتہ وجوان گردیدہ۔ از ابتدائے موزونی طبع مشق ریختہ پیش میاں جعفر علی حسرت کردہ کلام خود را بہ پایۂ پختگی رسانیدہ۔ چنانچہ الحال بقول جمہور از استاد خویش پائی کمی نمی آرد و در شعر خود تلاش مانیانہ بسیار می کند و پاس تمام از کلامش ترادو و مزاجش بطرف مسلسل گوئی دغزل در غزل گفتن بیشتر مائل است۔ شاگردان بسیار بہم رسانیدہ و معتدا در علم نجوم ہندیہ وستار نوازی نیز مہارتے دارد۔ حیف کہ چشمش در عین جوانی بہ یک ناگاہ نابینا شدہ۔

از وست۔

ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے — سب چہچہے چمن کے فراموش ہو گئے

میری اور اُس کے جو پوچھو ربط کیا کیا کچھ نہ تھا — پر دل اُس کا پھر گیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا

آئے جو میرے پاس تو منہ پھیر کے بیٹھے — یہ آج نیا آپ نے دستور نکالا

ہمنشیں باتوں پہ تیری کیا کہوں ہر بار ہوں — تجھ کو اک قصہ لگا میں جان سے بیزار ہوں
کوئی آوے کوئی جاوے منع کر سکتا نہیں — ہوں تو میں در پر ترے پر صورت دیوار ہوں
دوست ہوں اُس کا بھی جو ہو دشمن جانی مرا — وہ نہیں میں جو کسی کے در پئے آزار ہوں

ہو گئے سنتے ہی ہم وصل کا پیغام تمام — کام دل کچھ نہ بر آیا کہ ہوا کام تمام
ایک دن کا ہو جو رونا تو کہیں جرأت ہم — یہاں تو روتے ہی کٹے عمر کے ایام تمام

وہ نوخطان دنوں جو مشق جفا کرے ہے — صاف اپنا ہاتھ ہر دم مجھ پہ کیا کرے ہے
میں اور تیری نصیحت ناتوں یہ دخل کیا ہے — ناصح تو مجھ کو ناحق اب کیوں خفا کرے ہے
بیمار عشق اب تک جانبر بھی کوئی ہوا ہے — تو لے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے
پچتائے گا تو اک دن سنتا ہے اے جہاندار — دیتا تو ہے دل اس کو لیکن برا کرے ہے

زلف آہختہ[1] جو رخ پہ یہ صنم رکھتے ہیں — روز اور شب کو باعجاز بہم رکھتے ہیں
ٹھان لیتے ہیں وہ پہلے ہی سر اپنا دینا — تیرے کوچہ میں جو لے شوخ قدم رکھتے ہیں
بوالہوس تیغ جفا کا تیری روکش کیا ہو — دعویٰ اب سینہ سپر کرنے کا ہم رکھتے ہیں
ہو دم ریت کے مانند ہیں ہر دم سے — ساقی ہم جب سٹیں[2] م اپنے میں دم رکھتے ہیں
نہ جہاندار سا پاؤ گے جہاں میں عاشق — حیف ایسے پہ روا آپ ستم رکھتے ہیں

ہم نہ کہتے تھے کہ دل خوباں کو دینا خوب نہیں — کیوں جہاندار آخر اب تو بھی تو پچتانے لگا

کون میکش اے جہاندار آج گذرا باغ میں — ہاتھ میں ہر شاخ گل کے مے کا پیالہ دیکھنا

نرگس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا — آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا

(۴) جرأت

تخلص یحییٰ ماں است، قلندر بخش نام واو یحییٰ ماں نام آبائی او ست بدیں جہت کہ خود را از اولاد یکے رائے ماں می گوید دا شخصے گذشتہ کہ ہنوز در محلہ کہ متصل

---

(۱) آمیختہ (ن خ) (۲) شیشیں (ن ح)

تپش سے غم کی اب اعضا تمام جلتے ہیں
جو ہم سے دل کوئی بدلے تو ہم بدلتے ہیں

ترے فراق میں جرأت نے جی دیا اے شوخ
ہزار حیف نہ لی تو نے اس جواں کی خبر

غم بہت دنیا میں ہیں پر عشق کا غم اور ہے
ہے اسی عالم میں لیکن اس کا عالم اور ہے

یہ ہم کبھی قاصد سے وہ محبوب نہ ہوتا
گر نامہ ہمارا اسیر مکتوب نہ ہوتا

جس سے پوچھا میں اس نے ملنے میں
جان کر خوب عاقل اور دانا
جیتے جی کس کو کہتے ہیں مرنا
ٹک مجھے اتنی بات بتلانا
سن کے بولا وہ کھینچ کر دم سرد
سچ کہوں تجھ سے دل کا لگ جانا

عجب انداز سے کل بزم خوباں میں وہ آتا تھا
کہ مثل بسمل میرا سچ ہر کوئی قربان جاتا تھا

کیوں ہجر کی رات آئی بستر پہ لٹانے کو
پہلو سے تہی بس تھا کچھ یاد دلانے کو
یہاں پھونک دیا دل کو وہاں یار کو بھڑکایا
نالے بھی قیامت ہیں کچھ آگ لگانے کو

جسے کہ موت خیال جمال یار میں آئے
تو پھر بجائے فرشتہ پری مزار میں آئے
پس از فنا جو ترے دل جلے کی خاک اڑے
تو مضطرب سا دھواں اک نظر غبار میں آئے

(۵) جولاں

بہار علی شاہ جولاں تخلص ساکن شاہجہاں آباد کہ پیش ازیں در عالم دنیاداری

ہوا ہے اب تو یہ نقشہ ترے بیمار ہجراں کا　　کہ جس نے کھولکر منہ اُس کا دیکھا بس وہیں ڈر جاتا
قفس میں ہم صفیر کچھ تو مجھ سے بات کر جاؤ　　بھلا میں بھی کبھی تو رہنے والا تھا گلستاں کا
خدا جانے کرے گا چاک کس کس کے گریباں کو　　ادا سے اس کا چلنے میں اٹھا لینا یہ داماں کا

وصل کے دن بھی ہیں کانپ اٹھوں ہوں میں بیٹھے بیٹھے　　یاد آتے ہیں وہ صدمے جو شب ہجراں کے

عزیزو وصل میں بھی ہم جو رو رو کر نہ سوتے تھے　　سو اندیشہ تھا روز ہجر کا اس دن کو روتے تھے

سخت تجھ بن قلق اس دل کا ستاتا ہے مجھے　　گر بٹھاتا ہے یہ اور گاہ اٹھاتا ہے مجھے
یہ تو میں کیونکے کہوں کچھ نہیں بھاتا مجکو　　کچھ تو بھایا ہے کہ اب کچھ نہیں بھاتا ہے مجھے
صحبت اب یار میں اور مجھ میں ہے جوں شعلہ و خس　　جوں جوں میں اس کو بڑھاؤں وہ گھٹاتا ہے مجھے
گلشن دہر میں جوں خار یہ ہے قدر مری　　جس کے دامن سے لگوں ہوں وہ چھڑاتا ہے مجھے
بارے کچھ جذبۂ دل نے تو اثر اس پہ کیا　　اب جو آتا ہے سو فقرہ یہ سناتا ہے مجھے
منہ ترے گھر کی طرف کرکے یہ کہتا تھا وہ شوخ　　اس طرف کو کوئی کھینچے لئے جاتا ہے مجھے
زخم تازہ کی طرح چرچ کہیں لے جرأت　　ٹک ہنساتا ہے تو پھر خوب رلاتا ہے مجھے

پیاز گوہر سرشک چشم سے داماں تر پایا　　تری دولت سے بس لئے عشق ہم نے خوب بھر پایا

رتبۂ گل بازی کا دلا کاش تو پاتا　　ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا

دیکھ کر کل لیلیٰ و مجنوں کی وہ تصویر کو　　اپنے تئیں دیکھے تھا گہ اور گاہ مجھ دلگیر کو

جائیں تھے اشک تو کل دیدۂ گریاں سے لپٹ
آج کیا ہے کہ جدا ہوتے ہیں مژگاں سے لپٹ
تربتِ سوختہ جانوں پہ نہ اس طرح پھرو
شعلہ جاوے گا کوئی آپ کے داماں سے لپٹ
ساتھ ہر اک کے اُسے شوق ہے اب کشتی کا
اب جواں تو بھی تو اُس فتنۂ دوراں سے لپٹ

گر اُس کی بیوفائی کا شکوہ بیاں کروں
تو رفتہ رفتہ جمع میں اک داستاں کروں
اُس سے تو اپنے حسن کا شعلہ نہ چھپ سکا
میں ضبطِ آہ کیونکے بھلا اے جواں کروں

جب تیغ و سپر لے وہ سپاہی پسر آوے
کیا تاب ہے رستم کی جو اُس سے بسر آوے
جیتا نہیں پھرتا ہے کوئی اُس کی گلی سے
مجھ تک مرے دلدار کی کیونکر خبر آوے
اٹھ چل نہ جواں آج تو پھر اُس کی گلی کو
شاید وہ نکلتا ہوا گھر سے نظر آوے

یہ ان دنوں جو ہم سے اتنی رکھائیاں ہیں
شاید کسی نے باتیں کچھ کچھ سکھائیاں ہیں
اے عندلیب سچ کہہ کیا فصلِ گل پھر آئی
فوجیں جنوں کی ہم پر کیسی چڑھ آئیاں ہیں
کس بے ادب نے تم سے گلبازی آج کی ہے
منہ پر تمہارے چوٹیں کیا سخت آئیاں ہیں
دیوار و در کی چھاتی سوراخ ہو گئی ہے
کیا روزنوں سے اُس نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
پیوستہ ابرو اس کی میں دیکھ کر یہ سمجھا
دو شاخیں ہیں کہ جھک کر ملنے کو آئیاں ہیں

نقاب اُلٹ کے جو شب کو وہ مہ لقا نکلے
تو چاند شرم سے بادل میں منہ چھپا نکلے
مزا تو تب ہے کہ کشتہ کے اپنی تربت پر
حنائی ہاتھوں کو ملتا ہوا وہ آ نکلے
شتاب دے لے ٹانکے کھڑا ہے کیا جراح
نہ ہووے یہ کہ مرے زخم سے ہوا نکلے

رمضانی نام داشت، عمرش قریب بہ ہشتاد خواہد بود۔ گویند در عالمِ جوانی در علمِ تیراندازی یگانۂ روزگار بود۔ از دست۔

کنجِ قفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے
اے ہم صفیرو چھوڑ گئے تم کدھر مجھے

(۶) جواں

مرزا نعیم بیگ جوان تخلص، اصلش شاہ جہاں آباد اقامت در کوچۂ چیلہ ہا جوان دیدہ و خوش قامت و خوش تقریر و عظیم الشان و خندہ روئے ملازمِ خاص الخاص مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر دوام اقبالہ۔ چوں از آغازِ شباب طبع موزوں داشت، بسبب ہم محلگی در شاہجہاں آباد گاہ گاہے کہ اتفاقِ ملاقاتش می افتاد بسیار بے تپاک و نیازمندی پیش می آمد۔ از یک دو سال کہ دریں شہر فقیر ارباب مجلسِ حضور پر نور شدہ ادرا بہمان طریقہ راسخ الاعتقادی معترف یافتہ۔ اگرچہ چنداں تکلفِ شعر سر و کارش نیست اما چوں در موزوناں شمردہ می شود لہذا پیش ازیں روز ہائے کہ در حضور مشاعرہ بود بموجبِ ارشادِ والا بسر انجام غزلہائے طرحی وغیرہ سعئ بلیغ بکار بردہ بواسطۂ معرفتِ سابق آنہا بہ نظرِ اصلاحِ مؤلف می گذرانید۔ عرض کہ از ابتدا تا انتہا معتقدِ ایں خاکسار بے مقدار است۔ خیالش بسیار نفاستے دارد۔ از دست۔

پہلو میں دل اپنے کو بھی غمخوار نہ پایا
یہ خوبئ قسمت کہ کوئی یار نہ پایا

ظلم و ستم و جور سبھی ہم نے اٹھائے
جب اور کوئی تجھ سا طرحدار نہ پایا

ہم بیچتے آئینۂ دل تیرے ہی ہاتھوں
پر ہم نے تجھے اس کا خریدار نہ پایا

از بسکہ ہوئی گرمئ خورشید قیامت
کوچہ میں ترے سایۂ دیوار نہ پایا

شب درد سے کرتا تھا جواںؔ نالہ و فریاد
محفل میں تری اس نے مگر بار نہ پایا

بسیار با فرہ و شیریں دعالم پسند افتادہ تا زندہ بود با فقیر بسیار رابطۂ دوستی درست داشت در عشرۂ ماہ محرم رحلت اوست عمرش از شصت متجاوز خواہد بود فقیر تاریخ رحلتش چنیں یافتہ۔ تاریخ ؎

چوں حسن آں بلبل خوش داستاں — رو ازیں گلزارِ رنگ و بو بتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی — شاعرِ شیریں زباں تاریخ یافت
۱۲۰۱

ازوست۔

شبِ وصلِ صنم ہے آج اے ہمدم کسی ڈھب سے — گریبانِ سحر کو ٹانک رکھتا دامنِ شب سے

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں — نالہ نہ کریں مرغِ گرفتار قفس میں

ساتھ سونے کو ہمارے یہ مگر آتے نہیں — جن سے چین آتا ہو جی کو وہ نظر آتے نہیں
مر گئے اس مہربانی پر رقیب اور ہم جئے — جو نہیں دیکھا اس نے کہا
دل ہی اک پامال کر جاتو ہو بس دیکھا تمہیں — تم کو آنکھوں پر کسی کے
جب سے دیکھی ہیں قبا میں گھنڈیاں گلگوں ترے — شرم سے غنچے چمن
رات دن بیخود رہا کرتے ہیں اُس کی یاد میں — مدتیں گذریں حسن

اے گرد باد طرفِ چمن تک گذار کر — بلبل کے پر پڑے

سب نقش اس فلک کے نگینے پہ آ رہے — کارجہاں
غصہ میں جوش مارا جو دریائے حسن نے — جلوے
دو دن کے چاؤ چوز حسن کے بھی ہو چکے — پھر رفتہ

جو دیکھ کر درِ گورش اُس کا مرگیا ہوئے — بجا ہے خاک سے گر اس کی موتیا نکلے
کسی[1] کو اپنی سفارش کے واسطے اُس پا — جو لیکے جاؤں تو اُس کا وہ آشنا نکلے
غزل جواں کی پڑھی جائے جبکہ محفل میں — زبانِ اہلِ فراست سے مرحبا نکلے

چین نہیں ہے جی کو ٹک آہ جگر خراش سے — ہوک اُٹھے ہے دمبدم دل میں عجب قیامت سے

حرف الحا

(۱) حسن

میر غلام حسن حسنؔ تخلص ولد میر غلام حسین ضاحکؔ۔ وطن بزرگانش ہرات است و خودش در شاہجہان آباد تولد یافتہ و بہ عمرِ دوازدہ سالگی قضا او را بطرف پورب افگندہ بقیہ عمر در فیض آباد و لکھنؤ گذرانیدہ در سرکار نواب سالار جنگ بہادر یعنی برفاقتِ سردار جنگ خلف نواب موصوف ممتاز بودہ۔ چوں از اوائل عمر طبعش موزوں بود اکثر خود را مشغول بایں شغل خطیر میداشت و شعرِ خود را از نظر میر ضیاء الدین ضیاؔ کہ در آں ایام ایشاں از مستعدان زمانہ دریں دیار بودند می گذرانید۔ بعد ازاں کہ دور دورہ مرزا رفیع شد و زبان ریختہ چنانکہ بود زیادہ بر آں دریں دیار رواج یافت۔ بحکم قوت ممیزہ قدم بر جادۂ مستقیم اساتذۂ مسلم الثبوت یعنی خواجہ میر دردؔ و مرزا رفیع سوداؔ و میر محمد تقی میرؔ گذاشتہ کلامِ خود بہ رتبۂ پاکیزگی و شستگی رسانیدہ دیوانِ ضخیم و مثنویہائے متعددہ در سلک نظم کشیدہ خصوصًا در مثنوی آخر کہ سحر البیان نام دارد یدِ بیضا نمودہ الحق کہ کار کارِ اوست۔ قطع نظر از بلاغت شاعری زبانش

---

(۱) کسو (ن خ)

دیکھتے ہی مے کے ساغر کا کھینچا انتظار　　مارے جلدی کے میں اپنا ہاتھ پیمانہ کیا

کب قفس میں میں انھیں دیکھ پکارا نہ کیا　　ہمصفیروں نے بہ ایدھر کو گذارا نہ کیا
تا اشارہ کو سمجھے نہ لگے غیر کے وہ　　میں نے اس ڈر سے کبھی اسکو اشارہ نہ کیا

ابتدا حسن کی اُس کے اور نئی تیری چاہ　　ہائے کیا دن تھے حسن اور زمانہ[1] کیا تھا

(۲) حیران

میر حیدر علی حیران اصلش از شاہجہاں آباد است و عمرش در پورب گزشتہ و از بسکہ اوقاتش صرفِ معاشِ دنیاداری شدہ و می شود۔ اکثر در مشاعرہ بہنگام خواندن غدر کم مناسبتی طبع بہ شعر علیٰ رؤس الاشہاد کردہ والحق کہ دروغ نباشد چرا کہ ایں فنِ شعر بے تعلقی بسیار می خواہد۔ الغرض تا ایں ہمہ حتی القدور در تلاشِ معنیِ بیگانہ دارد و مزاج حریفانہ و ظریفانہ قطعۂ آخرِ غزلش ضرب المثلِ اکثر سامعان است۔ و وضعِ خواندنش نیز اگرچہ پسندِ فقیر نہ آمدہ بشاگردی رائے سرب سکھ دیوانہ تخلص کہ بندہ احوالش مفصل در تذکرۂ فارسی نوشتہ ام مشہور است و بگمانِ خویش شاعری خود را مغرور۔ مرد سپاہی پیشہ است از چندے در سرکارِ راجہ ٹکیٹ رائے در سواران عزو امتیاز دارد و بندہ او را در لکھنؤ دیدہ ام از وست۔

دم نکلتا ہے اب کوئی دم میں　　بیٹھ جا کچھ نہیں رہا ہم میں

کل جو حیراں کو میں دیکھا روتے　　بن گئی دو دکھنی کی گھات مری

(۱) اور وہ زمانہ (ن خ)

ل اب تو بات بات میں بنتا ہے لے حسن　　　کیا جانے اس ہیر کس کی نزاکت سما گئی

رنے کے بعد گل کی ہوا د ہوس کے بیچ　　　بلبل کے پر بھی اڑتے ہیں کنج قفس کے بیچ

ہر دھیان جو اپنا کہیں لے ماہ جبیں اور　　　جاتا ہے کہیں اور تو جاتا ہوں کہیں اور
آخر تو کہاں کوچہ ترا اور کہاں ہم　　　کر لیویں یہاں بیٹھ کے اک آہِ حزیں اور
میں حشر کو کیا روؤں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے　　　برپا ہوئی ایک مجھ پہ قیامت تو یہیں اور
تھا روئے زمیں تنگ زبس ہم نے نکالی　　　رہنے کے لئے شعر کے عالم میں زمیں اور
نکلے تو اسی کوچہ سے پر گم شدہ نکلے　　　ڈھونڈھے ہے حسن دل کو تو پھر ڈھونڈھ وہیں اور

کیوں ان نے یوں حسن تو اتنا جھٹک گیا ہے　　　ظالم کہیں تیرا دل کیا پھر اٹک گیا ہے

دی تھی یہ دعا کس نے مرے دل کو الٰہی　　　اجڑے یہ گھر ایسا کہ پھر آباد نہ ہووے

فائدہ آنے سے ایسے آ کے پچھتائے ہیں ہم　　　اٹھ گئی جب یہاں کی گذری آہ تب آئے ہیں ہم

آنی جا گہ نہ ملی اور کہیں مجھکو کیا　　　تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجھکو کیا
میں ہوں آئینہ تو اپنا ہی تماشائی آپ　　　تیری آنکھیں جو مجھے دیکھ رہیں مجھکو کیا
تم تو لڑ بھڑ کے حسن یار سے بس ایک ہوئے　　　مفت میں میں نے یہ باتیں جو ہیں مجھکو کیا

دور سے باغِ جہاں دکھلا کے دیوانا کیا　　　متصل جانے نہ پایا میں کہ ویرانا کیا

جھٹک کے ہاتھ سے دامن خفا جو یار ہوا — تو وہیں پیرہن صبر تار تار ہوا
یہ دوستی نے حسن بخشی (۱) اُس کی کچھ تاثیر — کہ دشمن آج ہر اک اپنا دوستدار ہوا

کونسا نقصان اس میں آپ کا ہو جائے گا — اس طرف ٹک مڑ کے دیکھو گے تو کیا ہو جائیگا
جاؤ گے گر جان بخشی کو حسن کی نزع میں — کیا بُرا ہے اک بچارے کا بھلا ہو جائیگا

جس جا کہ نہ بنتی تھی کبھی بات کی صورت — ٹھہری پھر اُسی گھر میں ملاقات کی صورت
کہتے ہیں جسے ہجر کی شب سخت بلا ہے — یارب نہ دکھانا مجھے اس رات کی صورت
کس رنگ سے ہے شیشہ میں جھمک دختر رز کی — ٹک دیکھیو اس کافر بدذات کی صورت

جان بخشی کر حسن کی نزع میں آ کر شتاب — ورنہ یہ ارمان اس کو لے بتاں ہو جائیگا

آئینہ دیکھ کے حیران جو ہوا آشنا تو — ہم تو تجھے محو ترے تو نے بھلا کیا دیکھا
وہ تو آیا تھا تماشے کو مرے نزع کے بیچ — میں نے اس وقت میں بھی اسکا تماشا دیکھا

پہنچا تھا ہاتھ چوری سے رات اسکے پاؤں تک — پر میرے بخت خفتہ نے اس کو جگا دیا
کوچہ میں اپنے دیکھ مجھے بول اٹھا وہ شوخ — میرا گھر اس دوانہ کو کس نے بتا دیا
بخشی حسن یہ لذت غم اس کی یاد نے — راحت کا جو مزا تھا سو ہم نے بھلا دیا

اشک اس کو نہیں سمجھتے ہم — جس میں لخت جگر نہیں آتا

(۱) اس کی بخشی کچھ تاثیر (ن خ)

اُن کی خدمت میں ادب سے میں نے عرض کی دیکھی کرامات مری
میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ نہ دیں بندگی قبلۂ حاجات مری

کیا اک خلق کو اُن ابرؤں نے قتل ہے حسرتؔ کہاں جاتا ہے وہاں تلوار چلتی ہے

صفِ مژگاں سے اس کی جب تب دل جا اٹکتا ہے سمجھتا ہی نہیں ہر چند حسرتؔ سر پٹکتا ہے
وہ کیا تجھ میں نہیں جو دیر و کعبہ میں ہے ہے بتلا تو عبث کیوں لئے دل بیہودہ تو در در بھٹکتا ہے
جلا جاتا ہوں حسرتؔ آتشِ عشقِ نہانی سے بُھنا جاتا ہے دل اور جی سینہ آسا چٹکتا ہے

(۳۳) حسن

خواجہ حسن حسنؔ تخلص ابن خواجہ ابراہیم نبیرۂ حضرت خواجہ کہاری[1] قدس سرہ العزیز از فرزندان خواجہ مودود چشتی درویشی است۔ صوفی مذہب اکثر مسائل صوفیہ ہا را کہ مراد از وحدت وجود باشد بدلائل و براہین چنانکہ شیوہ صوفیان با فضل و کمال است از روئے نص[2] وحدیث باثبات رسانیدہ[3] و در ریختہ موزوں ساختہ و دیوان ضخیم ترتیب دادہ۔ پیش ازیں در بریلی استقامت داشت و بعد ازاں در فیض آباد و حالا در لکھنؤ، نواب وزیر و صاحب عالم بسیار عزت و حرمتش می کند۔ مشورہ بہ شعر در ابتدا بہ میاں جعفر علی حسرتؔ کردہ و نیز بہ قلندر بخش جرأتؔ دوستی داشت۔ از بسکہ با وجود ایں ہمہ بزرگی شوخ طبع و ظریف مزاج و تماشا دوست واقع شدہ سرے بہ نسواں ہم دارد و قدم در راہ طلسم و شعبدہ بازی نیز می گذارد۔ و در مقطع ہر غزل آ در ون نقطۂ تخلص را کہ نامِ محبوبۂ اوست سکون بخشی میداند فرق تخلص میر حسن و ایں بزرگ بر ہوشمنداں[4] از وضع کلامش پیدا است۔ از وست۔

---

(۱) کماری (ن خ) (۲) فقہ و حدیث (ن خ) (۳) نسخہ خ میں واو نہیں ہے۔ (۴) دانشمنداں (ن ح)

کوئی دم کی بات ہے کہ نہ تھا بے قرار دل — کیا آفت اس پہ آ گئی ناگاہ کیا ہوا

حسرت کا حال پوچھے اگر یار اے صبا — کہیو کہ درد ہجر سے رو رو کے مر گیا

بیاں کیا کیجے اُس سرو رواں کے قد و قامت کا — بلا ہے آفت جاں ہے نمونہ ہے قیامت کا
ہوا گل پانی پانی دیکھ لے رنگ چمن تجھکو — نہیں شبنم عرق ہے گل کے چہرے پہ ندامت کا
ترے لب کے ہلانے میں جو پیارے جی نہ اٹھتا میں — نہ ہوتا معتقد ہرگز مسیحا کی کرامت کا

باد خزاں تو باؤ ہے یا تیغ آبدار — گلشن کا ہر شجر ترے آتے ہی چھٹ گیا

خدا حافظ ہے کیوں محفل میں اس کا نام آیا تھا — تڑپنے سے ابھی دل کو مرے آرام آیا تھا
فلک اک دم بھی تو نے وصل کی شب کو نہ ٹھہرایا — یہ ساری عمر میں تجھ تک ہمارا کام آیا تھا
بہاریں بھول گئیں پر یاد ہے اتنا کہ گلشن میں — گریباں چاک کرنے کا بھی(۱) اک ہنگام آیا تھا
نہیں معلوم کیا تھا جو سحر تک شمع رو دیا کی — کچھ اپنا حال پروانہ سنانے شام آیا تھا
ہوا لبریز جام زندگی جس وقت اے حسرت — دریغ اس وقت میں ساقی پلانے جام آیا تھا

حسرت نے تیرے ہجر میں رو رو کے جان دی — بے رحم اس کے مرنے کا تجھ کو بھی غم ہوا

تجھ بن ہے اس طرح سے مرے دل کو اضطراب — ہوتا ہے جس طرح کسی بسمل کو اضطراب
دل دیکھتے ہی خنجر مژگاں سے بھڑ گیا — ہوتا ہے سخت جنگ میں جاہل کو اضطراب

---

(۱) یہی بجائے "بھی اک" (ن ح)

یہ ظرف تیری کرم بخشی سے ہے صاحب — حسن نبیرۂ خواجہ کہار(۱) سے پایا

(۴) حسرت

جعفر علی حسرت خلف الصدق ابوالخیر عطار کہ دوکانِ عطاری در لکھنؤ متصل اکبری دروازہ چیدہ جوانِ خوش خلق و حلیم و سلیم و اقع شدہ۔ از مدت بسیار مشقِ سخن می کند شاگردان بسیار بہم رسانیدہ۔ فقیر او را در مشاعرہ ہائے لکھنؤ دیدہ تا ایں مدت معاش بہ پیشۂ شاعری بسر بردہ آخر آخر چندے(۲) در سرکارِ صاحب عالم مرزا جہاندار شاہ ہم عز و امتیاز داشت چوں پدرش جہانِ فانی را پدرود کرد نوکری صاحب عالم گذاشتہ خود بجائے پدر دوکان نشیں گردیدہ بود کہ یک ناگاہ بہ ایمائے بزرگے خرقۂ درویشی پوشیدہ و ترکِ لباسِ دنیائی کردہ کنجِ عزلت اختیار نمود۔ شعرائے ایں دیار را او را از اول بہ استادی قبول کردہ اند۔ در قصیدہ و غزل(۳) ید طولیٰ دارد و خود مشورۂ شعر بہ رائے سرب سکھ دیوانہ کردہ، چوں الحال ستائش مقتضئی اقرار نمی شود قدری منحرف است۔ چندیں شعر ازو نوشتہ شدہ۔

زخمی بے شمار ہے تیغِ جفائے یار کا — کس سے کہوں میں جا کے آہ حال دلِ فگار کا
گر ادھر(۴) آئیے تو ایک صیدِ ضعیف یاں بھی ہے — ہم نے سنا ہے تم کو ہے شوق بہت شکار کا
یار سے دور یوں ہمیں پھینک دیا ہے کس غضب — ہم نے کیا تھا کیا گناہ گردشِ روزگار کا
روتے ہی اسکو گذرے ہے ہجر میں تیری رات دن(۵) — حال(۶) میں کیا کروں بیاں حسرتِ بیقرار کا

کس کی نگہ کا تیر لگا آہ کیا ہوا — تڑپے ہے دل مرا اے اللہ کیا ہوا

(۱) کہار (ن خ) کمار (ن ر) (۲) "چندے" ندارد (ن ح) (۳) غزل وغیرہ (ن خ)
(۴) گر ادھر آئے تو لو ایک الخ (ن ح) (۵) روز و شب (ن ح) (۶) حال بیاں میں کیا کروں (ن خ)

حجام پڑا سخت حیا ناک کے پالے
کچھ اور تو کیا بات کہ وہ منہ سے بکالے
لگ چلتا ہوں اس شوخ سے رستہ میں تو مجکو
جھنجلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور رجا لے

دیکھ عاشق کی ترے رسوائیاں
عشق کی یاروں نے قسمیں کھائیاں

(۶) حزیں

از ناممش خبر ندارم از دو دیہ فردوس آرامگاہ کسی خواہد بود سہ شعرش از عالم کتیب لیثی بیاد ماندہ است

اس بیوفا کے عشق میں کچھ ہم کو حس نہیں
پاؤں تلک بھی اُس کے ہمیں دسترس نہیں
ویراں ہوا خزاں سے چمن یہاں تلک کہ ہم
چاہیں کہ چل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
اس فصل گل میں کیوں نہ گریباں کو کیجے چاک
جاتی ہے لوں بہار حزیں ہائے بس نہیں

(۷) حیرت

میرمراد علی حیرت، وطنش مراد آباد است فقیر او را در آوان آباد ہی کیٹھر رو دیے در آنولہ دیدہ بود۔ شعر را بہ پاکیزگی می گفت در ہماں ایام شنیدم کہ بطرف کوہ رہے کارسے حسب ایمائے رئیسے رفتہ بود کہ آفتاب زندگیش در ہماں کوہ رو بغروب نہادہ از دست۔

نظر آیا یہ جہاں نقش بر آب آخر کار
تاج سر پر سے گرا مثل حباب آخر کار
سادہ رویوں کی دلا ہر دو فا پر مت بھول
منہ یہ دیویں گے تجھے صاف جواب آخر کار

مجھ کے دیکھا تو بیجا ہے سب گلا دل کا
کہ چشم تر نے ڈبویا معاملہ دل کا

حیاتِ آں بزرگ اکثر بہ اصلاحِ خطِ مبارک وبستن خضاب درتعطیلین یعنی روزِ سہ شنبہ وجمعہ حاضر می شد دارن زماں کہ ایں سعادتِ عظمیٰ از صحبتِ کیمیا خاصیتِ ایشاں حاصل کردہ بود قامتِ حالِ خود را بلباسِ مشائخانہ یعنی پیراہن وتاج آراستہ دارد وہم ازیں جہت درمحلہ شاہجی گفتہ می شود و در مجلسِ سماع ہمیشہ در وجد وحال شریکِ یاران است و یکے از نظر کردہ ہائے آں وحیدِ زمان است با فقیر از مدتے آشنائی داشت وبسیار بعجز پیش می آمد۔ عمرش تخمیناً از سی وپنج متجاوز باشد[1]۔ شش سال شدہ کہ در شاہجہاں آباد درگذشتہ از وست۔ طرحِ مشاعرہ فقیر در دہلی۔

ہر دم نظر آتے ہیں نئے یار تمھارے　　ہم جی سے چلے گر ہیں یہی اطوار تمھارے
اک روز نصیبوں سے کہیں وہاں تلک پہنچوں　　پھر سر ہے مرا اور در و دیوار تمھارے
ہے دل میں کہ اک روز ان آنکھوں سے یہ پوچھوں　　بیچتے نہیں کس واسطے بیمار تمھارے
اس شوخ کے کوچہ میں نہ جایا کرو حجام　　چھن جائیں گے اک دن کہیں ہتھیار تمھارے

فلک کے جور کے مارے ہوؤں سے یہ کوئی پوچھے　　کہ ہو زیر زمیں بھی دکھ میں یا آرام کرتے ہو
رقیبوں پر میاں پڑتا ہے تب سو سو گھڑے پانی　　بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو

روز رخسار کے لیتا ہے مزے خوبوں کے　　بہتر اس سے کوئی حجام ہنر کیا ہوگا

اب تو حجام شیخ کی داڑھی　　تا بہ موئے زہار گذری ہے

بسانِ ناقۂ لیلیٰ کے اک دو گام غلط　　خدا کرے کہ ادھر بھی ترا سمند کرے

---

(۱) بود در نسخ

اند۔ بر دو سہ ورق بطریق فہرست بر پشتِ سرلوح دیوانِ خود نوشتہ چسپانیدہ تا معلوم کسان گردد کہ حاتم ایں قدر شاگرد داشت و در آنجملہ اسم مرزا رفیع سودا ہم کہ باتفاق ہمہ یکے از سرآمدِ شعرائے ہندی گویانِ ایں دیار گزشتہ مسطور است والحق کہ دروغ نیست۔ قیاس استادیش ازینجا باید کرد و نیز نیابراں میر محمد تقی میر کہ شاعرے است جادو کار اکثر اورا در مشاعرہ بطریق ظرافت واہ الشعرا می گفت۔ چوں دو چار جزو مسودۂ شعر فارسی ہم بطور صائب داشت لہٰذا بیشتر ازیں در تذکرۂ فارسی احوال او معہ تاریخ رحلتش صورت تحریر یافتہ عمرش قریب بہ صد رسیدہ بود و سہ سال است کہ در شاہجہاں آباد ودیعت حیات سپردہ خدایش بیا مرزاد۔ از وست۔

مضمونِ خط کو دیکھ ترے ہم بہت ڈرے ‏ ‏ ‏ جتنے مسودے تھے رہے طاق پر دھرے
پیری میں حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر ‏ ‏ ‏ سوکھے درخت بھی کہیں ہوتے ہیں پھر ہرے

رات میں خواب میں اُس زلف کو پیچاں دیکھا ‏ ‏ ‏ صبحدم حال دل اپنے کا(۱) پریشاں دیکھا
نظر آئے ترے دنداں مسّی آلودہ ‏ ‏ ‏ رات اور دن کو بہم دست و گریباں دیکھا
کعبہ و دیر میں حاتم بخدا غیرِ خدا ‏ ‏ ‏ کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا

تو صبحدم نہ نہالیے حجاب دریا میں ‏ ‏ ‏ پڑے گا شور کہ ہے آفتاب دریا میں

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں ‏ ‏ ‏ دور رہ پہلو سے صحبت کے مری قابل نہیں
عکس سے ہے خونِ عاشق کے فلک اوپر شفق ‏ ‏ ‏ یہ تماشا ہے کہ رنگیں دامن قاتل نہیں
کس کو ٹانکے دیجیے اور کس کا مرہم کیجیے ‏ ‏ ‏ کون ہے جو تیغ کا تیری میاں گھائل نہیں

---

(۱) کو (لن نخ)

یہ اشک و آہ ہیں شورِ جنوں ہے وحشت ہے　　عجب جلوس سے جاتا ہے قافلہ دل کا

یہ قافلے یاروں کے آگے کہیں ٹھیرے ہیں　　آواز جرس کم ہے یا کچھ ہمیں بہرے ہیں

(۸) حاتم

شیخ ظہور الدین حاتم کہ شاہ حاتم گفتہ می شد، مولدش شاہجہان آباد است۔ تاریخ تولدش بقولے از حرف ظہور می آید۔ ہمیشہ عمدہ معاش بودہ و اوقات[1] بخوبی گزرانیدہ مرد سپاہی پیشہ از ہندوستان زایان قدیم بود۔ روزے پیش[2] فقیر نقل می کرد کہ درسن دوم فردوس آرامگاہ دیوان ولی در شاہجہان آباد آمدہ و اشعارش بر زبان خرد و بزرگ جاری گشتہ با دو سہ کس کہ ما از ناجی و مضمون و آبرو باشد بنائے شعر ہندی را بہ ایہام گوئی نہادہ داد معنی یابی و تلاش مضمون تازہ می دادیم۔ غرضکہ از شعرائے متقدمین است۔ درایامیکہ فقیر در شاہجہان آباد طرح مشاعرہ انداختہ آخر بعد مغرب در مشاعرہ قدم رنجہ می فرمود و در مجلس نشستہ زمانہ سابق خود را می ستود۔ الحال کہ در دورۂ ما زبان ریختہ بسیار بہ پاکیزگی و عمدگی رسیدہ مشارٌ الیہ ہم مرتبۂ[3] سخن تازہ گویان فہمیدہ دیوانِ قدیم خود را از طاق دل افگندہ دیوانِ جدید بزبان ریختہ گویان حال ترتیب دادہ و دیوان زادہ نامش گزاشتہ اما بسبب طوالت عمر بعض مردم و در دست راکہ اشتباہ حاتم دیدیم می افتاد برطرف کرد و بحور[4] اشعار را ہم جدا جدا از سرخی بر سر ہر غزل نوشتہ و ایں ایجادِ اوست۔ و از ینکہ در درازی عمر و قدامت شعراز ہمہ بیشتر است۔ نعمہ سنجانِ حال وضیع و شریف اورا استاد مسلم الثبوت میدانند بلکہ او خود را سامی کسانیکہ از اول تا آخر استفادہ شعر ازو گرفتہ

---

(۱) اوقات را (ن خ) - (۲) فقیر آمدہ (ن خ) - (۳) وتیرہ (ن خ) (۴) بحر (ن خ)

گو آپ نہ آئیے ولیکن — اقرار تو کیجے زباں سے
کافی ہے ترا ہی دید[1] ہم کو — کیا کام بہار[2] و بوستاں سے
ہے دورِ شراب بسکہ ساقی — ڈرتا ہوں میں دورِ آسماں سے
اے راہرو مری زبانی — کہنا یہ پیام کارواں سے
رستے میں تھکا ہوا پڑا ہے — اک شخص تمہارے ہمرہاں سے
کیا پوچھے ہے حیف کی حقیقت — ناشاد گیا وہ اس جہاں سے

وہ مہر جہاں تاب اگر بام پہ آوے — تابندگی تیرا عظم نظر آوے
کہتا ہے اسے بال کوئی کوئی رگِ گل — کچھ میں بھی کہوں تیری کمر جو نظر آوے
ہے اپنے تو نزدیک وفا خوب[3] ولیکن — ہو خوب جو تیری بھی طبیعت ادھر آوے

(۱۱) حضور

لالہ بال مکند حضورؔ تخلص شخص کہنہ مشق است۔ ہمیشہ در مشاعرہ ہائے شاہجہان آباد حاضر می شد۔ حلقہ شاگردیِ خواجہ میر درد بگردن دارد و فقیر اور ایک دو بار در لکھنؤ ہم دیدہ نقل است کہ روزے در شاہجہان آباد بخانہ لطف علی خاں ناطق مشاعرہ بود غزل طرحی میر صاحب کہ ردیفش بعد قافیہ حرف اور معنی ظرف تقرر داشت۔ و ازیں جہت بعضی از فصحا اور را خلافِ اردو شمردہ پیروش نکردند[4] و اکثرے اطاعت استادیش کردہ اشہب فکر را در میدان خیال دوانیدہ۔ مشارٌ الیہ کارے کردہ کہ پیش ہر دو گروہ حقیقت عقلش عاید حال نگشتہ یعنی درآں غزل طرحی شعرے طرفہ خواندہ وآں اینست

رکھتا ہوں میر صاحب و قبلہ سے میں[5] شند — یہ جانتا نہیں کہ زباں ہے کہاں کی اور

---

(۱) مجھ کو (ل ح) (۲) واو ندارد (ل ح) (۳) لطف (ل ح) (۴) نہ کردہ لود بدال ح (۵) یہ سند (ل ح)

خوش حال اُن کا جن کو ہوئی رخصت چمن | ہم جھانک جھانک رخنۂ دیوار رہ گئے

تم تو بیٹھے ہوئے پہ آفت ہو | اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو
دل تو چاہِ زنخ میں ڈوب موا | آشنا تھا غریق رحمت ہو
مفلسی اور دماغ اے حاتم | کیا قیامت کرے جو دولت ہو

مجھے تو دیکھ کر کیا تک رہا ہے | ترے ہاتھوں کلیجہ پک رہا ہے
خدا کے واسطے اس سے نہ بولو | نشہ کی لہر میں کچھ بک رہا ہے

(۹) حشمت

محتشم علی خاں حشمت پسر سر باقی اصلش از شاہجہاں آباد است شعر فارسی را بیار بہ لطافت می گفت و گاہ گاہے خیالِ ریختہ ہم داشت۔ ایں مطلع دلیل بر لطافتِ طبع او ست

نگہت گل نے جگایا کسے زنداں کے بیچ | پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

گور کے سوتے دوانوں کو جگاتی ہے بہار | شور ہے غل ہے قیامت ست آتی ہے بہار
حشمت اپنا درد دکھ تو اس برس ظاہر سو کہہ | ہم سنے کی ہے تو یہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار

(۱۰) حیف

میر چراغ علی حیف شاگرد میر شیر علی افسوس، جوان خوش خلق و با تواضع است ایں چند اشعار از وست۔

ملنے بھی نہ پائے اُس جواں سے | حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے

واشد سی جو گویائی پہ وہ غنچہ دہن تھا — گل جھڑتے تھے ہر بات میں یہ لطف سخن تھا
پامال جو تم کرتے ہو دل ایسی روش سے — اے سرو قداں آگے بھی کیا یوہیں(۱) چلن تھا
خوابیدگی طالع کہوں کیا کہ شب وصل — میں قصہ دل کہتا تھا وہ نیند میں غن تھا
کیونکر نہ جلے حال پہ دلی کے دل اپنا — یارو یہ خرابہ کبھی اپنا بھی وطن تھا

گرفتار(۲) اس کے ہر مو میں دل گبر و مسلماں ہے — یہ کھلایا ہوا سنبل ہے یا زلف پریشاں ہے

آنکھوں سے لخت دل یوں آنسو نکالدے ہے — مرغے کو جس طرح سے پانی اچھالدے ہے

تیرے لئے خلق در بدر ہے — اے خانہ خراب تو کدھر ہے
یہ کیونکہ کہوں کہ آئیے یہاں — تشریف جو لائیے تو گھر ہے
جو اس کے ستم اٹھائے ہے تو — تیرا ہی حکیم یہ جگر ہے

نہ ہم ہی غم سے جل اس شعلہ رو کے خاک ہوئے — اجل رسیدہ ہزاروں یوں ہی ہلاک ہوئے
ہے رشک دستہ گل کیوں یہ آستیں تیری — سرشک خون تپا کس کے اس سے پاک ہوئے
بہت دنوں میں ملاقات ہوئی جو اس سے حکیم — سنیں تو ہم بھی کہ کیا کیا بہم تپاک ہوئے

جمعیت عالم ہے سینے میں بندھی جس کے — آفت ہو اگر یارو وہ زلف پریشاں ہو
کہتے ہیں حکیم آیا میخانہ سے مسجد میں — ہم کو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو

---

(۱) "ہی" بجائے یوہیں (ن خ) (۲) ن خ میں یہ شعر فاصل ہے۔

وفا کو تم جفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے
اُدھر کچھ دل میں تم سمجھے ادھر کچھ دل میں ہم سمجھے

چلے ہو تم جواب اُس بت سے ساز کرنے کو
حضور پاس بھی کچھ ہے نیاز کرنے کو

(۱۲) حکیم

محمد پناہ خاں حکیم کہ پیش ازیں نثار تخلص میکرد و حالا از چندے تبدیل تخلص کردہ بجائے نثار حکیم قرار دادہ ولد سید محمد شریف خاں لک بخش بقولش سید صحیح النسب است از حضرت ظل سبحانی در سنہ ستہ بخطاب خانی و منصب ہزاری سرفراز شدہ۔ جوان خوش خلق و خوش اختلاط و عاشق پیشہ و دل بدر در رسیدہ و یدمش تاکہ در شاہجہاں آباد اقامت داشت اکثر در مشاعرہ ہا می آمد۔ بلکہ در سفر لکھنؤ با فقیر ہم سفر و ہم قافلہ بود۔ باز بہ شاہجہاں آباد رفت و باز گردید۔ در علم موسیقی و عمل تکسیر و عبور کتب تواریخ و طب و سیر و دواوین اساتذہ و تذکرہ ہائے سلف یگانہ روزگار است۔ از آنجا کہ بہ شاگردی خواجہ میر درد نسبتی دارد شعر درد مندانہ می گوید و تلاش عاشقانہ می کند۔ از دست۔

یہ دل کیا ہے جو تیرے قربان جاوے
سعادت ہے اپنی اگر جان جاوے
خلل شیخ نے ہم میں آکر کیا ہے
الٰہی یہ مجلس سے شیطان جاوے
حکیم اُس کے کوچہ میں پوشیدہ جانا
مبادا کوئی تجھکو پہچان جاوے

پوچھتے کیا ہو حکیم جگر افگار کا گھر
ایک تکیہ سا ہے اُس شوخ کی دیوار کے پار

یہ کیا ہے آپ بھی شاید کسو کو چاہتے ہیں
کہ اشک نکلیں ہیں آنکھوں سے ہر دم آہیں ہیں

طرفه اینست که خان مذکور پیش ازیں روزی بر مکان فقیر آمده بالحاح تمام مسودهٔ خام تذکره مرا که دریں مدت به هیچ کس ننموده بودم از من طلب نمود۔ من ساده دل غافل از فطرت و بد ذاتی کشمیریان سابقهٔ معرفت شاهجهان آباد آدمیت را کار فرموده اجزائی مسودهٔ تذکرهٔ خود را حواله کردم۔ در عرصه یک دو روز خفیه از من اشعار و احوال شعرائے دہلی وغیره که من به محنت تمام آنهارا بهم رسانیده بودم از دست حقیقت بے حقیقت نقل کنانید و دیگر بیاض و جنگ(1) مرزا جهاندار شاه که بعد فوت ایشان پیش او مانده بود چیزے ازو و چیزے از جائے دیگر اخذ نموده هرگاه مسودهٔ تذکرهٔ بے مغزش که آنرا هیچ دانا نپسندد فی الجمله صورت گرفت روزے یکے از آشنایان جزو اول آں مجموعه آورده پیش من نمود غافل ازیں مقوله که گفته اند۔ شعر۔ پیش آب دادن نشاید به پیش + که بیند در و قطرهٔ خون خویش۔ چوں برو نظر کردم دیدم که همیں تخلص آفتاب و آصف بطور تذکرهٔ من درد(2) و نوشته است۔ بسیار برهم شدم و تفحص احوال کردم۔ مشار الیه حقیقت تذکره نویسانیدن امام بخش خان بگوش من رسانیده اگرچه مرا در بادی النظر از(3) حرکت ایں اصحاب(4) ثلاثه آزردگی کمال بهم رسیده بود(5) قریب بود که هجوا از من سر زند اما چوں بعبارت پوچ و غلطی احوال و اشعار شعرا که در آں جریده سمت تحریر یافته نگاه کردم آسوده شدم و در گذشتم و بر همیں قطعه طبع زاد خود و یک بیت مولانا نظامی اکتفا کردم

قطعه

جانتے ہیں سب کہ اک مدت سے یہاں — مصحفی کے تذکرہ کا شور ہے
تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا — بے حقیقت مصحفی کا چور ہے

---

(1) "حک" نسخه (ل ح) (2) "درد" ندارد (ل ح) (3) "ازیں حرکت" بجائے "از حرکت" (ن خ) (4) "ایں اصحاب ثلثه" یہ عبارت ندارد (ل ح) (5) "بود" ندارد (ن ح)

دے حسین ٹک تو جان کو جوشِ شکست رنگ　　خاطر یہ یہاں گراں ہے خروشِ شکست رنگ

جی ہی جانے کی یہ علامت ہے　　دل کا لگنا نہیں قیامت ہے
ہم تو کیونکر کہیں کہ بوسہ دو　　گر عنایت کرو کرامت ہے
دورمت کیجیے حکیم کے تئیں　　اس کو مشفق بڑی قدامت ہے

ملک عدم کے یاروں کا احوال نہ کچھ دریافت ہوا
پوچھی خبر کہلا بھی بھیجا سینکڑوں آتے جاتوں سے

(۱۳) حقیقت

میر شاہ حسین المتخلص بہ حقیقت شاگرد جرأت وطن اجدادش بلخ و خوست است وخود در بریلی تولد یافتہ و بہ لکھنؤ بہ سن تمیز رسیدہ۔ یکے از اجدادش بہ تعلیم کودکان نواب محبت خاں اشتغال دارد، غرضکہ ملازادہ و خوستی بچہ است پیش ازیں در ترک سواران نوکر بود و دراں روزہائے امردی و نومشقی اکثر بہ کتابتہائے غزلہائے اُستادِ خویش کہ بہ سبب کوری از نوشتن معذور است مصروف می ماند۔ چوں رسالۂ ایشاں برہم خوردا مام بخش خاں کشمیری کہ باوصف جاہلی از مدتے خیال جمع کردن اشعار اساتذہ درسر داشت روزے از جرات درخواست شخصے کرد کہ ہم بہ تعلیم کودکان متوجہ شود وہم بہ نوشتن تذکرہ مصروف باشد۔ مشارٌ الیہ او را آوردہ روبرو کرد و منت برطرفین گذاشت غرضکہ حسب الاشارہ مومی الیہ و بہ پشت گرمی کور موصلی کہ بہسری من می پیرد و در باطن ہمیشہ تخم کینہ می کارد او ہم تذکرہ نوشتہ درست ساختہ است[1] اما

(۱) "است" ندارد (ن ح)

تیغ قاتل سے رہے محروم بے تقصیر ہم   روز محشر کے اٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے   مجھے دادخواہی کی طاقت کہاں ہے
نشانہ اُس پہ نہ کیجیو جیسا ہم   تار اُس زلف کا رگِ جاں سا ہے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی   اس خانماخراب کو چپکا[1] خدا کرے

(۲) خلق

میر احسن تخلص خلق خلف میر حسن صاحب، جوانے است خوش ظاہر و باعلم و حیا بمقتضائے موزونی طبع گاہ گاہے رو بتی است کم کم خیال شعری کند و از نظر پدر بزرگوار خود میگذراند۔ عمرش تا امروز نوزدہ سالہ است۔ از وست۔

دل میں تھا آتے ہی اُسکے جائیں لگ آغوش ہم   جب وہ آیا سامنے تب رہ گئے خاموش ہم

عجب عالم میں بے ہوشی کے وہ مجھکو نظر آیا   کہ اتنا بھی نہ
گلی میں اس کی میں کس کس توقع پر گیا لیکن   نہ دیکھا جائے

دل لگاتے تو لگایا یہ نہ تھا کچھ معلوم   جی یہ
بے قراری میں کٹی رات تو یہاں اپنی تیئں   چین

اک بار اس کے کوچہ میں جانا ضرور ہے   یہ حال

(۱) چپکا (ن خ)

اگر بر فروزی چو مہ صد چراغ　　ز خورشید باشد بروں نامِ داغ

غرضکہ بجائے علی قلی خاں خالی است از وست۔

کس کے ہیں انتظار میں آنکھیں　　جو کھلی ہیں قرار میں آنکھیں
نہ خفا ہو جو تک رہوں پیارے　　کہ نہیں اختیار میں آنکھیں

کیا ترے عشق میں لے عربدہ جو ہاتھ لگا　　زیست سے ہاتھ بھی دھویا پہ نہ تو ہاتھ لگا

ہجر میں کیوں نہ کروں یاد ملاقات اسکی　　کہ بہلتا ہے ذرا وصل کی تقریر سے دل
سخت اس کا ہو تعجب کہ حقیقت اُس کا　　رم ہو جائے مری آہ کی تاثیر سے دل

غم عشق دل کو جلائے گیا　　اک آتش سی تن میں لگائے گیا
حقیقت وہ کھینچے جدھر تیغ تھا　　اُدھر میں بھی سر کو جھکائے گیا

حرف الخا

(۱) خاکسار

میر محمد یار خاکسار تخلص کہ الحال بہ شاہ خاکسار شہرت دارد درویشی است قلندر وضع و آزاد منش در شاہجہاں آباد متصل قدم شریف در چوراہہ می باشد فقیر اور ا گاہ گاہے از دور دیدہ۔ عالی دماغی از بشرہ او جلوہ ظہور میدہد۔ از ہندی گویان قدیم است۔ گویند کہ میر تقی میر در عالم شباب منظور نظر او بودہ۔ چوں زبان خوشی دارد چند اشعارش از تذکرہ میر حسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نوشتہ شد۔ از وست۔

فرصت خواہد داد خوب خواہد گفت - از وست - (اشعار ایام خوردی - ر)

جس گھڑی تم کو نہیں پاتے ہیں ہم — جی ہی جی میں اپنے گھبراتے ہیں ہم
سر جھکا لیتا ہے لالہ شرم سے — جب جگر کا داغ دکھلاتے ہیں ہم

اشک جو چشم خوں فشاں سے گرا — تھا ستارا کہ آسماں سے گرا
آتش گل پہ جل کباب ہوا — رات بلبل جو آشیاں سے گرا
شیشۂ دل تو[1] چور ہو جاتا — کوئی پتھر نہ آسماں سے گرا
میں نے آنکھوں سے لے لیا اس کو — پھول جو دست باغباں سے گرا
ہنس دیا یار نے جو رات خلیق — کھا کے ٹھوکر اس آستاں سے گرا

کہا جو میں نے اسے گل کچھ وفا کر — تو وہ ہیں ہنس پڑا وہ کھل کھلا کر

نزع میں گر مری بالیں پہ تو آیا ہوتا — اس طرح اشک ہیں آنکھوں میں نہ لایا ہوتا
میرے خورشید نہ ہوتا یہ مرا روز سیاہ — تو نے گر زلف میں مکھڑا نہ چھپایا ہوتا
باغ جنت میں بھی کیا خوب گذرتی میری — وہاں بھی سر پہ جو تری زلف کا سایا ہوتا
ناصحا چاک گریباں کے سلانے کا حصول — چاک آنکھوں کا مری تو نے سلایا ہوتا
پھول پڑتا نہ خلیق آتش گل سے اس پر — آشیاں ہم نے ٹک اونچا جو بنایا ہوتا

گر برا مانے نہ تو کہہ دوں کہ کیا تجھ میں نہیں — اور سب باتیں ہیں لیکن اک وفا تجھ میں نہیں
بے مروت ہو تو کیا جانے تو ظالم کیا کرے — اس مروت پر تو پاس آشنا تجھ میں نہیں

---

(۱) جو (ن خ)

مدت سے تیرے طالب دیدار ہیں صنم | مکھڑے سے ٹک نقاب اٹھا ناصر و رہیر

وہ ہلال ابرو نکل کر بام سے جاتا رہا | اک[1] جھلک دکھلا کے مجھکو شام سی جاتا رہا
گل کے آنے کی خبر بھی اب صبا لاتی نہیں | موسم گل شاید اس ایام سے جاتا رہا

مزا ہو وے ابھی گر دہ ادھر ادھر سے آ نکلے | کچھ ادھر سے گلا نکلے کچھ ادھر سے گلا نکلے
نہ وہ آتا ہی میرے ہاں نہ میں جا سکتا ہوں اس تک | دل ناشاد کی حسرت کہو کیونکر بھلا نکلے

رباعی

آئے ہیں عدم سے چپکے رہتے ہیں پڑے | دو دن کی یہ زیست ہے سو کھوتے ہیں پڑے
اے خلیق خوش احوال انھوں کا جو وہ | آرام سے زیر خاک سوتے ہیں پڑے

خلیق (۳)

میر حسن خلیق برادر خورد میر احسن نیز از شانزدہ سالگی شوق شعر پیدا کردہ چیزے بخیال خویش موزوں می کرد و درست و نادرستش را والد بزرگوارش برائے پاس خاطر بسر ورت کردہ میداد اما آنہم در عالم خوردی زیادہ از ذہنش معلوم می شد چوں در آں ایام فقیر تازہ وارد ایں شہر بود مشارٌ الیہ بعد ملاقات چند بسیار مخطوط شدہ[2] برائے از دیاد بنائے خلت دو داد آں عزیز را پیش من فرستاد د و آموختہ کرد کہ ایشاں دریں فن نظیر ندارند[3] اکنوں کہ فرصت وقت است تا میتوانی چیزے از ایشاں بیاموز۔ مومی الیہ اتقیاد امر والد ماجد را واجب شمردہ برہنمونی شوق روز افزوں اکثر حاضر می باشد و مشورۂ شعر ازمن میگرفت۔ بندہ مناسب طبعش شعر دریافتہ درہماں ایام گفتہ بودم کہ اگر زما نہ

---

(۱) یک (ل ح) (۲) بعد شدہ "لفظ" بود" (ل ح) (۳) بے نظیر اند و نظیر ندارند (ل ح)

برائے زیارت ایشاں آمدہ بودند بعد نشستن در مجلس عذرِ درد میان آوردہ اندکی پا را دراز ساختند۔ مشارٌ الیہ از مشاہدۂ ایں حالت منغض شدہ ایں قاعدہ را خلافِ معمول دانستہ خود ہم بطرف بادشاہ پا دراز ساخت۔ علم الکتاب از تصنیفِ او بر صفحۂ روزگار یادگار است۔ و شعر ہندیش از بس شہرت تمام مشہور ہر دیار، اگرچہ شعر فارسی ہم دارد۔ فقیر تا کہ در شاہجہاں آباد بود بعد سالی و ماہی پیش آں بزرگ بے غرضانہ می رفت۔ یک سال است کہ در دہ مہجوریش شفا یافتہ و بہ شافی علی الاطلاق واصل گشتہ۔ از کلام اوست۔

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام رہوں ہوں سیاہ پوش
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

اے دردؔ جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

جاؤں میں کدھر جوں گلِ بازی مجھے گردِ دل
جانے نہیں دیتا ہے ادھر سے نہ ادھر سے

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلا کرتا نہیں
دل میں ہے جو دو ہی دعا پر جی کہا کرتا نہیں

عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
دردؔ مرتا ہے کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

کہیں ہوا ہے سوال و جواب آنکھوں میں
یہ بے سبب نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

نزع میں ہوں پہ وہی نالہ کئے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لئے جاتا ہوں

کل جو جا بیٹھا میں اسکے پاس اٹھکر اے خلیق ‏ ‏ ‏ رُک کے بولا آدمیت اک ذرا تجھ میں نہیں

کمر باندھی ہے ہر فندق نے تیری دلربائی پر ‏ ‏ ‏ تصدق جان میری اس تری دستِ حنائی پر

حرف الدّال

---

(۱) درد

خواجه میر درد تخلص خلف الرشید شاه محمد ناصر مصنفِ کتاب نالهٔ عندلیب در عهد فردوس آرامگاه سپاهی پیشه بود۔ آخر آخر ترک روزگار کرده بر سجادهٔ درویشی نشسته در علم و فضل یگانهٔ روزگار است۔ گاهے در تمام عمر از شاهجهان آباد با وجود چندیں تفرقه که عالمے را ازاں دیار مثلِ نیو نشاں آوارهٔ اطراف و جوانب ساخته پائے بیروں نه گزاشته۔ چوں در علم موسیقی هم مهارت تام داشت اکثر از استادانِ ایں فن بوسیلهٔ بیعت حاضرِ مجلس او می گشتند۔ اگرچه سلسلهٔ آں بزرگ نقشبندیه است اما وارداتِ درد که نسخهٔ الیست مختصر از تصنیف او برائے هدایت مریدانِ خویش حرمتِ غنا را بطوریکه هست گزاشته با وجود(۱) که گاه گاهے مرتکب ایں امر می شد گناهِ آں بر ذمه خود گرفته طلب آمرزش از ایزد بیهمال سته۔ تا مرغ روحش زمزمه سنج باغ هستی بود در هر ماه بتاریخ دوم بر مزار پدر خود غنا ترتیب میداد۔ آں روز همه خورد و بزرگ شهر حاضرِ مجلس او می شدند مغنیان بین نوازان بے کاسه مست دادِ قانون نوازی و نغمه پردازی میدادند بعد سه پاس روز(۲) مجلس برخاست می شد۔ غرضیکه جامع جمیع فنون غریبه بود و در فقر و توکل و استغنا نظیر نه داشت۔ شمهٔ بیان بے پروائیش اینکه روزے حضرت ظل سبحانی

---

(۱) و خود که (ل ح) (۲) بعد " روز " " در رفته " (ل ح)

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا — برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
اذیت مصیبت ملامت بلائیں — ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجھکو داغوں نے سرو چراغاں — کبھی آکے تو نے تماشا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے — ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا — عاشق پھر جی کے کیا کرے گا
کہتے ہیں یہ تیرے ڈھنگ ظالم — دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

لیتا نہیں کبود کی اپنے عناں ہنوز — پھرتا ہے کس تلاش میں لے آسماں ہنوز
ہے بعد مرگ بھی یہی آہ و فغاں ہنوز — لگتی نہیں ہے تالو سے میری زباں ہنوز
سو سو طرح کی ہجر میں ہوتی ہے جاں کنی — مرتا نہیں ہوں تو بھی تو میں سخت جاں ہنوز

کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں — جان سے اپنی جو کوئی کہ گذر جاتے ہیں
موت کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہے — مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز — لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں مٹنے کا دل عالم سے — درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

ربط ہے نازِ بتاں کو تو مری جان کے ساتھ — جی ہے وابستہ مرا ان کی ہر اک آن کے ساتھ
اپنے ہاتھوں کے بھی میں زور کا دیوانہ ہوں — رات دن کشتی ہی رہتی ہے گریبان کے ساتھ
درد ہر چند میں ظاہر میں تو ہوں مور ضعیف — زور نسبت ہے ولے مجھکو سلیمان کے ساتھ

کچھ کام نہیں وہ بتِ خودکام کہیں ہو　　پر اس دلِ بے تاب کو آرام کہیں ہو

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں ہوں ستمدیدہ　　گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ
اے شورِ قیامت رہ اودھر ہی میں کہتا ہوں　　چونکے ہے ابھی یہاں سے کوئی دلِ شوریدہ
اوروں سے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں　　ادھر کو نگہ کوئی پھینکو ہو تو دزدیدہ
مجھ پر بھی یہ عقدہ ٹک تو کھول صبا بارے　　زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ
بدخواہ سبھی عالم گو ہو دیں تو ہوں لیکن　　یارب نہ کسی کے ہوں دشمن دل و دیدہ
کرتا ہے جگہ دل میں جوں ابروئے پیوستہ　　اے درد ترا تو یہ ہر مصرعۂ چسپیدہ

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یہاں مجھے　　اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں　　گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے
کچھ اور کنجِ غم کے سوا سوجھتا نہیں　　آتا ہے یاد جب کہ وہ کنجِ دہاں مجھے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشمِ شرر سے　　آتی ہے نظر پھر وہی غائب ہو نظر سے
اے ہموطنان آپکے یہ غربت زدہ کیوں ہیں　　پھرنے کا نہیں عمر کی مانند سفر سے

گر باغ میں خنداں وہ مرا لب شکر آوے　　گل سامنے داماں سے منہ ڈھانپ کر آوے
قاصد سے کہو پھر خبر اودھر ہی کو لیجاوے　　یہاں بے خبری آگئی جبتک خبر آوے
کہتے ہیں کہ یکدست تری تیغ چلی ہے　　تب جانئے جب یک دو قدم چل ادھر آوے

کبھی خوش بھی کیا ہے دل کسی رندِ شرابی کا　　بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

ایک تو ہوں شکستہ دل تِس پہ یہ جور اور جفا   سختیِ عشق واہ واہ، جی نہ ہوا ستم ہوا

اس کو سکھلائی یہ جفا تو نے   کیا کیا اے مری وفا تو نے
بیکسی کو عبث کیا بے کس   قتل کر مجھ کو کیا کیا تو نے
درد کوئی بلا ہے شوخ مزاج   اُس کو چھیڑا بُرا کیا تو نے

فرصتِ زندگی بہت کم ہے   مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو   تیری خاطر ہمیں مقدم ہے
درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم   وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

نہیں کچھ محتسب سے جان کا مجھ کو تو اندیشہ   کہیں ایسا نہ ہووے ہاتھ سے وہ چھین لے شیشہ

جگر پہ داغ نے میرے یہ گل فشانی کی   کہ اُس نے آپ تماشے کو مہربانی کی

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے   زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے
تمنا تری ہے اگر ہے تمنا   تری آرزو ہے اگر آرزو ہے
کیا سیر سب ہم نے گلزارِ دنیا   گُلِ دوستی کی عجب رنگ و بو ہے
نظر میرے دل کی پڑی درد کس پہ   جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے

صورتیں کیا کیا ملیں ہیں خاک میں   ہے دفینہ حسن کا زیرِ زمیں

---

(۱) میں دل (خ)

ہر دم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں　　ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

اگر میں نکتہ رسی سے ترا دہاں پاؤں　　کمر کو چاہوں تو اُسکے تئیں کہاں پاؤں
یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پروانہ　　کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

جی میں ہے سیر عدم کیجیے گا　　یک بیک خلق سے رم کیجیے گا
مورد قہر تو یہاں ہم ہی ہیں　　اور کس پر یہ کرم کیجیے گا
سخت بیباک ہے یہ خامۂ شوق　　اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا　　میں چاہوں غیر کو سو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
وحشت عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم　　کنج جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر　　میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا　　بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

رسوائیاں اٹھائیں جور و عتاب دیکھا　　عاشق تو ہم ہوئے پر کیا کیا عذاب دیکھا

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا　　پر منہ پھر اس طرف نہ کیا اس نے جو گیا
پھرتی ہے خاک میرے لئے دربدر صبا　　اے چشم اشکبار یہ کیا تم کو ہو گیا

ناصح میں دین و دل کے تئیں اب تو کھو چکا　　حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا

جلد آ مل جو تجھ کو آنا ہے ۔۔۔ ورنہ کوئی دم کو دم روانا ہے
تجھ کو ڈھونڈھے کوئی کہاں ذوقی ۔۔۔ نہ ترا ٹھور نا ٹھکانا ہے

اس کا شکوہ نہ گاہ کیجئے گا ۔۔۔ جس طرح ہو نباہ کیجئے گا
اپنی بیجا ہ اس کی وہ صورت ۔۔۔ اے عزیزاں نگاہ کیجئے گا
اپنے ذوقی کے گھر میں مشفق من ۔۔۔ گر کرم گاہ گاہ کیجئے گا
اس کے دیوانہ پن کے عالم کو ۔۔۔ دیکھ کر واہ واہ کیجئے گا

حرف الرّا

(۱) رضا

مرزا محمد رضا، رضا تخلص شاگرد مرزا محمد رفیع، صاحب دیوان است[1]۔

یقیں ہے کہ اس کی موت آئی ہے ۔۔۔ جس کو ملتا ہے یار ہر جائی
ہجر کی رات کیونکے گذرے گی ۔۔۔ یہ تو ساتھ اپنے آفتیں لائی

یارب یہ آرزو کہیں پانے[2] میں دل نہ جائے ۔۔۔ جب تک کہ یار آوے یہاں دم نکل نہ جائے
کس کس کا جور رونا ترا اٹھایا کرے یہ دل ۔۔۔ چھوٹے اگر قطرہ بھی آنکھوں کا ل نہ جائے

شام ہجراں گر نہ بیتابی کرے دل کیا کرے ۔۔۔ دمبدم ہوتی ہے آفت سر پہ نازل کیا کرے

---

(۱) از دست (۲) پالے

درد درویش ہوں مری تعظیم ‏ کرتے ہیں لوگ کہہ کے یا اللہ

(۲) داغ

میر مہدی داغ کہ پیش ازیں آہ تخلص میکرد پسر میر سوز جوان ملیح وخوش رو ی وخوشخو بود باوجود شاہدی قدم در راہ شاہد پرستی گزاشتہ بر زتے اہل سوق وارفتہ بود غافل ازیں کہ فراق ایں قوم فریبندہ اگر آدم را بکشتن دہد سر موئے رحم بحالش نکنند۔ قضائے کار بعد از انقضائے چندے مہاجرت در پیش آمد۔ خو کردہٴ وصال تاب جدائی نیاوردہ بربستر بیماری افتاد۔ دریں اثنا خطی از مطلوب رسید، ایام وفاتش قریب رسیدہ بود ند کہ در خط جواب ایں شعر حسب حال خود نوشتہ رواں کرد و بعد آں جان شیریں بجاناں سپرد۔ شعر ایں است ؎

از جاں رمقے بود کہ مکتوب تو آمد ‏ دیگر چہ تو یسم خبرم خوب گرفتی

از وست۔

رباعی

یہ چاہ نہیں بھلی بُری ہوتی ہے ‏ جی لیتی ہے دوستی بُری ہوتی ہے
لگتا ہی نہیں ہے جی کہیں اس بن آہ ‏ سچ کہتے ہیں یہ لگی بُری ہوتی ہے

حرف الذال

(۱) ذوقی

شاہ ذوقی، ذوقی تخلص، درویشی است خانہ بر دوش، شعر را بطور بازاریان می گوید۔ از وست۔

ہمارے سامنے مست ابر بار بار برس　　جو ہم سے ہو سکے تجھ سے نہ ہو ہزار برس
جوان تم ہوتے نام خدا یہ رقت تو　　گھٹا کے دیکھے ہو اتبک بھی تین چار برس

نہ کر گھمنڈ رقیب اُس سے گر ہوا اخلاص　　کسی زمانہ میں ہم سے بھی یونہیں تھا اخلاص

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی　　اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

دولنے اس پہ سب نادان و دانشمند ہوتے ہیں　　یہ عالم اُس کا دیکھا ہو کہ رستے بند ہوتے ہیں

دیوار گل رخاں کا سایہ مگر پڑا ہو　　زاہد بتا تو مجھکو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

(۳) رنگین

سعادت یار خاں رنگین پسر طہماسپ بیگ خاں تورانی کہ متاثرالیہ در عہد نواب نجف خاں مرحوم اقتدار کلی داشت۔ جوان فہیدہ وسنجیدہ در فن سپاہ گری وسواری اسپ بے نظیر و در فکر سخن خامہ　　جیا ستن بسیار خوش تحریر۔ ہر چند چنداں بہرۂ علم ندارد اما ذکاوت طبعش بر صاحب علماں غالب۔ در ایام آغاز شوق شعر تا در دہلی بود شعر خود را از نظر شاہ حاتم علیہ الرحمۃ می گزرانید۔ حالا کہ بفضل الٰہی در نظم کلام ترقی و امتیاز تمام پیدا کردہ از راہ انصاف دیوانِ خود را از اول تا آخر بہ نظر مؤلف درآوردہ۔ کلامش بسیار کم اصلاح برآمدہ وچوں مزاجش عشقباز افتادہ اکثر قطعہائے خوب خوب ذغزل و نامہ ہائے نغز نغز بہ سلکِ نظم کشیدہ۔ ہمیشہ بہ حضور مرشد زادۂ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر دام اقبالہٗ حاضر می باشد و تقرب و امتیاز تمام دارد۔ ایں کلام از دیوان اوست

جواب یہاں سے تشریف لیجائے گا | ہمیں بھی کبھی یاد فرمائے گا
یہ دل ہل[۱] رہا ہے ترے ساتھ پیارے | بھلا کس طرح اس کو بہلائے گا
چلا جب کہا میں نے کیا حال میرا[۲] | لگا کہنے تجھ کو بھی بلوائے گا
وہ سر جو پڑا ہے پر اس کو پیارے | یہاں تک کسی طرح سے لائے گا
رضا یہ زمیں ہے نہایت شگفتہ | غزل در غزل اس کو کہلائے گا
ترے در سے پیارے اگر جائے گا | بہت دل کے ہاتھوں سو دکھ پائے گا
نہ کہیے کہ عاشق نہیں جان دیتے | تماشا تمھیں یہ بھی دکھلائے گا
ستانا کسی کا نہیں خوب ہرگز | عزیز دیہ بات اس کو سمجھائے گا
سمجھتے ہو تم خوب غیروں سے ملنا | کیے کو بہت اپنے پچھتائے گا
کبھی اے عزیز و قدم رنجہ کرکر | ق اگر اس کے کوچہ تلک جائے گا
رضا مر چلا ہے جدائی میں تیری | مرا یہ پیام اس کو پہنچائے گا

(۲) رقت

مرزا قاسم علی رقت[۳] قوم مغل ملقب بہ عراقی وطن اجداد ش مشہد مقدس کہ شعر بزرگانش در خطۂ کشمیر ہم اقامت داشتہ اندا ما مولدش شاہجہاں آباد است و در فیض آباد بسن تمیز رسیدہ طبعش از چہار ردہ سالگی بطرف شعر میلان تمام داشت۔ آخر گفتہ گفتہ پرگو شدہ دو رآں ایام مشق سخن از میاں قلندر بخش جرأت کردہ لیکن زبانش[۴] خنیں است کہ من از جعفر علی حسرت کہ استادِ جرأت است استفادہ کردہ ام خیر ہرچہ باشد بیک سلسلہ است عمرش سی سالہ خواہد بود۔ از وست۔

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا | یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا

(۱) ہل ان ح (۲) تیرا ان ح (۳) رقت کے بعد لفظ تخلص رن ح (۴) زبانیش ان ح

دکھا نہ آنکھ بھی اٹھا مان کے غیر کا کہا   دامن اٹھا گذر گیا بیچ کے ہاری لاش سے

مجھکو جو گالی دیتے ہو کیا یہ کچھ بھلمنسائی ہے   کون تھا وہ استاد تمہیں تم کو جس نے پڑھائی ہے

نشۂ حسن نے جس وقت وہ مخمور ہوتے   ہاتھ سے ان کے کئی شیشۂ دل چور ہوئے
بدگمان اتنا ہوں گذرے مجھے لاکھوں ہی خیال   تم جو نظروں سے مری ایک گھڑی دور ہوئے

اب ہم کو سفر دور کا درپیش ہوا جانی   دے ہاتھ کا چھلا تو مجھے اپنی نشانی
خیاط نے دامن کا کیا گھیر زیادہ   ڈرتا ہوں کہ پریشان کرے اس کی گرانی
جل بل کے ہوا خاک ترے ہجر میں تو نے   افسوس کہ رنگیں کی میاں قدر نہ جانی

جی بیچ کے یہ عشق کا جنجال خریدا   اس جنس کو کھو ہم نے عجب مال خریدا

عبث ہے قصد دلا اس سے چاہ کرنیکا   نہ ہوئے جس میں سلیقہ نباہ کرنے کا

تجھکو اپنے سے پیار کرنا   ہے جبر کو اختیار کرنا

ایسے ظالم کو دل دیا ہم نے   آہ اللہ! کیا کیا ہم نے

دل ہو خون اور حنا کو بھاگ لگے   اس تری منہدی کو آگ لگے

ل تھا جو بساط اپنی سو گذران چکے ہیں   جی نذر کریں جی میں یہ اب ٹھان چکے ہیں
ست چوک ادھر دیکھ یہ ہے مفت کا سودا   اک بوسہ پہ دین و دل و ایمان چکے ہیں
سو بار کہا آؤں گا اور آئے نہ ہرگز   بد عہد ہو تم ہم تمہیں پہچان چکے ہیں
پھر چل نہیں کچھ فائدہ بس سمجھے دے گئیں   وہ منہ پہ دوپٹے کے تئیں تان چکے ہیں

یک بیک چونک کے وہ کہنے لگے رات نہیں   روک مت جانے دے گھر ہم کو یہ کچھ بات نہیں
ہاتھ میں ہاتھ ہے پر بوسہ نہیں لے سکتے   دست رس اتنی بھی ہرگز ہمیں ہیہات نہیں
رات دن یار تو رہتا ہے اسی کے گھر میں   کون کہتا ہے کہ رنگیں یہ عنایات نہیں

قسمیں کروڑ جس نے ملنے کی کھائیاں ہوں   یہ سوچ ہے اب اس کو کیونکر صفائیاں ہوں
نرگس کو وہ چمن میں کیا بھر نگاہ دیکھو   وہ انکھڑیاں نشیلی جس کو خوش آئیاں ہوں

تجھ سے جس وقت کہ خالی یہ مکاں رہتا ہے   مجھکو تنہائی میں پہروں خفقان رہتا ہے
شکوہ ہم کرتے ہیں کیوں رسم ہے دنیا کی یہ   دل جو لگتا ہے تو پھر پاس کہاں رہتا ہے
جو ترے پاس سے آتا ہے میں پوچھوں ہوں یہی   کیوں جی کچھ ذکر ہمارا بھی وہاں رہتا ہے
پنکھڑی گل کی جو کروٹ تلے ٹک آئے   نازک اتنا ہے بدن اس کا نشاں رہتا ہے
اس ستمگر سے ہمارے جو کسی نے پوچھا ق   کوئی رنگین بھی ترے کوچہ میں یہاں رہتا ہے
تو کچھ اک تاؤ سا کھا چیں بہ جبیں ہو کے وہیں   گالی دے کر یہ کہا اس سے کہ ہاں رہتا ہے

اپنی ہر اک مژہ سے اشک جھڑتے ہیں اس تماش سے   لوگ جھڑکتے ہیں گلاب جیسے گلاب پاش سے
تجھ کو جو چاہتے ہیں یار کیوں نہ وہ کٹ مریں بھلا   نکلا ہے سج بدل کے تو آج غضب تراش سے

سالگی بمرض دق در گزشت - ازوست

کہتے ہو تم نہ گھر مرے آیا کرے کوئی — گر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی
وہاں کیونکے رستے کہ منادی جہاں یہ ہو — زانو پہ سر کو دھر کے نہ بیٹھا کرے کوئی
لے فرش گل پہ غیر کو بیٹھا وہ اپنے پاس — منظور ہے کہ خاک پہ لوٹا کرے کوئی
برسوں کی ایک دم میں رفاقت جو چھوڑ دے — کیا ایسی زندگی کا بھروسا کرے کوئی

خوف سے تیرے نہیں بولتے اغیار سے ہم — ورنہ بھڑ جاتے کو موجود ہیں دو چار سے ہم

(۵) رضا

میر رضا علی طغرا نویس کہ رضا تخلص دارد اگرچہ در سلک شعرا نیست اما شعر تصنیف خود کہ رو بروئے ایں جانب خواندہ بسیار آبدار است - ازوست

ہدف یار جو کل سینہ کا صندوق ہوا — تیر جو دل میں لگا سو لب معشوق ہوا

رہا عالم یہ شب(۱) اپنا کہ اس بن دل جو گھبرایا — کبھو تکیہ پہ سر پٹکا کبھی پٹی سے ٹکرایا
یہ دام سبزہ رنگ اس مرغ دل کو آہ پھنسوایا — سیہ بختی نے کیسا مجھکو باغ سبز دکھلایا

کچھ ان دنوں جو ایسا بے ربط ہو گیا ہے — شاید رضا کو یارو کچھ خبط ہو گیا ہے

ستم زمانہ سے مجھ پہ یہ دن برے ایکبارگی یہ پڑ گئے — وہ جو آشنا تھے سو لڑ گئے وہ جو دوست تھے سو بگڑ گئے
کبھی آئے آکے خفا ہوئے جو گئے تو چل کے بلا لیا — کبھی سے لٹے لٹے چل گئے کبھی بیٹھے بیٹھے بگڑ گئے

---

(۱) "رہا یوں عالم تب اپنا اس بن دل جو گھبرایا" (ن ح)

باغ میں جس دم کہ تو چلتا ہے اے گل نازسی — سرو کو کہتا ہوں میں ہٹ جا بلند آوازسی

بھلا کرنے آئے بُرا کر چلے — ہم آئے تھے کیا کرنے کیا کر چلے

جو کوچہ میں اُس نازنیں کے نہ ٹھیرے — تو پھر یہ کہو ہم کہیں کے نہ ٹھیرے

اے دستِ جنوں چل تو گریباں کی طرف بھی — اور جی میں ترے آئے تو داماں کی طرف بھی

شب کو جو آپ اُٹھ گئے نیند مری اُچٹ گئی — تارے ہی گنتے گنتے پھر رات وہ ساری کٹ گئی

غم سے تیرے یہ دل دوچار دیکھیں کب تلک رہے — ہم سے تو دور دور یار دیکھئے کب تلک رہے

ہر صبح میاں رنگیںؔ جمنا کے نہانے کو — کیا نیل کے کٹڑے سے انسان نکلتے ہیں

میں نے چاہا جو اُس کو اے رنگیںؔ — مجھ سے ہر ایک بدگماں ہوا
تو نے جوڑی ہے کیا کیا خلق — جی لگانا بلائے جاں ہوا

جب میں نے کہا کہ مجھکو تم سے — ملنے کا ہے اشتیاق بیحد
یک بار وہ کھل کھلا کے رنگیںؔ — بولے کہ چہ خوش چرا نہ باشد

(۴) رفافت

مرزا کھن رفانت تخلص، شاگرد جرأت خوش خلق و خوش تقریر بود۔ بعمر بست و دو

مجھکو صدقے تو یار ہونے دے　　آپ پر سے نثار ہونے دے
میری چھاتی پہ رکھ کے برچھی کو　　نہ اٹھا دل کے پار ہونے دے
ہجر تیری جان کا بھی دشمن　　رند اس دل کو خوار ہونے دے

(۷) رُسوا

آفتاب رائے رسوا۔ گویند جوہری پیسرے بود از قید مذاہب برآمدہ سر سودا برآوردہ سیاہی تا سر و مالیدہ و در ڈولی نشستہ در کوچہ و بازار می گردید و تودۂ خرمہرہا پیش خود داشتی۔ عوضِ یک خرمہرہ یک سر سنگ از دست طفلان وغیرہ بخوشی تمام می خورد و نیز بہ شرب خمر نیز مصروف بود و ایں بیت ورد زبان داشت۔ بیت

رسوا ہوا خراب ہوا در بدر ہوا　　اس عاشقی کے پنتھ میں جس کا گذر ہوا

نقل است کہ بمقتضائے شوریدہ سری چندے رائے سیر تا قصبۂ امروہہ آمدہ بخانۂ یکے از سادات آنجا فروکش شدہ۔ چوں در آں زمانہ باطراف واکناف شاہجہاں آباد مردم شاہجہاں آباد را عزت بیشتر بود خصوصاً کسی کہ قابل و دانا باشد، صاحب خانہ رسم مہماندارش بخوب ترین وجہی بجا می آورد۔ چوں مومی الیہ بے شرب شراب یک ساعت آرام نمی یافت میزبان روزے یک طفل را برائے آوردن شراب بہ اسد نگر کہ محلہ بیرون شہر واقع شدہ فرستاد چوں آمدنش دیر کشید بایشاں گفت کہ بیاید تا شراب آید اندکے سیر باغ کنیم بدیہہ از زبانش برآمدہ۔ شعر لڑکا گیا شراب کو کاہے کی سیر ہو۔ ہم گذرے اس شراب سے لڑکے کی خیر ہو۔ دوستے نقل میکرد کہ ہرگاہ وقت رحلتش در رسید وصیت کرد کہ مرا بہ شراب غسل دہند سیاہچہ دوستاں ہمیں کردند مگر کفن و میتش بوے شراب نداشت۔ و در روایت دیگر چنیں است کہ بر جوہری پیسرے کہ شیفتۂ او گردیدہ سودا بہم رسانیدہ بود، در سیر باغ از سبب او بہ شمشیر کشتہ شدہ واللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

مت پوچھو رضا کا کچھ حالِ غمِ تنہائی — اک دل تھا سو کھو بیٹھا اک سر ہے سو سودائی

ستم زمانہ سے مجھ پہ یہ دن بُرے ایک بار ہی پڑ گئے — وہ جو آشنا تھے سو لڑ گئے وہ دوست تھے سو جھگڑ گئے
کبھی آئے آکے خفا ہوئے جو گئے تو جاکے بلا لیا — کبھی لیٹے لیٹے مچل گئے کبھی بیٹھے بیٹھے بگڑ گئے

رباعی

جس دل کو قلق نے آ گھیرا ہوگا — آنکھوں میں پھر اس کی اک اندھیرا ہوگا
کیوں گرد سے اپنے تئیں بچاتا ہے رضا — اک خاک میں آخرش بسیرا ہوگا

دیگر

گر غصہ یہ غصہ یونہیں دل کھاوے گا — گھبرا گھبرا کے دم نکل جاوے گا
اس سوچ کے غم میں آ کہا مان رضا — اتنا مت رو وگرنہ مرجا دے گا

جو کیا رہی دیکھنے تجھ کو پاؤں — بلائیں میں لے لوں تصدق بھی جاؤں

(۶) رند

نواب مہربان خاں رند تخلص کہ در زمانۂ اقبالِ خود بہ علمِ موسیقی و شعر و مرثیہ شوق تمام داشت ہزار ہا درین کار برباد دادہ و در نیکنامی بر روئے خود کشادہ۔ اگرچہ تخص جاہل بود اما سلیقہ صحبتِ شعرا او را ہم بہ عرصۂ قلیل بہ مرتبہ والائے شاعری رسانیدہ فقیر حسب اتفاق رونے برائے دیدنِ آن بزرگ ہمراہِ مرزا قتیل در رستم نگر بہ مکانش گزر افگندہ بود مخرج زبان تاہم درست نہ داشت آخر ہمیں جا درگذشت۔ از وست۔

یارب کہیں سے گرمئ بازار بھیجدے — دل بیچتے ہیں کوئی خریدار بھیجدے
دیتے ہیں عقدِ حسن میں عاشق عروسِ جاں — آتا نہیں جو آپ تو تلوار بھیجدے

ہم کو نہ کچھ سیم و نہ زر چاہیئے — لطف کی اک تیری نظر چاہیئے
کس لئے تلوار خریدی میاں — باندھنے کو بھی تو کمر چاہیئے

حق نہ رکھے دور یارو یار کے تئیں یار سو (۴) کوئی مرض مہلک نہیں دنیا میں اس آزار کو
لا سکو اس کو تو اس سے اور کیا بہتر ہے آہ (۵) بات یہ بھی پوچھنے کی ہے بھلا تکرار سے
ان دنوں میں زار سچ کہہ کیا ہوا تیرے تئیں (۶) کچھ تجھے مغموم پاتا ہوں میں ان دو چار سے

یہ وہ ہے عشق لا مذہب نہ جس کا دین و ایماں ہے (۷) نہیں پوچھے ہے اتنا بھی تو کافر یا مسلماں ہے

لے جاؤگے تم اس کی گلی سے جہاں مجھے (۸) آرام جو یہاں ہے نہ ہوگا وہاں مجھے
فصل بہار تجھکو مبارک ہو عندلیب (۹) بن یار ایک سی ہے بہار و خزاں مجھے
بن دیکھے اس کے ایک بھی دم آہ رہ سکوں (۱۰) اتنی تو ناصحا نہیں تاب و تواں مجھے
رہتی نہیں ہے ذکر کئے بن تو یار کا (۱۱) رسوا کرے گی زار یہ تیری زباں مجھے

زار (۱)

میر مظہر علی زار بہ سرکار احمد علی خاں شوکت جنگ علاقہ روزگار دارد گاہ گاہے خیال شعر کردہ میکند۔ از وست۔
تیری ہی قسم تجھ بن کچھ اور جو بھاتا ہو (۱) کافر ہو اگر اس میں کچھ بات بناتا ہو

اب رہائی نے کیا اور پریشاں مجھکو (۲) خوب تھا اس سے وہی گوشۂ زنداں مجھکو

اگر کچھ بس ہی ہو اپنا تو کاہے کو یہ خواری ہو (۳) نہ چاہیں اس کو لیکن ناصح جو الفت اختیاری ہو
قسم ہے جی سے کہتا ہوں ستاؤ جس قدر چاہو (۴) خوشی اپنی بھی وہی ہے خوشی جس میں تمھاری ہو

(۱) ن ح میں اشعار ۱ تا ۶ میر جیون زار کے نام درج ہیں۔ (ن ح)

از وست -

وصل میں بےخود ہوا اور ہجر میں بیتاب ہو　　اس دوا سے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

کوئی جا نہیں زمیں ہیں کہ اشکوں سے نم نہیں　　رسوا ابھی اس زمانے میں مجنوں سے کم نہیں

حرف الزا

(۱) زار

میر جیون زار اصلش از کشمیر است و خودش در شاہجہاں آباد نشو و نما کردہ اکثر در مشاعرہ ہائے دہلی داخل صحت می شد۔ جوان چیچپ رو و شورش طلب است پیش ازیں سودائے بہم رسانیدہ بود۔ شدہ او را در دہلی و چہ در لکھنؤ مکرر دیدہ ام۔ عمرش از سی متجاوز خواہد بود۔ از وست

شب جھڑے آنسو میں یوں لخت جگر بھیگے ہوئے　　گل جھڑیں شبنم سے جوں وقت سحر بھیگے ہوئے

موسم برسات ہے ساقی شتابی دے شراب　　مینہ میں آنکلے ہیں ہم بھی تیرے گھر بھیگے ہوئے

کس سے ہولی کھیل کر آیا ہے اے رشک بہار　　رنگ میں کپڑے ہیں سارے تر بتر بھیگے ہوئے

ایک دن آ گئے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو　　(۱)　شب فرقت پہ الٰہی نہ دکھانا ہم کو

فصل گل کی کچھ ہوئی آمد جو اس دل کی تئیں　　(۲)　شور و غل طفلوں کا درستِ جنوں جانے لگا

ایک تجھ کو زار کے احوال پر آیا نہ رحم　　(۳)　ورنہ ہر اک حال اس کا دیکھ غم کھانے لگا

(۱) ان نخ و میں اشعار ا تا ۱۱ مظہر علی زار کے نام درج ہیں۔

آشنائی کا تری مجکو گماں یونھیں سے ہے اس میں کچھ جھوٹ نہیں سچ ہے میاں یونھیں ہے

حرزِ جاں لیتے ہی اُس کی چشم بے ابرو کیا شیر کے ناخن کو گویا ہیکلِ آہو کیا
وہ حمائل ہو گیا دستِ شکستہ کی طرح آہ جس کو میں نے اپنا قوتِ بازو کیا

اٹھ گیا جب کہ تعین تو جہاں اپنا ہے جس جگہ بیٹھ گئے پھر وہ مکاں اپنا ہے

(۲) سوز

محمد میر سوز سوز تخلص کہ بطرزِ خود اُستاد است و وضع خواندن شعرش دیگرے راکم یاد[۱]۔ گویند اول میر تخلص میکرد چوں درآں ایام میر محمد تقی ہم شہرت بہ میر داشت لہٰذا از آں درگذشتہ بجائے میر سوز قرار دادہ۔ کمالات[۲] ایں بزرگ ماورائے کمالِ شاعری و درویشی بسیار اند، چنانچہ در تیر اندازی و سواریِ اسپ و نوشتن خطِ نستعلیق و شفیعا و نازک بندی و نزاکت فہمیِ شعر و آدابِ صحبتِ ملوک و سلاطین و ظرافتِ طبع و خندہ رو دلی و ندامت پیشگی و تحصیلِ معاش و گفتن کلمۃ الحمد رحقِ دیگرے و با ایں ہمہ استغنائے مزاج کہ خاصۂ شعراست نظیرِ خود ندارد۔ گاہ گاہے کہ با فقیر ملاقات میشود بسیار مہربانی می فرماید و غائب و حاضر ازیں[۳] ہیچ مدان حظ وافی بر داشتہ بے تکلف در ستایش و ستائش می افزاید۔ عمرش از پنجاہ متجاوز خواہد بود حق تعالیٰ بایں شفقت بزرگانش[۴] دیرگاہ سلامت دارد۔ از وست۔

اشکِ خوں آنکھوں میں آکر جم گئے دور سے بھی دیکھنے سے ہم گئے

---

(۱) "یاد" کا لفظ زائد ہے۔ (۲) کمالات۔ (۳) حاضر از مزخرفات ایں ہیچداں (۴) بزرگانہ سلامت دارد "ش" اور لفظ دیرگاہ ندارد (ن خ)

چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں (۵) خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

وہ وعدہ وہ تپاک دہ اقرار ہو چکے (۶) بس دو ہی دن کے دیکھ لیا یار ہو چکے

(۳) زمان

سید محمد زمان زمان تخلص از سادات عالی تبار قصبۂ امروہہ جوان منحنی و بسیار قابل و قابل دوست بود۔ موصی الیہ در ایامیکہ نظر بہ بے وفائی دنیا کردہ[1] تبدیل لباس نمودہ در باغیچۂ تنہا نشستہ می ماند۔ فقیر ہمراہ اُستاد خود روزے در عالم تکتب نشینی وابتدائے شوقِ موزونی بہ صحبتِ ایشاں رسیدہ بود اگرچہ چنداں بخیالِ شعر سر و کار نداشت اما اگر گاہے چیزے موزوں مے کرد بسیار سنجیدہ چنانچہ ایں مطلعش دلیل بر ذکاوتِ طبع اوست۔

عارض ہے گل کا صاف و لیکن جھلک نہیں نرگس کی چشم ہے یہ کٹیلی پلک نہیں



(۱) سائل

مرزا محمد یار بیگ سائل، قوم اُذبک ہندوستان زاد سپاہی پیشہ، در ابتدا شاگرد شاہ حاتم و بعد ازاں رجوع بہ مرزا محمد رفیع سودا کردہ شخص کہنہ مشق است ایں شعر او دلیل بر صدق ایں مقولۂ اوست۔

حاتم کی تو خدمت سے تھا فیض بہت مجھکو سودا کی دمے صحبت اکسیر نظر آئی

---

(۱) دنیا تبدیل لباس کردہ" دنیا کے بعد لفظ کردہ۔ ایڈیٹر اور موده کی جگہ کردہ ہے ۔

کٹی اوقات سب بطلاں میں میری
صرفت العمر فی لہو و لعب

خداوندا ، کریما ، بادشاہا
فآھا ، ثم آھا ، ثم آھا

مجھے گر حق تعالیٰ عشق میں کچھ دسترس دیتا
قسم ہے سوزؔ گروہ قتل کرتا اپنی آنکھوں سے

تو دل ان بیوفاؤں کو کوئی میں اپنے دس دیتا
تو جی دیتے ہوئے بھی صورت اُس کی تجھے میں دیتا

رات آنکھیں تھیں مُندیں پر بخت ٹک بیدار تھا
سوزؔ کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو

تا سحر دل محوِ دیدارِ خیال یار تھا
دھاں تجھے کیا تھی کمی یہاں تجھکو کیا درکار تھا

اگر کچھ سوزؔ نے پایا تو میخانہ کی خدمت سے
حرم کے در پہ ورنہ بارہا سر مار مار آیا

غم ہے یا انتظار ہے کیا ہے
وائے غفلت نہ سمجھے دنیا کو
نفس تن تو جل کے راکھ ہوا
کچھ تو پہلو میں ہے خلش دیکھو
کھینچ کر تیر مار بیٹھے بس

دل جواب بیقرار ہے کیا ہے
یہ خزاں یا بہار ہے کیا ہے
آہ ہے شرار ہے کیا ہے
دل ہے یا نوک خار ہے کیا ہے
سوز ہے یا شکار ہے کیا ہے

جس کا تو آشنا ہوا ہوگا
تھرتھراتا ہے اب تلک خورشید

اُس نے کیا کیا ستم سہا ہوگا
روبرو تیرے آگیا ہوگا

بستیاں بستی ہیں اور اجڑے نگر آباد ہیں
ہوئے کہاں جن کے جدا ہونے سے ہم ناشاد ہیں

شبنم آسا گلشن دنیا میں آہ — سوزؔ ہم با دیدۂ پرنم گئے

کشور دل میں نہیں کوئی کہ آباد رہے — یوں اجاڑا ہے اُسے تم نے بھلا یاد رہے

شہد میں جیسے مگس ہم حرص کے پابند ہیں — وائے غفلت اس زندان میں یوں خورسند ہیں
رزق کا ضامن خدا، شاہد کلام اللہ ہے — تو بھی اپنی صورتوں کے روز حاجتمند ہیں
مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ہم آنکھوں سے روز — یہ برادر یہ پدر یہ خویش یہ فرزند ہیں
تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یار — سو سمجھا اتنا نہیں ہم خاک کے پیوند ہیں
جب تلک آنکھیں کھلی ہیں دیکھ دیکھ دیکھے گا یار — مند گئیں جب انکھڑیاں تب سوزؔ سب آنند ہیں

زندگانی میں کسے آرام حاصل ہووے گا — ہائے آسودہ جہاں میں کونسا دل ہووے گا

تو ہم سے جو ہم شراب ہوگا — عالم کا جگر کباب ہوگا
ڈھونڈے گا سحاب چھپنے کو مہر — جس(۱) وقت تو بے نقاب ہوگا

اہل ایماں سوزؔ کو کہتے ہیں کافر ہوگیا — آہ یارب راز دل ان پر بھی ظاہر ہوگیا

منتے ہے سوزؔ! تو ملنے کا قصد مت کر یار — اٹھا سکے ہے تو کب نازبے دماغوں کا

دوستا دشمنا، غفلت بنا ہا — ادھر بھی دیکھ لیجو مڑ کے آہا

---

(۱) حسن روز وہ بے نقاب ہوگا (ن خ)

چین نا دن ہو ان آنکھوں کو نہ شب آرام ہی — شام سے تا صبح رونا صبح سے تا شام ہی
لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص عاشق ہے کہیں — عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہی

کسی طرح ترے دل سی حجاب نکلے گا — مرے سوال کا منہ سے جواب نکلے گا

یہ حال یا قیامت، یہ حسن یا شرارا — چلتا ہے کس جھمک سی ٹک دیکھیو خدا را
جوڑا لپیٹے جب تک روزِ حساب آخر — بل بے تری بناوٹ بلے خود نما خود آرا
غرفہ کو جھانکیو ٹک کیسی جھمک ہی اللہ — یہ نور یا تجلی خورشید یا ستارا
کس کا یہ گورستان تیرے شہید پیاسے — زیرِ زمیں سے اٹھ اٹھ کرتے ہیں پھر پکارا
پوچھے ہے مجھ سے سیو عاشق کباب ہے کیا — کچھ جانتا نہیں ہے بھولا بہت بچارا
اتنی جراحتوں پر جیتا ہی سو تراب تک — سینہ ہی یا کہ ترکش دل ہی کہ سنگِ خارا

دامن تلک کو تیری کہاں دسترس مجھے — تیری گلی کی خاک بھی ہوں تو ہے بس مجھے
کیا آمدِ بہار ہے اس غل کو پوچھیو — لے وائے سوجھتا نہیں چاکِ قفس مجھے

تو جو پوچھے ہے کہ تیرا دل تھا کس نے لیا — بس حیا آتی ہی مجھکو مت لگا کس نے لیا

سرشکِ شمع آخر شمعِ محفل ایک دن ہوگا — یہ آنسو رفتہ رفتہ جمع ہوں گا
تجھے اے دل بغل میں منتوں سی میں نے پالا تھا — نہ جانا تھا کہ تو میرا ہی قاتل ہوگا

آتا ہے وہ جفا جو تیغِ ستم کشیدہ — دامن بدست جو

مسی پر سرخیِ پان دیکھ میری عقل بھولی ہے — کہ ہو خورشید تاباں تپہ ایسی شام پھولی ہے

امیدیں دل کی ساری ہی بھر آئیں میں نے آہ — اے سوز بعدِ مرگ تو اب مدعا ہے یہ
دامن کشاں وہ لاش پہ آ کر مجھے کہے — ہے ہے کسو کے پیچھے ترستا ہوا ہے یہ

منہ لگانے سے مرے کیوں تو خفا ہوتا ہے — جانِ من بوسے کے لینے سے تو کیا ہوتا ہے

پرکار کی روش چلے ہم جتنی چل سکے — اس گردشِ فلک سے نہ باہر نکل سکے
رونا بھی تھم گیا ترے غصے کے خوف سے — تھی چشم ڈبڈبائی پہ آنسو نہ ڈھل سکے
منہ دیکھو آئینہ کا تیری تاب لا سکے — خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

یوں[1] تو نکلی نہ مرے دل کی ابا ہے گاہے — ملے فلک پہ خدا رخصتِ آہ ہے گاہے
سوز سے ایک نے پوچھا کہ صنم سے اپنے — اب بھی ملتے ہو یہ سوز کہ گاہے گاہے
دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دمِ سرد — یوں اشارت سے جتایا سرِ راہے گاہے

غمِ عاشق سے کون محرم ہے — محرمِ عشق خلق میں کم ہے
لختِ دل مت نکل ابھی باہر — پیرہن اشک سے عالم ہے
پھلجھڑی کی طرح سے جھڑتا ہے — اشک کا بھی تو زور عالم ہے
نتھ کے موتی پکارتے ہیں کھڑے — تیرے عاشق کا ناک میں دم ہے
کیسی کیسی یہ باتیں کرتا ہے — سوز ہی یا کہ جان آدم[2] ہے

---

(۱) (ل) یہاں نکلے ہے مرے دل کی اباہے گاہے۔ (۲) عالم (ل ح)

مزاج و دیدنش و لطفش بہ طرفِ پنجاب است۔ عمرش از پنجاہ متجاوز خواہد بود اکنوں ہم گاہ گاہ فکرِ شعر بطورِ قدیم و جدید میکند از وست۔

کبھی فرقت میں شب کو آنکھ میری گر جھپکتی ہے — اُسی دم روح کوچہ میں ترے جا کر بھٹکتی ہے
سحر گذرا چمن سے کو قسا خورشید رو یا رب — کہ شبنم گل کے منہ پر آب تک پانی چھڑکتی ہے
مبادا آگ لگ جاوے رہے دل کی ترے دل کو — نکلنے سو اس دل سوز کے چھاتی بھڑکتی ہے
کرے گی مجھکو دیوانہ سکندر یا کہ متوالا — پری کی طرح صہبا پردہ مینا سے تکتی ہے

گراہی مانگ میں دل میرا آہ ڈھونڈوں کدھر — کہ آدھی رات اُدھر ہے اور آدھی رات اِدھر

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب میں دریا — وہ دیکھ لے مری چشم پر آب میں دریا

رباعی

اے زاہد و تم سے کیا جھگڑ کر لوں میں — ناحق ہی دل اپنے کو کروں کیوں خوں میں
میخوار و صنم پرست کہتے ہو مجھے — ہوں ہی تو عمل میں جو کچھ کہ ہوں میں قال میں

(۵) سوزاں

مرزا[۱] احمد علی خاں شوکت جنگ المتخلص بہ سوزاں خلف نواب مرزا علی خاں مرحوم چوں آداب و امتیاز است طبعی رسا داد از وست۔

لیجا یہ شبِ فراق جاں کو — کیا زندگی مجھ سے ناتواں کو
مجنونِ شکستہ پا ہے پیچھے — کہدیجو پیام ساریاں کو

---

(۱) نواب مرزا احمد علی خاں (نسخہ)

صورت گر قضا نے تجھ سا نہ کوئی کھینچا ہاں حسن ماہ کہیے سو ہے قلم کشیدہ

غرورِ حسن ہے تجھ کو تو مجھکو تمکیں سے ہے تو سنگدل ہے تو میری بھی آہ سنگیں ہے
اگر رحیم ہے تو میں بھی ایک عاصی ہوں جو تیغ زن ہے تو میری طرف سے تحسیں ہے
تو عشق ہے تو میں دل ہوں تو درد ہے تو میں سوز تو کوہکن ہے تو مجھ پاس جان شیریں ہے

رُباعی

بس سوز سنبھل یہ آہ و زاری کبتک بس ہاتھ نہ مل یہ بیقراری کبتک
آپ ہی عاشق ہے تو اور آپ ہی عشوق پردے سے نکل یہ شرمساری کبتک

(۳) سعادت

میر سعادت علی سعادت تخلص از سادات قصبہ امروہہ معاصر شعرائے ایہام گوئی محمد شاہی است شعر را بطرزیکہ در آں زمانہ رواج داشت بسیار بخوبی و تلاش می گفت۔ گویند روزے در مجلسی دردانہ نام رقاصہ رقص میکرد اتفاقاً کفش نوے ایشاں گم شد ہرگاہ از مجلس برآمد کفش را نیافت نظر افتاد بدیہہ از زبانش سرزد ایں شعر ؎

سعادت اشک تماشے میں اگر تیرا یا جوڑا گیا تو جانے دے دردانہ کے کھڑووں کے سر صدقے

بے محابا زلف کے کوچہ میں جا گا بار بار سر چڑھایا ہی بہت تم نے میاں شانے کے تئیں

(۴) سکندر

کہ در مرثیہ گوئی شہرت دارد شاگرد میاں ناجی است در ابتدائے فکر شعر بیشتر قصہ خوانی میکرد آخر آخر طبعش بطرف نظم مرا ثی مائل افتادہ شخص دائم الخمر و خوش طبع و ظریف

دید کو تیری ہم جو آتے ہیں
سینکڑوں آفتیں اٹھاتے ہیں
بے تکلف تھے دل کے لینے تک
ہم سے اب آپ منہ چھپاتے ہیں
آپ اودھر کیجئے علم شمشیر
ہم ادھر اپنا سر جھکاتے ہیں
ہر طرح اپنے یار کو سرسبز
روز اک بار دیکھ آتے ہیں

شب انتظار گذری ہیں انتظار کرتے
کبھی دوست دوست کرتے کبھی یار یار کرتے
ترا یار اس جگہ تھا نہ ہوا تو ہائے سرسبز
اگر[1] اُس گھڑی تو ہوتا تجھے ہم دو چار کرتے

بیٹھا ہوں میں تو کب سے سرِ راہ یار پر
کیجو نگاہ ٹک تو مرے انتظار پر
کیا حالِ گریہ پوچھے ہے ہمدم سرسبز کہیں
اب تو نچوڑ ہے مژۂ اشکبار پر
سرسبز ہو کے سینہ میں افسردہ رہ گیا
یہ کیا بلا پڑی دلِ امیدوار پر

یہ جو کانوں میں بتاں عقدِ گہر رکھتے ہیں
میرے آنسو ہیں کہ یکجا انھیں کر رکھتے ہیں

منہ موڑ لیا تم نے اگر مہر و وفا سے
ہم ہاتھ اٹھانے کے نہیں دستِ دعا سے
میں نے جو کہا اس سے کہ جاتی ہے مری جاں
منہ پھیر کے یوں کہنے لگا میری بلا سے

کل کبک دیکھ[2] تیری رفتار مر گیا
رسوا ہوا کہ بر سرِ بازار مر گیا
صیاد نے خبر بھی نہ لی اور قفس کے بیچ
سر کو پٹک کے مرغِ گرفتار مر گیا

---

(۱) کبھی (ل ح) (۲) دیکھ کر (ل ح)

مت دل لگا بتوں سے کہنے پہ جا کسی کے — ہرگز ہوئے نہ ہوں گے یہ آشنا کسی کے
خوبی ہے کیا ستمگر اس ہفتہ دوستی میں — اپنا کسی کو کیجے ہو رہیئے یا کسی کے
فرقت میں اُس کی سوداں ناحق کو جان ہی آئے — اُس لاابالی کو غم مرنے سے کیا کسی کے

(۶) سرسبز

مرزا زین العابدین خاں عرف مرزا مینڈو سرسبز تخلص از فرزندان نواب سالار جنگ مرحوم جوانے است با علم و حیا و صاحب فہم و ذکا ہمتش اکثر اوقات بہ مطالعہ کتب دینی و مسائل یقینی مصروف و برخلاف خاندان خود طبعش از غنا وغیرہ مجتنب سلسلۂ نسبتش در قوم مالک اشتر منتہی می شود و بزرگانش در عہد فرخ سیر بہ ہندوستان قدم گذاشتہ اند و برتبۂ عالی جاہی فائز شدہ ہمیشہ مقرب ملوک و سلاطین بودہ اند چوں مرزائے مذکور را بسبب موزونی طبع عشق شعر بندی از طفولیت دامنگیر حال بود در رفتہ رفتہ بہ سن ہفدہ سالگی رسیدہ دیوانے ترتیب دادہ فقیر پیش ازیں مدت چار سال بصیغہ شاعری ملازم و رفیق ایشاں ماندہ بسیار بہ عزت دوست میداشتند۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔ من کلامہ

قفس میں گذرے گی کیا عندلیب خانہ ویراں پر — سنے گی جس گھڑی ہیراں توں عالم گلستاں پر

شمع جب چہرۂ پرنور دکھاتی ہے مجھے — یاد عارض میں ترے اور جلاتی ہے مجھے
خندۂ گل میں نکلتا ہے کہاں یہ عالم — ہائے کیا وضع ترے ہنسنے کی بھاتی ہے مجھے
اُس کے کوچہ کی طرف میں تو نہ جاؤں سرسبز — کشش دل ہے کہ کھینچے لئے جاتی ہے مجھے

جو دوست مرا اس کو پیغام سناتا ہے — وہ صاف اُسے یار و دشنام سناتا ہے

مهر درخشانِ آسمانِ جلالت و ماهِ فروزانِ برجِ ابهت از تحریر و تقریرِ اقلام و السنهٔ فصحا و بلغا ما فوق است چوں بفضلِ الٰہی در جمیع فنونِ دانشمندی یگانهٔ روزگار اند بمقتضائے موزونیِ طبع کہ بادشاہانِ سلف را نیز بوده است اکثر رخشِ خیال را در میدانِ فصاحت می تازند و شعرِ خوب را از ہر کہ باشد دوست میدارند درایامیکہ حکمِ ترتیبِ مجلسِ مشاعره شده بود اکثرے از کاردانانِ ایں فن در حضور آمده حاضر می شدند۔ ایں فقیرِ حقیر ہم چوں نسبتِ دیگراں باوصفِ گوشه نشینی دریں کار زیاده رسوائی داشت بگفتهٔ میر انشاء اللہ خاں حسب الطلبِ حضور باوصفِ کم بغلی و شکسته حالی شریکِ مجلسِ یاران شده بود چنانچه در ہماں[1] تاریخ بحلقهٔ[2] ملازمانِ حضور درآمد و بعد چندے از کلامِ فقیر محظوظ شده در جائزهٔ قصائدِ مدحیه کہ مشتمل بر تہنیتِ عیدین بودند بانعامِ تبریک مکرر سرِ احقر را از حضیضِ خاک باوجِ افلاک رسانیدند و ہمچنیں قلندر بخش جرأت کہ پس از فقیر بعد سه چہار ماه دولتِ ملازمتِ حضور حاصل موده[3] بنوازشِ خسروانه درآمده و نیز لوکر شده و میر سوز کہ کسوتِ درویشی بقامتِ حالِ خود راست داشت در اوائلِ مشاعره بانعامِ یک دوشاله و یک تھان سرفرازی یافته راهِ خویش گرفت و میر انشاء اللہ خاں کہ نائب و مختارِ حضور یعنی خاں صاحب و قبله خانزاد خانِ بہادر کہ ایشاں در شعر فہمی و نثر نویسی نظیرِ خود ندارند صیغهٔ اخوت خوانده اند ہمیشه موردِ گوناگوں الطافِ خسروی می باشند و چندبار بانعامِ لائقه قبا و گوشوارهٔ سرمباہات برافراخته اند حق تعالیٰ ایں قدرشناسِ شعرا را کہ دریں زمانه دوں قدرِ سخن باخاک یکساں شده بر تختِ سلطنت و جہانبانی زود مسلط گرداناد و مرادِ دلِ دولتخواہانِ حضور کہ شب و روز دست بردعا دارند زود برآرد۔ آں زمان بیانِ داد و دہش ہمتِ عالی کرده خواہد شد حالا کلامِ معجز نظامِ حضرت نوشته می شود و آں ایں است۔

(۱) از ہماں در ح (۲) در حلقه در ح (۳) کرده در ح

ترے گلشن سے کہہ جاویں کدھر ہم
کہ ہیں لے باغباں بے بال و پر ہم
نہ گذرا تو کبھی ادھر سے ہو کر
گئے اس آرزو ہی میں گذر ہم
ہماری آہ پر ہنستا ہے کیا تو
دکھا دیں گے تجھے اس کا اثر ہم

جگہ پاویں گے اتنی باغ میں اے باغباں ہم بھی
کبھو آکر بنا دیں گے چمن میں آشیاں ہم بھی
دماغ اپنا نہیں اس وقت حاضر ہم کو مت چھیڑ
سناویں گے کسی دن تم کو اپنی داستاں ہم بھی
جہاں کے ہمصفیروں کو ہوئی ہے خانہ ویرانی
اسی گلشن میں چھوڑ آئے تھے اپنا آشیاں ہم بھی

خبر لائی باد بہاری کسی کی
دو چنداں ہوئی بیقراری کسی کی
زلیخا کو یوسف ہی کا دھیان گذرا
جو اس رہ سے آئی سواری کسی کی
ترے ہاتھ سے بوئے مشک آئی شانہ
مگر تو نے کاکل سنواری کسی کی
میں سرسبز رہتا ہوں آتی ہے جب یاد
وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی

کب خوش آتی ہے ہمیں سیر گلستاں تجھ بن
نظر آتا ہے[1] چمن خانہ ویراں تجھ بن
خواب[2] میں ہی نظر آجا کہ تسلی ہو مری
پرشورش ہوں میں لے زلف پریشاں تجھ بن
اپنے عاشق کی تو بالیں پہ نہ آیا صد حیف
جان دی اس نے بصد حسرت و ارماں تجھ بن
چل تو سرسبز گلستاں میں غزل خوانی کو
بولتے وہاں نہیں مرغان خوش الحان تجھ بن

سلیمان ( )

مرشد زادۂ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ سلیمان تخلص کہ محامد ذات قدسی آں

(۱) آستے ہیں (ل ح) (۲) خواب ہی میں (ل ح)

اور ہم سے ہزار حیف پیارے
منہ کو شرما کے یوں چھپا لو
ہے قافلہ عمر کا روانہ
رخت اپنا مسافرو سنبھالو
بت خانہ کی راہ کو سلیماں
چھوڑ دو تم اور رہِ خدا لو

گھر سے برقع جو الٹ وہ مہِ تاباں نکلا
چونک اٹھی خلق کہ ایں مہرِ درخشاں نکلا
مہ کو اور تجھکو جو میزانِ خرد میں تولا
اس سے تو حسن میں اے یار دوچنداں نکلا
رہ گئے ہوش و حواس و خرد و طاقت سب
یوں ترے کوچہ سے میں بے سر و ساماں نکلا
یہاں تلک تیر قضا کھائے ہیں میں[1] نے اس کے
جائے سبزہ مرے مرقد پہ نیستاں نکلا
ترے بیمار کی سنتے ہیں یہ حالت ہے کہ اب
جو گیا اُس کی خبر کو سو وہ گریاں نکلا
واہ کیا توڑ تری تیر نگہ کا ہے کہ یار
جس کے سینہ میں لگا پشت سے پیکاں نکلا
سوزشِ دل کو بھی میرے نہ بجھایا تم نے
کام اتنا بھی نہ اے دیدۂ گریاں نکلا
فتح دیکھو تو اسے یا شہِ مرداں کہ ترا
ملک گیری کو جو ہے اب یہ سلیماں نکلا

وہاں جو غیر سے وہ رات کو ہم کنار رہا
ہمارے دل کو یہاں سخت اضطرار رہا
نشہ میں رات یہ ساقی کا انتظار رہا
کہ صبح تک سے مجھے دردِ سر خمار رہا
قمارِ عشق میں اُس بت سے میں نہ کچھ جیتا
دل اک بساط میں تھا سو لے بھی ہار رہا
یہ کس کے دستِ حنا بستہ یاد آئے تھے رات
کہ تا بہ صبح مرے دل کو اک فشار رہا
نہ اس نے شرم کے مارے مری طرف دیکھا
میں اس سے رات کو ہر چند آنکھ مار رہا
کسی کے موتیوں کا ہار شب جو یاد آیا
تو تارِ اشک سحر تک گلے کا ہار رہا
تری جو زلف کو سونگھا کیا تو ساری رات
زبانِ شانہ سے سنتا میں بار بار رہا

(۱) اُس کی میں سنے دل (خ)

ہم تو کب آپ تلک آپ سے آسکتے ہیں — آپ چاہیں تو ہمیں پل میں بلا سکتے ہیں
جبہ سائی کا نشاں جائے جبیں سے کیونکر — کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
دھار ہے بحرِ محبت کی سروہی کی سی — بوالہوس اس میں کوئی آکے نہا سکتے ہیں
اپنے مکھڑے پہ دوشالہ وہ رکھیں گے تا چند — کوئی خورشید کو پردے میں چھپا سکتے ہیں
تاج و تخت اپنے سلیمان کو یا شاہِ نجف — آپ چاہیں تو ابھی پل میں دلا سکتے ہیں

دل اُس کے سینہ سے یوں لگ رہا ہے — جڑا جوں دُھگدُگی پر نگ رہا ہے
سلامِ شوق کہیو نجد میں جا — صبا وہاں اک مرا ہم تنگ رہا ہے
ستاتی ہے مجھے وہاں ناتوانی — جہاں سے اُس کا گھر دو ڈگ رہا ہے
یہ طفلِ اشک آنکھوں سے نکل کر — مری چھاتی سے پھر دل لگ رہا ہے
ہمیں (۱) حاتم تھا اُس کی سلیماں — تلاشِ پائے بوسِ سگ رہا ہے

ساقیا ہے یہ جام کا عالم — جیسے ماہِ تمام کا عالم
کبک رفتار اپنی بھول گئے — دیکھ اُس کے خرام کا عالم
اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے — شبِ ہجراں کی شام کا عالم
تجھ پہ ہیں ان دنوں میں نام خدا — کچھ عجب دھوم دھام کا عالم

اوروں کی طرح سے اب ٹالو — ہم کو اپنے گلے لگا لو
گالی نہ دیا کرو کسی کو — بس بس اپنی زباں سنبھالو
غرفہ میں سے جھانک یا سرانیؔ — غیروں کو ہنسی خوشی بُلا لو

---

(۱) حاتم (ل۔ح)

نرگستان میں تو کیا سیر کناں پھرتا ہے — ہو گئے آج ترے کشتۂ دیدار کے پھول
کون کہتا ہے یہ ہے عقد ثریا۔ مہ نے[1] — نقرئی پھینکے ہیں تجھ پر سے کئی وار کے پھول
میرے گلدستہ کو مت دے تو چھڑی سے تشبیہ — کہ یہ الفت کے ہیں گل اور وہ بازار کے پھول
گالیاں سینکڑوں ہر بات میں آپ نے تو لگا — دیکھو جھڑتے ہیں کیا منہ سے مرے یار کے پھول
گر لگاوٹ نہیں منظور تو کیوں پھینکتے ہو — متصل بیٹھ کے تم رخنۂ دیوار کے پھول
رات چوٹی کے ترے دیکھتے ہی پھندنے کو — چونکا سا اٹھا میں کہ ہے یہ منہ میں سیہ مار کے پھول
چشم بد دور ادھر دیکھ ان آنکھوں رستے — صدقے کر ڈالے تھے سو نرگس بیمار کے پھول
کس طرح لوں میں بلائیں کروں کیونکر تعظیم — دست و پا اپنے گئے دیکھتے ہی یار کے پھول
ہاتھا پائی میں سلیمان وہ پری مجھ سے سُرکی[2] — میں نے بکھرا دیئے توڑ کئی ہار کے پھول

(۸) سوداؔ

شیر بیشۂ سخندانی مرد میدان پہلوانی مرزا محمد رفیع المتخلص بہ سوداؔ پسر مرزا محمد شفیع کابلی کہ در عصر خویش سرآمد شعرائے ریختہ گو گذشتہ۔ بعضے او را دریں فن بہ ملک الشعرائی پرستش می کنند۔ بعضی بہ سبب دریافت اغلاط صریح و توارد صاف در بعضے اشعارش بہ جہل و سرقہ اش نیز نسبت می دہند، غرض ہر چہ بود در روانی طبع نظیر خود نداشت۔ غزلہائے آبدار و قصیدہ ہائے سحرکار و ہجوہا و مثنویہائے متعددہ وغیرہم نگاشتہ۔ خامۂ خیالش بر صفحۂ روزگار یادگار است۔ دیوانش بہ فرنگ و صفاہان رسیدہ، دیگرے ایں شہرت در خواب ندیدہ۔ اگر در مثال بندی اشعار غزل صائب دلکش گویم بجا است و اگر در علو مراتب معانی ابیات قصیدہ خاقانی گویم روا۔ نقاش اول نظم قصیدہ در زبان ریختہ اوست، حالا ہر کہ گوید پیرو و تتبعش خواہد بود۔ فقیر در عہد

---

(۱) یہ شعر ندارد۔ (ل س ح) (۲) لڑی (ل س ح)

شب فراق میں میں کیا کہوں سلیماں آہ — کہ(۱) کس طرح سے دل اپنا یہ بے قرار رہا

جب تیغ کو پکڑ وہ خونخوارہ گھر سے نکلا — تب میں بھی جان سے ہو بیزار گھر سے نکلا
ہر مو کمر کے سو سو بل پڑ گئے کمر میں — پٹکا جو باندھ کر وہ بلدار گھر سے نکلا
کشتہ کو تیرے در سے افسوس لے گئے کس — اور تو نہ اک قدم بھی لے یار گھر سے نکلا
چھوڑا نہ جیب گریباں وحشت جنوں نے میرا — تب چیر کر میں اس کو ناچار گھر سے نکلا
روزن سے اس بتِ اوپر مجھکو کھڑی جو دیکھا — کھنکھار کر وہیں وہ عیار گھر سے نکلا
اس بت کے دیکھنے کو کر ترک دین و ایماں — میں ڈال کر گلے میں زنار گھر سے نکلا
پھر دل پہ عاشقوں کے زردی سی پھر گئی تب — جب باندھ وہ بسنتی دستار گھر سے نکلا
لوگوں کے خوف سے پھر کل شب کو میری خاطر — لاچار پھاند کر وہ دیوار گھر سے نکلا
وہ شاہِ حسن جیسے اس ملک دل پہ یارو — جس دم کہ دوڑنے کو یلغار گھر سے نکلا
ق کھول آہ کا علم اور لے اشک کے قشوں کو — یوں میں بھی ہو کے اس دم تیار گھر سے نکلا
کچھ تو اثر کیا ہے دل کی ترے کشش نے — پڑھتا جو وہ سلیماں اشعار گھر سے نکلا

شب دل سے مری آہ کا شعلہ جو اٹھا گرم — منقل کی طرح تا بہ سحر سینہ رہا گرم
سچ گرم، ہنسی گرم، نگہ گرم، ادا گرم — نتھنے کی پھڑک اس کے ہیں ان سب سے لگو گرم
ہوں سوختہ میں آتش الفت کا طبیبو — لکھیو نہ مرے نسخہ میں تم کوئی دوا گرم
گرمی کا یہ موسم ہے تو خس خانہ سے لپٹے — باہر نہ نکلنا کہ نہایت ہے ہوا گرم

جب کہ دیکھے ہے ترے طرۂ دستار کے پھول — توڑ ڈالے ہے صبا باغ میں گلزار کے پھول

---

(۱) کہ جس طرح سے ۔ (ل، ح) (۲) کے (ل، ح)

پردے کو یقیں کے در دل بیتے اٹھا دیکھ — کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
ٹک دیکھ صنم خانۂ عشق آن کے اے شیخ — جوں شمع حرم رنگ جھمکتا ہے بتاں کا
اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن — جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار — لیکن نہیں خواہاں کوئی واں حسن گراں[1] کا
سودا جو کبھو گوش سے ہمت کے سنے تو — مضموں[2] یہی ہے جرس دل کی فغاں کا

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں — یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
جس سے پوچھا میں دل حوش ہے کہیں دنیا میں — رو دیا اس نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے — میری طرح فریفتہ ہووے خدا کرے
ظالم ہماری آہ کو تشہیر ہے ضرور — آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے

عجب بیداد مجھ پر یہ مرا صیاد کرتا ہے — دکھاتا ہے اسے مجھکو جسے آزاد کرتا ہے

اے دیدہ خانماں تو مرا ہی ڈبو سکا — لیکن غبار یار کے دل کا نہ دھو سکا
سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

تصویر میں ترے کہیو صبا اس لاابالی سے — گلے لگ لگ ہیں رو دیا رات تصویر نہالی سے

---

(۱) حسن گراں (ن) تح میں نسخہ "جنس گراں" ہونا چاہیئے۔ (۲) مضموں یہی ہے (ن) ح)

نواب شجاع الدولہ بہادر روزے برائے دیدن ایں بزرگ بخانش رسیدہ بود بہ پرورش سگان ابریشم نشیم شوق تمام داشت۔ و بہ سبب آگاہی علم موسیقی مرثیہ و سلام کہ گفتہ بر سوز تہا دن آنہا نیز قادر۔ غرضکہ شخص جامع الکمالات بود ہر جا کہ می رفت عزت و حرمت تمام می یافت۔ نواب مرحوم و مغفور نیز بودن او را در سرکار خود بسیار غنیمت می دانستند۔ وفاتش در لکھنؤ و مرقدش در امام باڑۂ آقا باقر۔ روزے در باہ محرم فقیر آنجا رفتہ بود کہ بہ ایمائے بزرگے[1] اتفاق زیارتش افتاد و نظر بر کتابہ قبرش کردم در ہماں تاریخ وفاتش گفتۂ میر فخر الدین ماہر کہ ہمدم و ہم نشیں او بود کندہ دید۔ تاریخ اینست ؎

خلد کو جب حضرت سودا گئے فکر میں تاریخ کے ماہر ہوئے
بولے مصحفی[؟] در کر پائے ہنا شاعرانِ ہند کا سرور گیا

چوں تعمیہ ایں تاریخ خلافِ قانونِ مورخان بود در خیال فقیر گزشت کہ چنیں شخص را تاریخ گوئے بایست آخر ہماں روز از تائیدِ فیض ربانی تاریخ وفات آں مرحوم و مغفور بے کم و کاست از خامۂ خیال سحر کارِ مولف بیروں ترا دیدہ و از غایتِ انبساط و سرور کہ از موزونی ایں مصرعہ فصیحہ مادۂ تاریخ کہ کاملان ایں فن را بدشواری دست دہد خود طبیعت خود را ہزار آفریں گفتہ، آرے تاریخ چنیں شخص چنیں می باید۔ تاریخ۔

مرزا رفیع آنکہ ز اشعار دلنشیں ہر گوشہ بود در ہمہ ہندوستان غلو
ناگہ چو در نوشت بساطِ حیات را گردید مدفنش ز قضا خاک لکھنؤ
تاریخ رحلتش بدر آوردہ مصحفی سودا کجا و آں سخن دلفریب او

من کلامہ۔ غزل سر دیوان اوست۔

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

---

(۱) عزیزے (ن خ)

جس نے نہ دیکھی ہو شفق صبح کی بہار   آ کر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ
کل رخصتِ بہار تھی شبنم صفت میں زور   رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ
سودا میں اپنے یار سے چاہا کہ کچھ کہوں   ایسی گئی اک نگہ کہ رہی من کی من کے بیچ

یہ ہاتھ ہو سکے زلف اُس کی سے کہاں گستاخ   نسیم و شانہ اگر ہو تو ہووے وہاں گستاخ
ضرور ہے ادبِ خفتگانِ خاک اے یار   قدم زمیں پہ نہ رکھ زیرِ آسماں گستاخ

شبنم کرے ہے دامنِ گل شست و شو ہنوز   بلبل کے خون کا نہ گیا رنگ و بو ہنوز
ہمرہ صبا کے خاک بھی میری ہے دربدر   جاتی نہیں ہے مجھ سے تری جستجو ہنوز

قد کو ترے جس جگہ مشقِ خرامِ ناز ہے   اُس جگہ شورِ قیامت فرشِ پا انداز ہے
خط کے آتے ہی چلے اکثر غلامی سے نکل   بندہ پرور دیکھئے آگے ہنوز آغاز ہے
شاعرانِ ہند کا تو گو کہ پیغمبر نہیں   پر سخن کہنے میں اے سودا تجھے اعجاز ہے

کیا جانئے کس کس سے نگہ اس کی لڑی ہے   جس کوچہ میں جا دیکھو تو اک لوتھ پڑی ہے
ٹھیرا ہے تری چال میں اور زلف میں جھگڑا   ہر ایک یہ کہتی ہے کہ اٹک مجھ میں پڑی ہے
گو پیر ہوئی شاعری سودا کی جوانو   تم سے نہ کھنچے گی یہ کماں سخت کڑی ہے

سودا جوں شمع نہیں گرمیِ بازار مجھے   ہوں میں وہ جنس کہ آتش دے خریدار مجھے
ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے   جلوۂ حسن اُسے حسرتِ دیدار مجھے
ہوں تصدق ترے اے عالمِ فانوسِ خیال   گو تحیر نے کیا صورتِ دیوار مجھے

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی کہ عاشق کا دل بنا

جو گذری مجھ پہ اُسے مت کہو ہوا سو ہوا
بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
پہنچ چکا ہے سرِ زخم دل تلک یارو
کوئی سیو کوئی مرہم رکھو ہوا سو ہوا
کہے ہے سن کے مری سرگذشت وہ بیرحم
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا
خدا کے واسطے آ در گذر گنہ سے مرے
نہ ہوگا پھر کبھو اے تندخو ہوا سو ہوا
دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہے سودا
پھر آگے دیکھئے جو ہو سو ہو ہوا سو ہوا

حالِ دل سے مرے جب تک وہ خبردار نہ تھا
جز دمِ سرد کوئی محرمِ اسرار نہ تھا
جو عمل چاہئے کیجے مرے دکھ دینے کا
وہ نہ کیجے کہ کہے کوئی سزاوار نہ تھا
پیار و اشفاق و وفا مہر و محبت الطاف
دل کو جس روز لیا کون سا اقرار نہ تھا
صحبتوں کا نہ کرو غیر کی مجھ سے اخفا
کونسی شب تھی کہ میں واں پسِ دیوار نہ تھا
شب تری بزم میں سودا کو میں دیکھا جب تک
کچھ خموشی کے سوا اس کو سروکار نہ تھا

میں دشمنِ جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا
سو حضرتِ دل سلمہ اللہ تعالیٰ
کہتا ہے نگہ سے یہ ترا گوشۂ ابرو
دیکھے جو کوئی خوں گرفتہ تو لگا لا
اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے
پردہ میں چھپا اُس کے تئیں تجکو نکالا

سودا گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ
جوں غنچہ سو زباں ہیں اُس کے دہن کے بیچ
پانی ہو بہہ گئے مرے اعضا تپش کی راہ
باقی ہے جوں حباب نفس پیرہن کے بیچ

کیا کیا ملے لیلیٰ نشان خاک میں سودا   گو اپنے بھی محبوب کی دیکھی نہ جوانی
جس سمت نظر موج سراب آوے تو یہ جان   ہووے گی کسو زلفِ چلیپا کی نشانی

پھر نظر تجھکو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے   حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

نہیں معلوم کیا اس سینہ میں جوں شمع جلتا ہے   دھواں نوک زباں سے بات کرنے میں نکلتا ہے
مجھے تشنیع کو کرتا ہے ناصح، یہ جو آنکھیں ہیں   بس ان خانہ خرابوں سے کسو کا کچھ بھی چلتا ہے
خبر لے جلد سودا کی وگرنہ میں یہ دیکھوں ہوں   سرہانے اس کے بیٹھا ہاتھ سے تو ہاتھ ملتا ہے

صورت میں تو کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے   اک دھج ہو کر وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے
دشنام تو دینے کی قسم کھائی ہے لیکن   جب دیکھے ہے مجھکو وہ تو اک جنبشِ لب ہے
یعقوب ترے عہد میں یوسف کو جو روتا   کہتا میں کہ یہ فہم پیمبر سے عجب ہے
کہتے ہیں جسے عشق سو وہ چیز ہے سودا   جوں ذاتِ خدا جس کا حسب ہے نہ نسب ہے

جب اپنے بندِ قبا تم نے جان کھول دیئے   صبا نے باغ میں جا گل کے کان کھول دیئے

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے   یہ وہ نین ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے
لے دل یہ کس سے بگڑی کہ آتی ہے فوج اشک   لختِ جگر کی نعش کو آگے دھرے ہوئے

عارض پہ حسن خط سے دمک کیا ہے نور کی   یہ دود لڑ رہا ہے تجلی سے طور کی
طوفاں طرازیِ مژۂ عاشقاں نہ پوچھ   کچھ آبرو رہی ہے نہ چشمِ تنور کی

اے غمِ یار مرا خون جگر کتنا کچھ　　نظر آتی ہے فراخور تری دشوار مجھے
نہ پھرا ملکِ عدم سے کوئی یار لے سودا　　جانا اب اُن کی خبر لینے کو لاچار(۱) مجھے

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے　　یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے

نہ بھول اے آرسی گر یار سے تجھ کو محبت ہے　　بھروسا کچھ نہیں اس کا یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی　　اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
کیا ضد ہے خدا جانے مجھ ساتھ وگرنہ　　کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی

اس دل کی تفِ آہ سے کب شعلہ بر آوے　　بجلی کو دمِ سرد سے جس کی حذر آوے
ٹک داغ سے چھاتی کے سرک جائے جو پھایا　　آتش کے تئیں قدرتِ خالق نظر آوے
دے شکوہ کی رخصت جو نہیں شرم محبت　　غنچہ کی طرح ٹکڑے ہو منہ تک جگر آوے
اُفعی کی یہ طاقت ہے کہ اُس سے بسر آوے　　وہ زلف سیہ اپنی اگر لہر پہ آوے
سب کام نکلتے ہیں فلک تجھ سے ولیکن　　میرے دلِ ناشاد کی امید بر آوے
نامہ کا جواب آنا تو معلوم ہے اے کاش　　قاصد کے بد و نیک کی مجھ تک خبر آوے
دیتا ہے کوئی مرغِ دل اُس شوخ کو سودا　　کیا قہر کیا تو نے غضب تیر سے پر آوے
اب لے تو گیا ہے پہ اسے دیکھیو تادان　　پل میں وہ اڑا آنا اگر بال و پر آوے

اے آہ تیری قدر اثر نے تو نہ جانی　　گو تجھ کو لقب ہم نے دیا عرش مکانی

---

(۱) ناچار (ن ح)

کچھ بھی پروانہ کی رمز اُس سے نہ مفہوم ہوئی ‏— جھوٹ نکلا سبھی دعوائے زباندانیِ شمع
سوزِ پروانہ ہویدا ہے سبھوں پر سبقت ‏— پر کسو پر نہیں ظاہر غمِ پنہانیِ شمع

غم نہیں کچھ شیشۂ دل گر بنے اور ٹوٹ جائے ‏— ہے الم اُس کا جو شے بہتر[1] بنے اور ٹوٹ جائے
قصد مجھ سے بیگنہ کے قتل کا جب دل میں ہو ‏— کیوں نہ پھر قاتل کا نت خنجر بنے اور ٹوٹ جائے
سوچ میں رہیے نہ کیونکر قالبِ انساں کو دیکھ ‏— خاک کے پتلے کا یوں پیکر بنے اور ٹوٹ جائے

کیا کہوں اے ہمدمو میرا کہاں دل لگ گیا ‏— لگ نہیں سکتا کسو کے جو وہاں دل لگ گیا
جائیں اب کیونکر کہاں ہم میکدہ کو چھوڑ کر ‏— آتے ہی اپنا تو اے ساقی یہاں دل لگ گیا
ناقۂ لیلیٰ جو ٹھہرا وادیِ مجنوں میں آہ ‏— بولے کیا تیرا بھی یہاں اے سارباں دل لگ گیا

رباعی

بن تیرے میں کیا کہوں جو مجھ پر گذرا ‏— جو کچھ کہ کہا کسو نے سب کر گذرا
یہاں تک کہ گذر گیا میں اپنے جی سے ‏— لیکن نہ ستم سے اپنے تو در گذرا

دیگر

مت یاد دلاؤ وصل کی راتوں کو ‏— پوچھو کوئی نہ اُن ملاقاتوں کو
پھروں نہیں بات پھر نکلتی منہ سے ‏— کرتا ہوں جب اُس کی یاد میں باتوں کو

دیگر

شور و فغاں مدام ہم کرتے ہیں ‏— فرقت میں کسی کے آہ دکھ بھرتے ہیں
افسوس ہے اپنی زندگانی افسوس ‏— ہیں نزع میں جیتے ہیں نہ ہم مرتے ہیں

---

(۱) بہتر (ن ح)

یاس اب بہار نے نکہتِ گل کو نہ لا نسیم — دل سے ہوس چمن کی اسیری نے دور کی
سودا کو عاشقی سے رکھا چاہتا ہے باز — ناصح نصیحت اپنی سے خوبی شعور کی

باتیں کدھر گئیں وہ تری بھولی بھولیاں — دل لیکے بولتا ہے جو تو اب یہ بولیاں
ہر بات میں کنایہ و ہر یک سخن میں رمز — ہر آن میں کنایہ و ہر دم ٹھٹھولیاں
حیرت نے شکل آئینہ مند سے نہ دیں کبھو — آنکھیں کسی نے دید کو تیری جو کھولیاں
کس نے کیا خرام چمن میں کہ اب صبا — لاتی ہے بوئے ناز[1] سے بھر بھر کے جھولیاں
اندامِ گل یہ ہو نہ تھا اس فرے سے چاک — جوں خوش قدوں کے بر میں مسکتی ہیں چولیاں
کیا جانیے تجھے سر انگشت رحنا — حیں بے گنہ کے خون میں جا بیٹھ بولیاں
سودا کے ساتھ صاف نہ رہتی تھی زلف یار — شانہ نے پیچ پڑ کے گرہ اس کی کھولیاں

(۹) سبقت

مرزا مغل سبقت تخلص خلف مرزا علی اکبر۔ بزرگانش اہل خطہ فارس بودہ اند وازچند پشت درشاہجہان آباد سکونت داشتند۔ بعد از وقوع ہنگامہ شاہ بہ لکھنؤ رسیدہ دریں جا توطن اختیار کردند۔ مشارالیہ جوان قریب بفضیلت است وسہل جانشو وتمامتہ درخوش اخلاقی وآداب صحبت وطریق تواضع وخندہ روئی وشگفتہ دلی باغ وبہار دیدمش بمقتضائے موزونی طبع فکر شعر ہندی موافق رواج زمانہ کردہ واز نظر قلندر بخش جرأت گذرانیدہ۔ اما چوں نیک نگاہ کنی بہ سبب معلومات فن وآگاہی نظم ونثر و تصنیف قصیدہ غرا رتبہ شاعریش در نظم قصیدہ از استاد درگذشتہ۔ از وست۔

عرقِ شرم رکھے کیونکہ نہ پیشانی شمع — ہے خجل منہ سے ترے چہرۂ نورانی شمع

---

(۱) یار سے (ل ح)

وپیوستہ در بزم خیمان باعزت وحرمت بسر می برد۔ از مدتے در شاہجہاں درگذشتہ۔ دیوانش در شہر موجود است۔ از وست۔

لیکے ملے دلربا کیوں قسم کھاتے ہو تم	ہم نظر باز دل کے آگے سو کہاں جاتے ہو تم
اک نرالے شہر میں بانکے تمھیں پیدا ہوئے	ہر گھڑی تیغ و سپر لیلے کے دھمکاتے ہو تم
آگے تم سے کیا توقع ہو گی شیدا کو میاں	ایک بوسہ پر چھری تلوار تیلاتے ہو تم

شیدا سنبھل کے جانا کوچہ میں آج اس کے	تھرلے کھڑے ہیں ہاتھوں کے بیچ لٹکے

(۲) شگفتہ

مرزا سیف علی شگفتہ خلف نواب شجاع الدولہ بہادر مرحوم ومغفور جوان خوش خلق و باعلم وحیا۔ پیشتر بیان تخلص مے فرمود[1]۔ شعرخود را بہ مرزا کاظم علی جوان می نمود۔ از چندے تبدیل تخلص نمودہ[2] بجائے بیان شگفتہ قرار دادہ۔ فکر سخن بعجز کی و صفائی تمام می کند و قصیدہ[4] ہائے آبدار در سلک نظم کشیدہ اند۔ فقیر ایشاں را در لکھنؤ دیدہ بسیار بخوبی پیش می آیند۔ ~~استعار~~ ...

حکم اتنا نہیں کہ در کو دیکھ	میرے نالہ کے تک اثر کو دیکھ

پاس سے میرے وہ بت اٹھتے نہ پایا ہوتا	ایسا اسباب کوئی جمع خدایا ہوتا

بوسہ لیتے ہوئے ہم دیکھو ادب کرتے ہیں	گالیاں دیتے ہیں آپ غضب کرتے ہیں

---

(۱) فرمودند (ل ح) (۲) نمودند (ل ح) (۳) کردہ (ن خ) (۴) قصیدہ بجائے قصیدہ ہائے (ن خ)

دیگر

سبقت اتنا تو کس لئے روتا ہے | اور جان تو اپنی کیوں عبث کھوتا ہے
کہتے نہ تھے ہم کہ عاشقی مت کرنا | عاشق ہوتے میں بس یہی ہوتا ہے

دیگر

بیداد و ستم اگرچہ ہے فن تیرا | لیکن میں دوست کیا کہ دشمن تیرا
ترسا ترسا جو تو نے مارا مجھکو | اب ہاتھ مرا ہے اور دامن تیرا

دیگر

الفت نے ہے جس کی ہم کو مارا افسوس | وہ کر گیا صاف اب کنارا افسوس
سبقت دل و جان سے ہو گئے ہم جس کے | افسوس ہوا نہ وہ ہمارا افسوس

دیگر

اُس آفت جاں کو جب سے دیکھا دل نے | بس تب سے کیا ہے حشر برپا دل نے
شکوہ کریں کس کا اور شکایت کس کی | ہم کو تو کیا خراب و رسوا دل نے

ٹھنی ہے اب یہی دل میں کہ کم کسی سے ملیں | نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

اُٹھا دیتی ہے بیتابی ترے بن ہم جہاں بیٹھیں | کہیں لگتا نہیں ہے جی کدھر جاویں کہاں بیٹھیں
قیامت ہو ابھی برپا اُٹھے ہنگامۂ محشر | سر اپنا رکھ کے زانو پر جو ہم کر کے فغاں بیٹھیں

حرف الشین

(۱) شیدا

شاگرد میر محمدی بیدار، جوان ظریف الطبع بود۔ معاش بہ علاقہ بندی میکرد

ندارد اما بہ سببِ موزونیٔ طبعِ سلیم آنچہ گفتہ درست بستہ است۔ از وست۔

تجھکو دلدار میں سمجھتا ہوں	کیا غلط یار میں سمجھتا ہوں
گرچہ کہتے ہو پھر کبھی آؤں گا	ہے یہ انکار میں سمجھتا ہوں

مت مل تجھے کہتا تھا میں مل اُس سے زیادہ	پائی نہ سزا اور بھی مل اس سے زیادہ

ملے[1] ہے شب وروز وہ شوخ سب سے	مگر ایک اسے آہ مجھ جاں بلب سے

نہ اس کا وصل ہے ممکن نہ تاب ہے دل کو	عجب طرح کا الٰہی عذاب ہے دل کو

تھوڑی بھی نیک و بد کی گر وہ تمیز رکھے	کافر ہو پھر جو اُس سے دل کو عزیز رکھے

عجب دن وہ ہوگا جو یہ بات ہوگی	کہ اس سے ہماری ملاقات ہوگی

(۵) شایق

میاں پیر محمد شایق جوانِ صلاحیت شعار است۔ بیشتر شعرِ خود را از نظرِ میاں ہاشمی کہ ذکرِ ایشاں در ردیفِ ہا خواہد آمد میگذرانید۔ حالا از چندے بہ حلقۂ شاگردیِ قلندر بخش جرأت درآمدہ از وست۔

کرے شیخ و برہمن دیر اور کعبہ کو[2] کستے ہیں	رہِ دل سے ہیں غافل ورنہ اس میں دو نو رستے ہیں
تماشا دیکھ کر جراح کے مرہم لگانے کا	ہمارے زخم ٹانکے توڑ[3] کر کھل کھل کے ہنستے ہیں

---

(۱) یہ شعر ندارد (ن ح) (۲) کے بجائے کر (ن ح)

خرام ناز ترا بس مری نظر میں رہا — تمام عمر ہی بیٹھا میں رہ گذر میں رہا

آنکھیں چرا کے شب وہ بہانے سے اُٹھ گیا — حرف مروت آہ زمانے سے اُٹھ گیا

دل و جگر نہیں سینہ کے داغ کے نیچے — جلے پڑے ہیں پتنگے چراغ کے نیچے

سوز ہجراں سے ساز کرتا ہوں — تو نے جانا کہ اس کو صبر آیا

غم کھالے دل اگر شب زلف کی تاریک ہے — پاس ہے رخ اُس کا یعنی صبح بھی نزدیک ہے

(۳) شرر

مرزا ابراہیم بیگ شرر تخلص کہ احوال ایشاں در تذکرۂ فارسی بہ شرح و بسط مرقوم است گاہ گاہے خیال شعر ہندی ہم می کرد دو سہ شعر از و بخاطر است۔

تمام عالم سے وہ پرے پرواگر کبھی ہم کلام ہووے — کلام سنتے ہی اُس کے منہ سے تمام عالم تمام ہووے

سامعان کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے — سرگذشت اپنی جو لکھئے تو قلم رکتا ہے

اسیروں کی زباتی اے صبا اُس سے کہنی ہے — مگر گردن کا ڈورا کم ہے جو زنجیر پہنی ہے

(۴) شکوہ

محمد رضا ئی شکوہ از آشنایان مرزا قتیل جوان خوش خلق است۔ اگرچہ در شعر شہرت

آپس میں یوں وہ کہتے ہیں سب پڑھ کے فاتحہ ‏ ‏ ‏ ‏ شہرت تھا جس کا نام یہ اس کا مزار ہے

(۸) شوق

شاگرد مرزا رفیع۔ از وست۔

شمع بزمِ لحدِ بادہ کشاں ہے شیشہ ‏ ‏ ‏ ‏ مصرعہ آہِ دلِ غمزدگان ہے شیشہ
حال ساقی سے مرا کچھ نہ کہا اور چلا ‏ ‏ ‏ ‏ میں جو دیکھا تو عجب پیچ بہاں ہے شیشہ

دامن سے تیرے خون نہ ہے بن بھری ہوئے ‏ ‏ ‏ ‏ چھوٹے نہ اپنا عشق تو قاتل مرے ہوئے
غارت گردوں کے ہاتھ سے مانندِ طفلِ اشک ‏ ‏ ‏ ‏ جاتا ہوں نقدِ دل کو میں آگے دھرے ہوئے

شوق گو عشق میں رسوائے دو عالم ہو دلے ‏ ‏ ‏ ‏ شکر صد شکر ترے پیچھے تو بدنام ہیں

سرشکِ گرم سے ہے دل کباب در تہِ آب ‏ ‏ ‏ ‏ ہوا ہے چشم کا خانہ خراب در تہِ آب
عرق ڈھلک کے جبیں سے جو ذقن پہ گرا ‏ ‏ ‏ ‏ صفائی حسن سے پہنچا یہ آب در تہِ آب
گئی ہے نیند سرشکوں کے شوق طوفاں سے ‏ ‏ ‏ ‏ محالِ عقل ہے آنکھوں کو خواب در تہِ آب

حرف الصّاد

(۱) صفدری

از زمرۂ سلف است۔ از وست۔

سبز جامہ بر میں لے کے رنگ بھینا ہے دیکھو ‏ ‏ ‏ ‏ شمع کافوری کو یہ فانوس مینا ہے دیکھو

ذرا تو یٹ کر اوجھل سی دکھا مکھڑا کہ جی جاویں
یہ تیرے طالب دیدار مدت سے ترستے ہیں

جو لیکر جان عاشق سی ملیں خوبان ہندوستان
سمجھنا مت گراں شایق اُنھیں تو بھی سستے ہیں

ظلم کا شیوہ کچھ اُس ظالم کو ایسا یاد ہی
ہر گھڑی ہر لحظہ اک تازہ ستم ایجاد ہی

نچلے ہو کر بیٹھتے یکدم نہیں طفل اشک
چشم گریاں کی بھی کیتنی ناخلف اولاد ہی

جائیے کعبہ کو یا کیجے صنم خانہ کا طوف
حضرتِ دل آپ کا اب کیا ہمیں ارشاد ہی

ہاشمی کی وضع پر تو گفتگو کر اختیار
ورنہ فن شعر میں شایق ہر ایک اُستاد ہی

(۶) شہید

از دورۂ میر و مرزا است۔ ریختہ گو معلوم می شود دو شعراز و از عالم مکتب نشینی یاد دارم از وست۔

گئے برباد اپنے نالہ و فریاد یا قسمت
بہار آخر ہوئی جب ہم ہوئے آزاد یا قسمت

شہید آخر مقدر تھا ہمیں حسرت میں جی دینا
ہمارے سر پہ آکر پھر گیا جلاد یا قسمت

(۷) شہرت

شاگردِ جرأت است۔ از وست۔

نامہ جوں ہاتھ میں لیا میں نے
دیکھ قاصد کو رو دیا میں نے

دل ڈھونڈتے ہو پاس مرے دل تو کہاں ہے
اک شعلۂ آتش ہی کہ پہلو میں تہاں ہی

دو دن کی ہی یہ بات کہ پھرتے تھی جن کے ساتھ
اب قبر پہ ہماری جو آن کا گذار ہے

عرقِ آلودہ گر اس کا انگرکھا ہاتھ آجاوے　　　تو اس سے صادق اپنے سینۂ افگار کو ملئے

نہ آفتاب سے ہر ذرہ یہ چمکتا ہے　　　وہ ایک نور ہے جو سب میں آ جھلکتا ہے
صبا لے آئی تھی بو باس کس کے کاکل کی　　　کہ جس کی بو سے دماغ اب تلک مہکتا ہے
خدا ہی جانے اسے کیا ہوا ہے اے صادق　　　کچھ آپ ہی آپ جو سینہ میں دل سلگتا ہے

جس نے دیکھا ہے تری جلوہ گری کا نقشا　　　اس کو بھاتا ہے کب اے یار پری کا نقشا
تھی ہی چھب تختی غضب ایک تو اس کافر کی　　　تس پہ ہے تھہریہ پوشاک زری کا نقشا
جلد آ جلد دم بازپسیں ہیں میرے　　　نظر آتا ہے چراغِ سحری کا نقشا
کوئی دیکھے جو مرا زخمِ جگر اے صادق　　　تیری[2] بیداد کے ہے صاف سری کا نقشا

ہو نام خدا تجھ میں کیونکر نہ خود آرائی　　　اندازِ سخن یہ کچھ چہرے کی وہ رعنائی
تھی ایک تو کرتی ہی لاہی کی غضب تس پر　　　ہے آفتِ جاں کافر انگیا کی یہ سگھڑائی
کچھ اس سے اشاروں میں کہتا ہوں تو کہتا ہے　　　دانتوں میں دبا انگلی لے اوئی یہ سوائی

(۴) صبا

لالہ کانجی مل صبا تخلص قوم کایستھ سکسینہ۔ وطن بزرگانش فیروزآباد و خودش در لکھنؤ نشو و نما یافتہ۔ فقیر دریافت کہ وارد ایں شہر بود چندے حسب اتفاق بر مکان[3] نیاں اقامت داشت۔ مشار الیہ درآں ایام بمقتضائے موروثی طبع شوق شعر پیدا کردہ

(۱) ان نخ میں پہلا مصرعہ غائب - یہ دونوں مصرعے یعنی پہلے شعر کا پہلا اور دوسرے شعر کا دوسرا مل کر ایک شعر بنتا ہے - (۲) ان نخ تیری بیداد کے ہے صاف سری کا نقشہ (۳) دکاں - (ان نخ)

موتیا را ایل پھولی ہے گلابی باغ میں
منہ پہ اُس گلرو کے جوں شبنم پسینا ہے دیکھو

حسن کے یہاں کی خاطر کی ہے حاضر حاضری
سبز خط لب کے نمکداں پر پودینا ہے دیکھو

خاتم دستِ سلیماں ہے پری رو کا دہن
لعل لب کا جس پہ یاقوتی نگینہ ہے دیکھو

گر رقیب ہاتھی ہے گھس کر بیٹھ میں کرتا ہے کام
صفدری حکمت میں یار و شیخ پھنسا ہے دیکھو

(۲) صفا

کہ ہیچ از نام و نشانش خبر نہ دارم مطلع ازو بسمع رسیدہ ایں است۔

محتسب جھوٹ ہے کس نے بھری شیشہ میں
رہ گئی ہے کہیں آنسو کی تری شیشہ میں

(۳) صادق

میر صادق علی صادق تخلص، فوجدار[1] رحان حضرت شاہ عالم بہادر شاہ غازی جوان سعادتمند است وخود بہ فوجداریِ بیلانِ مرشد زادۂ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر عز و امتیاز دارد۔ گاہ گاہے بہ مقتضائے موزونیِ طبع و تبعیتِ حضور فکرِ شعر کردہ ومیکند و از نظرِ میر انشاء اللہ خاں می گذارند۔ از وست۔

دے ملا خاک میں جب گردشِ افلاک ہوس
اس کے ملنے کی نکالے کوئی کیا خاک ہوس

صادق اب اور سر و کار نہیں اُس سے مگر
ایک بوسہ کی رکھے ہے دلِ غمناک ہوس

دوستی کیونکہ نبھے دیکھئے اب یار کے ساتھ
دیکھتا ہوں اُسے ہر وقت میں اغیار کے ساتھ

نصیبا[2] اپنے کہاں ایسے جو اُس رخسار کو ملئے
ترے ہے قسمت اگر مہندی سی پائے یار کو ملئے

---

(۱) پسر فوجدار خاں۔ (ل ح) (۲) دوسرا مصرعہ غائب (ل ح)

اس خاکدان سے جھاڑ کے دامن کو جوں صبا
ایسا گیا کہ پھر نہ سراغِ صبا ملا

چلے دامن اٹھا کر یہ کہہ اس شوخِ قاتل سے
کہ یہ مدفن نظر آتا ہے رنگیں خونِ بسمل سے
تغیر رنگ میں تاب و تواں نے ہم سے چھوڑی
رعیت جس طرح پھر جائے ہے معزول عامل سے
کہے تھا عاشقِ لیلیٰ کہ میں اب چل نہیں سکتا
مجھے لے ساربان تو باندھ لا دوڑا کے محمل سے
صبا ہم نے تو ہرگز کچھ نہ دیکھا جذبِ الفت میں
غلط یہ بات کہتے ہیں کہ دل کو راہ ہے دل سے

مجلس سے اٹھ کے جب وہ رشکِ قمر گیا ہے
اپنا تو روتے روتے نورِ نظر گیا ہے
کیا سحر ہے کہ جا کر وہاں کا ہی ہو رہا ہے
اس کی گلی میں یہاں سے جو نامہ بر گیا ہے
بھٹکا پھرے ہے مجنوں لیلیٰ کے قافلہ میں
یہ پوچھتا کہ یارو محمل کدھر گیا ہے
کیا تو نے کچھ صبا سے اے تند خو کہا تھا
روتا ہوا ادھر سے با چشمِ تر گیا ہے

ازل سے سوز تیرے عشق کا جو سر میں تھا میرے
گیا میں جی سے اپنے پر نہ وہ سر سے گیا میرے
نہ آیا وہ مسیحا لب دمِ آخر بھی بالیں پر
موا تو میں ولے ارمان یہ دل ہی میں رہا میرے

عاشقِ مضطر کا سوزِ دل نہاں کیونکر رہے
شمع کے شعلہ کی لے یارو زباں کیونکر رہے
اے صبا سچ ہے جدائی میں بقولِ مصحفی
دردمندِ دوست بے آہ و فغاں کیونکر رہے

ہاتھوں میں تیرے پیارے یہ طائرِ حنا ہے
یا مرغِ دل کسی کا بسمل ابھی کیا ہے

کبھی گلرو مرا جا کر جو دریا میں نہاتا ہے
فروغِ حسن سے گلزار پانی میں دکھاتا ہے

چیزے کہ بہ زبان خود می گفت آنرا از نظر فقیر باعتقاد تمام میگذرانید۔ تا اینکہ در عرصہ قلیل دیوان مختصرے درست ساخت طبعش بخیال شعر بسیار مناسب افتادہ بود اگر عمرش وفا میکرد زیادہ ازیں قدم بر جادۂ ترقی می نہاد اما حیف کہ بہ عمر بست و پنج سالگی در عین جوانی مدقوق شدہ درگذشت[1]۔ از وست۔

عبث ہے یہ تمہارا پاس میرے بار بار آنا — جدائی میں مجھے مشکل ہے اے یار و قرار آنا
یہی شغل اس کے کوچہ میں ہے اب آٹھوں پہر اپنا — بصد امید جانا دن کو شب کو شرمسار آنا
تجھے درد جدائی میں ترا عاشق گیا جی سے — صبا اس گل کے دروازہ پہ یہ جا کر پکار آنا

جس روز ترے در پہ گذر ہم نے کیا تھا — اس دن ہی تری خو سے حذر ہم نے کیا تھا
افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ پایا — جس کے لئے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا

سحر جب بستر راحت سے وہ رشک قمر اٹھا — غلامی اس کی میں خورشید لے تیغ و سپر اٹھا
ابھی تسکیں ہوئی تھی اک ذرا فریاد و زاری سے — لگا دل مضطرب ہونے کہ پھر درد جگر اٹھا
گلے پر میرے خنجر پھیرتا وہ اور بھی لیکن — ہوئی مجھ سے خطا اتنی کہ میں فریاد کر اٹھا
نہیں معلوم اے یارو صبا کے دل میں کیا آیا — ابھی جو بیٹھے بیٹھے وہ یکایک آہ کر اٹھا

فنا ہیں ایک دن سب یہاں عمارت در گھر کس کا — یہ دنیا وہم ہے یارو پدر کس کا پسر کس کا
مجھے آتا ہے تجھ پر رحم اس قاتل کے کوچہ میں — لئے جاتا ہے نامہ آج تو اے نامہ بر کس کا

دن عید کے جو مجھ سے وہ ناآشنا ملا — روٹھا تو تھا میں لیک گلے اس کے جا ملا

---

(۱) "وداع حسرت بر دل باقی ماندگان نہاد" درگذشت کے بعد (ت ح)

حرف ط

طپش (۱)

محمد اسمٰعیل طپش تخلص عرف مرزا جان کہ مولد والدش بخارا است۔ قوم مغل، ہندوستان زا از اولاد سید جلال بخاری، جوانے است سپاہی پیشہ، ادا بندو ادا پند، در سنِ شانزدہ سالگی طبع موزوں بہم رسانیدہ چندے بخدمتِ مرزا محمد یار بیگ سائل کہ ذکرِ ایشاں بر صدر گزشت مشقِ سخن نمودہ و بعد ازاں رجوع بہ خواجہ میر درد صاحب کردہ۔ شعر را بشستگی و پاکیزگی تمام می گوید و اسوائے ایں انچہ گویند والہ شعر است و خط صرافی (۱) و شاشتری ہر دو بخوبی تمام می نویسد و در خوش اختلاطی و آدمیت و وضعِ ملاقات و صحبت داری بسیار بے نظیر۔ با فقیر از چند سال رابطۂ آشنائی درست دارد۔ از وست۔

ساقی ہے دورِ مے ہے شبِ ماہتاب ہے، لیکن یہی غضب ہے کہ تو مستِ خواب ہے،

رشک سے تیرے لعلِ گلگوں کے غنچے پیاسے ہیں اپنے ہی خوں کے

دل کچھ اس وقت تلملاتا ہے آہ کون اس کو یاد آتا ہے

اس گلشنِ جہاں میں جو آیا سو داغ ہے گلچین روزگار سے کس کو فراغ ہے

---

(۱) صیرانی و شاشتری۔ (ن خ محسنہ)

مصور حسب کہ یار زلف کی تصویر کھینچے ہے   تو ہاتھ اپنا وہ دہشت سے دم تحریر کھینچے ہے

حرف الضاد

(۱) ضیا

میر ضیاء الدین ضیا تخلص گویند استفادۂ شعر در ابتدا از میر محمد تقی میر کردہ بطرف پورب آوارہ شدہ۔ رفتہ رفتہ(۱) چند شعرش از زبان بعضے آشنایان بسمع رسیدہ۔ میر حسن مصنف مثنوی سحر البیان نسبت شاگردی خود بہ مشار الیہ می رسانید(۲) و بسیار ثناخوان و معتقد او بود۔ بندہ او را ندیدہ چند شعر کہ از و بہم رسیدہ ایں است۔

گھر ہی کو اس کے بھولا یا راہ پھیر کی ہے   یارب تو خیر کیجو قاصد نے دیر کی ہے

باؤ بھی کھائی نہ تھی پل لے کہ مرجھانے لگا   آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا
گل کی رسوائی تجھے کیا بس نہ تھی اے ننگ خلق   اس کے کوچہ میں ضیا پھر آج تو جانے لگا

کہا کیا جانے کیا میری طرف سے تجھ سے بدگو نے   کہ رفتہ رفتہ یہ احوال پہنچایا مرا تو نے

بلا سے آب خنجر سے ہم کو قاتل تشنہ جاتے ہیں   جو کوئی مرتا ہے اس کے حلق میں پانی چواتے ہیں
ستم ہائے ہم کس دوانے کا آہی آج صحرا میں   کہ سیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اڑاتے ہیں
ضیا رکھ ہاتھ سینہ پر خبر دل کی بھی لے ظالم   کہ آج آنسو ترے آنکھوں میں کچھ لوہو سے لگتے ہیں

---

(۱) ل ما مکرر نہیں ہے   (۲) میر سامد لو دمد ن نخ

کبھی تو پاؤں کی ٹھوکر سے تیری آشنا ہوتے　　اگر خوابیدہ کوچہ میں ترے جوں نقش پا ہوتے

کیا جانئے کس نے تجھے محبوب بنایا　　پر جس نے بنایا ہے بہت خوب بنایا

جوں کہا میں دل کو میرا تجھ سوا کوئی نہیں　　سنتے ہی بولا کہ اس سچ ہے ترا کوئی نہیں

ہماری شمع نے دیکھی جو اشکباری رات　　کٹی بچاری کی روتے ہی روتے ساری رات
سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا　　یہی ادا انہیں بس بھا گئی تمہاری رات

ترا وہ نامہ جو تھا ہم نے کر رکھا تعویذ　　سو بعد مرگ ہوا وہ ہی قبر کا تعویذ
نہ تیغ چل سکی مجھ پہ تو منفعل ہو کر　　لگا یہ کہنے کوئی اس کے ہو سیدھا تعویذ

آپ کچھ نہ کو دیر میرے سے ہوتے ہیں خفا　　میں یہ حیران ہوں کہ یارب میں نے کیا تقصیر کی

نہ گرا جب تن لاغر سے مرے قطرۂ خوں　　کیا ہی جلاد پشیماں ہوا تلوار لگا

تو ہی لطف سخن مرا سمجھے　　ورنہ کوئی یہ پہیلی کیا سمجھے
میں تو ناحق یہ قصہ کہہ کہہ کر　　تم سے کہتا ہوں مدعا سمجھے
رفتہ رفتہ کبھی سمجھ لو گے　　ابھی تو آپ کی بلا سمجھے

ترے شہید کے اسباب غم نظر آئے　　شب فراق کے کالے علم نظر آئے

نہ شہر بھاوے نہ صحرا لگے بھلا مجھکو
الٰہی بیٹھے بٹھائے یہ کیا ہوا مجھکو

ہرگز نہ سلاسل سے ہو تسخیر ہماری
جوں زلف بتاں چاہیئے زنجیر ہماری
کچھ تیرے سلیقہ سے پھنسے ہم نہیں صیاد
لائی ہے یہیں دام میں تقدیر ہماری

دشنام کا نہیں کبھی انعام کا نہیں
خودکام وہ مرا تو کسی کام کا نہیں
دینے لگا طپش جو دل اُن کو تو بول اُٹھے
رہنے دو اپنے پاس مرے کام کا نہیں

خاک سے جام کیا جام کو پھر خاک کیا
تو نے کیا کیا نہ کچھ اے گردشِ افلاک کیا

کس کی طرف سے آج طپش تجھکو یاس ہے
سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اُداس ہے
میں نے کہا کہ کہتا ہوں کچھ تم سے التماس
کہنے لگے کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے

ناز ہے انداز ہے ہر دم نئی اک آن ہے
دلربائی کا غرض تیار سب سامان ہے
شاعر اکثر آئینہ رو کہتے ہیں معشوق کو
لیکن آئینہ کو بھی دیکھا تو یہاں حیران ہے

آئے تو ہو کہیں سے آخر ملے دلے تم
کیا ہو جو پھر مرے بھی لگ جاؤ اب گلے تم
آواز میری سُن کر غرفہ سے جھک کے بولا
کس واسطے کھڑے ہو دیوار کے تلے تم

کیسے ہی بیٹھوں ہوں محفل میں اس کی دور
اکل کھرا ہے کہ بیٹھا کرے ہے سب سے دور
خدا کسی کو نہ آزارِ عشق دیوے یار
کبھی سہت تھی یہی عارضہ تھا اب ہے دور

نشو و نما یافتہ[1] و جوان و پیر شدہ بمعاصرِ میر و مرزا است۔ شعر را بہ تلاشِ تمام می گفت و گاہ گاہے بطورِ غنی خیالِ شعر فارسی ہم کردہ۔ دیوانش بعد فوتش بہ تدبیر یکے از آشنایان صورت تدوین گرفتہ[2]۔ فقیر ہر گاہ بہ دوکانش میرفت بسیار بہ دل گرمی پیش می آمد۔ از وست۔

اس ابر میں بے ساقی وے جی پہ بنی ہے ہر بوند کا کھانا مجھے ہیرے کی کنی ہے

ہمیشہ دل میں خیالِ نگار گذرے ہے اسی خیال میں لیل و نہار گذرے ہے
نگاہ یوں دلِ عارف سے یار گزرے ہے کہ جس طرح سے کہ صابن[کذا] تار گذرے ہے
چڑھا ہے خونِ شہیدانِ عشق بر سرِ چرخ شفق نہیں ہے یہ لوہو کی دھار گذرے ہے

طفل ہولی باز کے ہاتھوں سے بچنا ہے محال موٹھ سے چلتی ہے جو چلتی ہے یہاں منتِ گلال

کوئی چھپتی ہیں پیار کی آنکھیں اُن سے ہوتا ہے آشکارا خلوص

دخترِ رز سے جا کہو کہ ملے ورنہ عارفؔ افیم کھاتا ہے

عظیم
(۲)

مرزا عظیم بیگ عظیم تخلص اگرچہ بشہرت بہ شاگردی مرزا رفیع سودا دارد اما در ابتدا بعدی از شاہ حاتم استفادہ کردہ[3]۔ گویند چند روز در فرخ آباد کسوتِ قلندری بر خود دو ادہ است۔ حالا با زور لباس دنیائی آمدہ۔ فقیر او را در شاہجہاں آباد دیدہ جوان بیچک رو بود اکثر در مشاعرہا می آمد و بر صدرِ مجلس می نشست۔ دعوائے شاعری خیلے در دماغش جا داشت

---

(۱) "و" ندارد (ن خ) (ت) میں (ح ر) (۲) گرفتہ۔ (ن ح) (۳) بر خود راست کردہ بود (ن ح)

(۲) طالب

طالب حسین خاں طالب تخلص پسر میاں عسکری جوانِ رعنا و کشیدہ قامت و خوش خلق و خوش تقریر کہ داروغگیٔ خاصۂ مرشدزادۂ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر امتیاز تمام دارد۔ پیش ازیں بہ مقتضائے صحبتِ مشاعرہ و شرکت جلسۂ یارانِ موزوں الطبع برائے خوشی مزاج اقدس در غزلہائے طرحیٔ حضور چیزے کہ موزوں کردہ بود آں را بہ نظر میر انشاء اللہ خاں کہ مرتبۂ دوستیش باایشاں بہ مرتبۂ برادری کشیدہ گذرانندہ۔ چوں بہ فقیر ہم باعتقادِ تمام پیش می آید چند شعرش کہ بہم رسیدہ می نویسد۔ از وست۔

مجھ سے جب آنکھ وہ ملاتا ہے ۔۔۔ دل ہی سینہ میں لوٹ جاتا ہے
غیر سے مل کے شعلہ خو ناحق ۔۔۔ کیوں جلوں کے تئیں جلاتا ہے
مژدہ اے قیس تیری وادی میں ۔۔۔ ناقۂ لیلیٰ کا آج آتا ہے
غیر سے کر کے سخت و نرا پنی ۔۔۔ سخت تو جی مرا پکاتا ہے
آج طالب کا عشق میں تیرے ۔۔۔ جلد آ ورنہ جی ہی جاتا ہے

اشک یوں جم گئے ہیں پلکوں پہ مژگاں سے لپٹ ۔۔۔ اوس جیسی کہ رہے خارِ مغیلاں سے لپٹ
دشت میں آہِ شرربار جو طالب نے بھری ۔۔۔ ایک شعلہ گیا خاشاکِ بیاباں سے لپٹ

حرف العین

(۱) عارف

محمد عارف رفوگر کہ عارف تخلص مے کرد اصلش از کشمیر است و خودش در شاہجہاں آباد

دل کے بھی غم سے ٹکڑے ہوئے اپنے قال پر ‏ جوں غنچہ تب زبان کھلی عرضِ حال پر
فارغ ہیں کشمکش سے جہاں کے شکستہ دل ‏ پہنچے نہ ہاتھ شانہ کا جیسے کے بال پر

غنیمت ہے عظیم اس جا جو نفریں سن نہ تو اُٹھے ‏ پڑے تحسین چولھے بھاڑ میں اور آفریں ڈبے

(۳) عاقل

عاقل شاہ عاقل تخلص جوانے بود سیاح در شاہجہاں آباد اکثر پیش بندہ تشریف برائے شنیدنِ اشعارِ فقیر می آمد و بسیار محظوظ می شد خود ہم چیزے موزوں می کرد از وست

دیکھتے ہیں جو کوئی شہرِ جہاں آباد کو ‏ ٹوٹے تو کب سکتے ہیں ویران رسمِ نو ایجاد کو
قید بھی یہاں کچھ نہیں اور چھوٹ بھی سکتے نہیں ‏ واہ وا اس دام کو اور آفریں صیاد کو
دیکھیں سب کچھ اور نہ دیکھیں کیا نظر بندی ہے یہ ‏ دیکھئے اس کام کو اور کام کے استاد کو
اپنے ہاتھوں آپ ہی کرتے ہیں سر تن سے جدا ‏ ورنہ کیا طاقت ہے آوے اس جگہ جلاد کو
یاد ہے اس کی تو عاقل کوئی بھی غافل نہیں ‏ پر بڑی یہ یاد ہے جو بھولے اپنی یاد کو

(۴) عیش

مرزا حسین رضائے عیش تخلص شاگردِ میر سوز صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ جوانِ خندہ رو و خوش خلق و متواضع و خود بیں دیدمش از وست۔

وہ اگر آوے لبِ بام کہیں ‏ میں بھی کر لوں اسے سلام کہیں
کیا ہے یہ قطرہ قطرہ دے ساقی ‏ ایک بار ہی تو بھر کے جام کہیں
یہ غزل عیش ہے بقصدِ سوز ‏ مجھ سے ہوتی تھی انصرام کہیں

---

(۱) ایں غزل یادگار اوست۔ (ان خ)

ہیچ کس را بخاطر نمی آورد و خود را از ہمہ ممتاز میدانست باآنکہ ہیچ علم و فن ندارد، مردِ سپاہی پیشہ است۔ در شعر تلاشہائے نمایاں می کند۔ یک دو قصیدہ ہم بقوتِ تمام گفتہ۔ دیوانش بلا تشبیہ بشکلِ حمائل واقع شدہ۔ از دست۔

گل چشمِ خوں فشاں سے گلزار پیرہن تھا — دامن کا تھا جو تختہ اک تختۂ چمن تھا
کچھ عظیم کو بھی یارب غریقِ رحمت — آوارۂ جنوں سا[1] اک صاحبِ سخن تھا
اور معنی سند ایسا ہندی زباں کا صائب — ہندوستاں سے لے کر مشہور تا دکن تھا
اک دن جو گھر سے نکلا خطِ شعاعی صورت — بکھرا ہوا بدن پہ تار سیرہن تھا
اور ماسوائے اس کے کہتے ہیں مرتے مرتے — عریاں تنی سوا اس کا خو گزیں بدن تھا
دیکھا جو دفن کرتے جوں شمع پہ ہو فانوس — تربت میں دور تن سے بالشت بھر کفن تھا

یہاں غدر پذیرا ہو بُرے سے نہ بھلے سے — جوں غنچہ زباں نکلے ہے ٹک لب کے ہلے سے
ابھرے ہے تو لے شیشہ تبھی اپنے دموں پر — نکلا ہے ترا ہاتھ جو پتھر کے تلے سے
کہتے تھے دلا شیریں لبوں سے نہ مل اتنا — اب مثلِ مگس فائدہ کیا ہاتھ ملے سے
چھپتا ہے کوئی شمع صفت سوزِ دل اپنا — سر کاٹو اگر تو ہو نمودار گلے سے
گلریز کی مانند جز آتش کے عظیم اب — لائے نہ کبھی بیل مری پھول پھلے سے

پاسِ سخن جیسے ہے یہاں اس کی شان پر — مانندِ خامہ دے جو سر امتیاز بان پر
تقریرِ سرگذشت نہ پوچھو کہ خامہ وار — آتا ہے گریہ ہر سرِ حرف بیان پر
گھر میں بھی اپنے آئینہ ساں منتظر ترا — حیراں[2] کھڑا رہوں ہوں سدا آستان پر
نام آوری جہان میں ہے باعث کا ننگ — نازاں نہ جوں نگیں ہو تو نام و نشان پر

---

(۱) تھا (ن ح) (۲) حیراں سا کھڑا رہوں الخ (ن ح)

تری جبین ابرو مرا غنچہ دل ۔ یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتا نہ دیکھا
خدا کی خدائی ہے قائم یہ تجھ سا ۔ نہ دیکھا نہ دیکھا، نہ دیکھا نہ دیکھا
میں رو رو کے اشکوں سے کی شیشہ بازی ۔ یہ ہنس ہنس کے تو نے تماشا نہ دیکھا
خدا جانے کیا منہ بھر آئی ہے اس کو ۔ لب زخم دل جو کبھی وا نہ دیکھا
سبھی دعوئ عشق رکھتے ہیں یارو ۔ پہ کوئی عشق سا ہم نے رسوا نہ دیکھا

سو رات ہجر غم میں فلک تو ڈبو سکا ۔ پر ایک دن وصال کا تجھ سے نہ ہو سکا
کس رو سے طعنہ زن ہے خراباتیوں کو شیخ ۔ خرقہ کو اپنے وہ تو ریا سے نہ دھو سکا

دمبدم دل کو مر نہیں آتا ۔ اس پہ بھی اس سے بر نہیں آتا
خانماں کر چکا ہوں میں برباد ۔ اس پہ میرے وہ گھر نہیں آتا
تو جو اتنا ہمیں ستاتا ہے ۔ کیا خدا کا بھی ڈر نہیں آتا
خاک جو شہر میں لگی اڑنے ۔ عشق کیا چشم تر نہیں آتا

کہنے کو ادھر ادھر گئے ہم ۔ تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جان نہ ہو عدول حکمی ۔ تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

ہم نے تو خاک بھی دیکھا نہ اثر رونے میں ۔ عمر کھوئی کھوتے ہوئے دیدۂ تر رونے میں
رات کب آئے تھم اور کب گئے معلوم نہیں ۔ جان اتنی نہ رہی ہم کو خبر رونے میں
جب تلک اشک تھمیں بیٹھ اگر آیا ہے ۔ تیری صورت نہیں آتی ہے نظر رونے میں
تجھکو اے دیدۂ تر شغل ہے رونا لیکن ۔ ڈوبا جاتا ہے یہاں دل کا نگر رونے میں

(۵) عشقی

مراد آبادی فقیر او را در آنولہ دیدہ بود شعرے از وبہ خاطر است۔

کوئی تو ہے پچھر کوئی سمرد رواں ہے — دیکھا تو یہاں ایک سوا ایک آفتِ جاں ہے

(۶) عظیم

جوانے بود سپاہی پیشہ یک غزل خود در آنولہ پیش فقیر خواندہ بود سہ شعر از د انتخاب افتادہ نیست[1]۔

کارواں اشک کا ہوتا ہے رواں آنکھوں سے — تم کو کبھی آہ و فغاں ہم یہ خبر کرتے ہیں
کوئی اگر تم میں سے چلتا ہے تو آجائے شتاب — ورنہ اب یار تو کوئی دم میں سفر کرتے ہیں
کچھ نگہ میں نہیں آتا ہے بجز جلوۂ یار — جبکہ ہم دل میں عظیم اپنے نظر کرتے ہیں

(۷) عشق

شاہ گھسیٹا ئی عشق کہ در عظیم آباد بسیار بہ عزت و حرمت بسر می برد از دست۔

روز و شب تجھ سے گو ملا کیجے — چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجے
جتنے جور و ستم ہوں تو کر دیکھ — یہ نہ ہوگا کبھی گلا کیجے
دل نے مجھ کو بہت ستایا ہے — کسی کا ورسے آشنا کیجے

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا — نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
وہ آیا نظر بار ہا پر کسی نے — یہ حسرت ہے اس کا سراپا نہ دیکھا

(۱) از دست بجائے ایست (ل ح)

نہ ہو مغرور اتنا بلبلو تم — ہمارا بھی کبھی یہاں آشیاں تھا
مگر نعرہ کیا تھا عشق تو نے — زباں پہ برق کی جو(۱) الٰہ یہاں تھا

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہی ہیں — لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
کہہ بعد قتل مجھکو کس طرح چین آوے — جو حسرتیں تھیں دل میں سب خوں کی تونتیں ہیں

اوروں کا جگر یار جو تیر دل سو سئے ہے — یہ عاشق جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

اے درد دل ہی باقی نے آہ نے فغاں ہے — اے سوز عشق سچ کہہ تو ان دنوں کہاں ہے

دیکھنے(۲) بن اس کے اک دم چین سے رہتا نہیں — اس دل کافر کے ہاتھوں سخت گھبرائے ہیں ہم

اے آسماں اپنا اور یہ زمیں دونو — عاشق تو چھوڑ بیٹھے دنیا و دیں دونو

رباعی

کعبہ میں بہت خاک اڑائی ہم نے — بت خانہ میں صورت بھی نہ پائی ہم نے
آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور — دیکھا تو یونہیں عمر گنوائی ہم نے

دیگر

دنیا کے لئے نہ ترک تازی کیجے — ہر طرح سے عشق حیلہ سازی کیجے
ٹک دل میں سمجھ کے اپنے انصاف تو کر — کس زیست پہ آسی شہ بازی کیجے

---

(۱) جو الا یہاں تھا (ن ح) (۲) دیکھے دل (خ)

جب تلک اشک تھے آنکھوں سو بہائے سگو — اب نکلتے ہیں پڑے لخت جگر رونے میں
عالم عشق میں مجنوں بھی بڑا گاڑھا تھا — یار مجنوں سو بھی ہم گاڑھے ہیں رونے میں

کوئی بت کہتے ہیں اور کوئی خدا کہتے ہیں — ہم سے جو پوچھو تو دونوں سو جدا کہتے ہیں
دل کے دینے کے برابر کوئی تقصیر نہیں — جو مجھے کہتے ہیں سو یارو بجا کہتے ہیں

بات کہنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں — عشق رخصت دے تو شور حشر اب برپا کروں

حق آفتاب تاباں گو نام کو بنا ہوں — یہ پرتو اسی تیرا اٹک دیکھیں کہاں ہوں
گو نام اور نشاں ہے ظاہر ہیں یارو میرا — جو دیکھو فی الحقیقت ہوں ہم یا گماں ہوں
باتیں نہ سن تو میری جل جائے گا دوانے — میں یہ قرآں ساں ہوں یا عشق کی زباں ہوں

دل غم سے خوں ہو بہہ گیا اور آنسو تھم چلے — آتا ہو جان ابھی کوئی دم میں ہم چلے
جاتے ہوئے دم کو کوئی روکے بھلا کب تک — آتا ہے تو آجا کہ نفس باقی ہے اب تک
پہنچی ہے میاں ضعف سو یہ عشق کی حالت — جو سانس یکایک نہیں آ سکتی ہو لب تک

دل یا جگر جو رکھے سو اس سو درد یہ دو ہو — منہ دیکھو آئینہ کا جو اس کے روبرو ہو
حسرت کو دل میں مت رکھ شمشیر آزمالے — ہم مر گئے بلا سے دنیا ہو اور تو ہو
حالت کو دیکھ میری کہتے ہیں گبر و مومن — ہو مشکل اس کی آساں یارب یا یک سو ہو

مری آنکھوں میں بستا اک جہاں تھا — ڈبویا آہ اشکوں نے جو یہاں تھا
خیال غیر واں آنے نہ پایا — نفس کوچہ میں دل کے پاسباں تھا

زندگی سے تنگ آیا ہوں   بس اب آگے تو مت ستاؤ جی
وہ بگاڑے ہزار تم غیرت   اب اُسی سے بنائے جاؤ جی

(۳) غلامی

تخلص شاہ غلام محمد از قدما است۔ با شاہ حاتم دوستی داشت و اکثر مثل ایشاں بر تکیۂ شاہ تسلیم می نشست۔ شعرے از وست۔

کل جس کی نگہ تیر سی براں ہوئی دل پر   پھر آج وہی دور سے قاتل نظر آیا

حرف الفا

(۱) فراق

تخلصِ ثنار اللہ خاں برادر زادہ ہدایت خاں ہدایت جوانِ حلیم و سلیم و خوش فکر و شیریں گفتار استفادہ شعر از خواجہ میر درد کردہ بلکہ ذات شریفش را ہمیشہ از کاملانِ ایں فن قیاس میکرد آخر آخر پیشِ حسیم فقیر تحصیلِ طب کردہ نام بہ طبابت بر آوردہ چنانچہ حالا بہ حکیم ثنار اللہ خاں شہرت دارد۔ دیوانِ ریختہ اش شستہ و رُفتہ است۔ فقیر تا در شاہجہاں آباد بود رابطۂ دوستی روز بروز رو در ترقی داشت و اکثر بانی صحبتِ مشاعرہ ہا او بود۔ حق تعالیٰ آں عزیز را ہر جا کہ باشد سلامت دارد۔[1] از وست

خنجر لو ہاتھ میں نہ میاں تم کٹار لو   اس صید ناتواں کو نگاہوں ہیں مار لو

یارانِ عدم سے کوئی کہدو کہ سدھاریں   ہم پیچھے چلے آتے ہیں ہم کو نہ پکاریں

(۱) از ابکار از نکار او است (ن خ)

دیگر

مت پوچھ کہ تجھ بغیر کیونکر گذری
دل ہی جانے ہے آہ جونگر گذری

فریاد و فغان و آہ کرتے ہی رہے
اپنی تو تمام عمر یونکر گذری

حرف غین

(۱) غضنفر

غضنفر علی خاں غضنفر تخلص عرف میاں کھلو[۱] نبیرہ پسری غلام حسین خاں کردرہ کہ در اصل ایشاں کھتری بودہ اند و از مال دنیا نیز بہرہ دانی داشتند۔ جوان خلیق و خوش وضع است و بہ شاگردی قلندر بخش جرأت امتیاز تمام دارد۔ از وست۔

تصور میں ہوا اس سے دو بدو ہم
کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم

گیا اب وہ گریباں ہی کہ جس کے
سدا رہتے تھے مشتاق رفو ہم

کبھی دیکھی جو شکل تصویر مجنوں
تو گویا بیٹھے تھے بس ہو بہو ہم

کفن دے ہم کو دو آنسو بہاتا
کہ بعد از مرگ پا دیں آبرو ہم

نہ آیا مرتے دم بھی وہ غضنفر
چلے دنیا سے کیا پر آرزو ہم

(۲) غیرت

شاگرد جرأت از وست۔

یا کسی ڈھب سے آپ آجاؤ جی
یا ہمیں کو کہیں بلاؤ جی

جاں آنکھوں میں آ رہی ہے جان
اب تو صورت ہمیں دکھاؤ جی

---

(۱) کھیلو۔ (ر)

موزونیِ طبع کہ موروثی است، گاہ گاہے بروضعِ خاندانِ خود لب بزمزمۂ ریختہ می کشاید و اندکی حصہ[1] از پدر ہم دارد۔ از وست

ہمالی تو نے میری اتنی ہی صد سو خواری رکھی
کہیں اب کس سے ہم جا کر ہماری تو نے کیا رکھی

شبِ وصل آئی تھی یار و ہلوں بد لطفی سے کاٹی
ہمارے اپنے اُس نے درمیاں تلوار لا رکھی

کدورت جب بتا انداز سے نکلا ہی کیا تیرا
ہماری خاک اُس کوچہ میں تو نے کب صبا رکھی

بنائے صانعِ قدرت نے کیا کیا پھول گل بوٹے
پر اس گلبدن میں کچھ ادا سب سے جدا رکھی

دور میں ساقی ترے آ نکلے ہیں مے نوش ہم
جام خالی دے کے کیا اتنے نہیں بیہوش ہم

سر فرو لاتے نہیں ژولیدہ مویاں عشق کے
سایۂ بالِ ہما رکھتے ہیں پاپوش ہم

بے زبانی کی نہ پوچھو وجہ ہم سے کوفت میں
چوٹ کچھ ایسی لگی دل پر کہ ہیں خاموش ہم

شوق میں تیرے کنار و بوس کے اے بحرِ حسن
موج کے مانند ہو جاتے ہیں سب آغوش ہم

دل نہیں رہتا کہ چھپ کر دیکھ لیویں[2] ورنہ فیض
عمر گذری ناکسی سو اپنی ہیں روپوش ہم

گل کھا موئے جنہوں کے لئے جسمِ زار پر
دو پھول بھی نہ لائے کبھی وہ مزار پر

یاری کی مت امید رکھا کر رقیب سے
میں ایک ناتواں ہوں بھاری ہزار پر

کیا کیا طیور آکے سرِ تیر پھر گئے
کچھ ان دنوں نہیں ہے ترا دل شکار پر

یہ فیض ساری صورتیں ہیں مٹنے والیاں
مت بھول آ یہاں کے تو نقش و نگار پر

(۳) فغاں

اشرف علی خاں فغاں عرف کوکہ خاں یعنی کوکۂ احمد شاہ بادشاہ از دودۂ ساتین لقین

(۱) حصہ از عجب پدر ہم دارد۔ (ل س خ) (۲) دیکھ لوں ہیں ورنہ فیض (ل س خ)

گل سکا یہ مشت آر کہ ہو اس کفِ پا کے نزدیک   آئینہ ہو نہ سکے جس کی صفا کے نزدیک

کس زلف کا شیدا ہے مرا دل نہیں معلوم   کس چشم کا زخمی ہے یہ بسمل نہیں معلوم
ہر غنچہ میں بو ہے تری ہر گل میں ترا رنگ   جس پر بھی تری شکل و شمائل نہیں معلوم
کیا جانے کدھر کشتی لگے لختِ جگر کی   دریائے سرشک اپنے کا ساحل نہیں معلوم
سمجھائے کسی کے بھی سمجھتے ہیں دوانے   کیوں پاؤں میں پڑتی ہے سلاسل نہیں معلوم
مجنوں کے سوا دیکھئے اب دشتِ جنوں میں   ہو کون فراق اپنے مقابل نہیں معلوم

غیر کے دل میں نہ جا کیجئے گا   میری آنکھوں میں رہا کیجئے گا
کاسۂ چشم کو لے در پہ ترے   بے نوا یا نہ صدا کیجئے گا
زائرانِ حرم و دیر کبھو   میرے حق میں بھی دعا کیجئے گا
ولے اس اپنی سیہ بختی پر   خواہشِ زلفِ رسا کیجئے گا

کروں کیا وصف میں صیاد تیری خوش نگاہی کا   ہر اک دامِ نگہ میں حال ہے کیا بستہ ماہی کا
متاعِ دل فراق ارزاں ہے یوں بازارِ خوباں میں   کہ جیسے مال بکتا ہے کسی مفلس سپاہی کا

آنکھوں ہی نے اس شوخ سے پیماں راہ نکالی   ساتھ اپنے ڈبویا مجھے کیا چاہ نکالی
گو جان سے جاتے تو فراق اس کے الم میں   پر دیکھیو تو نے جو کبھو آہ نکالی

فیض ( )

میر فیض علی فیض تخلص پسر میر محمد تقی میر جوانِ صلاحیت شعار است بمقتضائے

آنکھوں نے بے سفینۂ الفت ڈبو دیا — کچھ بس نہ چل سکا تو مری جان رو دیا
کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا[1] ہیں — خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
اُس کے وصال و ہجر میں یونہی گذر گئی — دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

دلبستگی قفس سے یہانتک ہوئی مجھے — گویا مرا چمن میں کبھی آشیاں نہ تھا

تجھکو روزی ہو مری جان دعائیں لینا — مجھکو ہر شب تری زلفوں کی بلائیں لینا

فغاں نگہ[2] تری کہنے کی احتیاج نہیں — یہ عشق ایسا ہی ظالم ہے ہاں میرے صاحب

تڑپے ہو دست بسر کسی آرزو کے بیچ — ناصح نہ دیر کیجیو ہرگز رفو کے بیچ
قاتل کا داد خواہ میں کیونکر ہوں روز حشر — لو ہو مرا بہا ہی دیا تست و شو کے بیچ

لکھا ہے نامہ بر و رو دیوار یار پر — گزرا جو کچھ الم دلِ امیدوار پر
ممکن نہیں کہ غیر نہ ہووے رکاب میں — تجھکو خدا نہ لائے ہمارے مزار پر
کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں — یہانتک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار پر

کبھی نہ گل سے محبت نہ بو سے ہی اخلاص — تجھے بھی دہر میں ظالم کسو سے ہی اخلاص

دیکھئے خاک میں مجنوں کی اثر ہے کہ نہیں — دشت میں ناقۂ لیلیٰ کا گذر ہے کہ نہیں

---

(۱) سے ۔ (ن خ) (۲) نگہہ (ل ح) (۳) مرا (ل ح)

است۔ شعر را بہ صفائی تمام می گوید و نسبت شاگردی بہ ندیم می رساند چنانچہ خود گفتہ ۔

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغاں ۔۔۔ دو دن کے بعد دیکھو استاد ہوئے گا

ورایامیکہ بہ سبب تفرقہ شاہ از شاہجہاں آباد برآمدہ بہ طرف پورب گذر افگند و معرفت میر محمد نعیم خاں کہ ہم مکتب ایشاں بود بہ ملازمت نواب شجاع الدولہ بہادر رسید یکے از مقربان گردید۔ دریہاں نزد سے روتے نواب وزیر دستش را دریعالم اختلاط بہ قلیں سوختند آب دردیدہ گردانید و ہیچ نہ گفت و آخر بہمیں حرکت آزردہ شدہ بہ طرف عظیم آباد رفت و در سرکار راجہ شتاب رائے بہ ندامت پیشگی پیش آمدہ اقتدار کلی بہم نیز بود چند سال است کہ ہماں جا زندگانی را جواب دادہ۔ از دست ۔

مت قصد کر صبا تو دل داغدار کا ۔۔۔ ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا

کرتا ہے وصل میں ورد دیوار پر نظر ۔۔۔ تجھکو مزا پڑا ہے فغاں انتظار کا

عالم کو جلاتی ہے تری گرمیٔ بازار ۔۔۔ مرتے ہم اگر سایۂ دیوار نہ ہوتا

رفتہ رفتہ بہت خوش قد مرا آفت ہوگا ۔۔۔ قدم آگے جو رکھے گا تو قیامت ہوگا

کیا سبب ہے کہ نہ آیا مرے نامہ کا جواب ۔۔۔ خیر ہو یا رکی قاصد تو سلامت ہوگا

ایسی نگاہ کی کہ مرا جی نکل گیا ۔۔۔ قصہ مٹا، عذاب سے چھوٹے خلل گیا

آئی بہار پھر تو یہ سن لیجیو فغاں ۔۔۔ زنجیر کو تڑا کے[1] دوانا نکل گیا

آنا ہمارے گھر میں تجھے عار ہوگیا ۔۔۔ ایسا فغاں کے نام سے بیزار ہوگیا

(۱) توڑا کے۔ (ن ح)

واماندگانِ راہِ عدم گوش کیجیو
بانگِ جرس نہیں یہ ہے فریادِ رفتگاں

رکھتا ہے دوست چرخ مرے دودِ آہ کو
زلفِ سیہ سے ربط ہے بختِ سیاہ کو
مہرِ علی ہے دل میں نہ کر خوفِ روزِ حشر
تو لے چلا ہے ساتھ فغاں زادِ راہ کو

صیاد راہِ باغ فراموش ہو گئی
کنجِ قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو

تقویت ہے داغ سے میرے دلِ بیمار کو
اے فلاطوں کیا مرض کہتے ہیں اس آزار کو
نقدِ دل لے کر فغاں کا چھوڑ دینا ہے عبث
گرم کرتی ہے خریداری ترے بازار کو

مجھ مبتلا کی چشم کہاں تک پُر آب ہو
اے دل خدا کرے ترا خانہ خراب ہو
جم جم پلائے دوست مجھے روز جامِ مے
تو مست رہ فغاں ترا دشمن خراب ہو

کہتے ہیں فصلِ گل تو چمن سے گذر گئی
اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی
شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشکِ سرخ کا
تیری کب آستین مرے لہو سے بھر گئی
تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں
انصاف تو نہ چھوڑ مروت اگر گئی
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے
یوں بھی گذر گئی مری ووں بھی گذر گئی
آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا
وہ کیا ہوئے تپاک وہ الفت کدھر گئی

ڈرتا ہوں محبت میں مرا نام نہ ہووے
دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے
شمشیر کوئی تیز سی لینا مرے قاتل
ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہ ہووے

توشۂ راہ سبھی ہم سفراں رکھتے ہیں
تیرے دامن میں فغاں لخت جگر ہر گز نہیں

عاجز ہوں تیرے ہاتھ سے کیا کام کروں میں
کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں

گر روزِ جزا داغِ شبِ ہجر دکھاؤں
تو صبحِ قیامت کے تئیں شام کروں میں

تا حشر نہ کم ہووے گی ظالم تپشِ دل
کافر ہوں اگر گور میں آرام کروں میں

جاتا ہے فغاں قافلۂ ہم نفساں کل
کچھ راہ کے چلنے کا سرانجام کروں میں

ہو کر ترے قفس سے میں آزاد کیا کروں
بے بال و پر ہوں لے کے صیاد کیا کروں

نے زندگی میں وصل میسر نہ بعدِ مرگ
عاجز ہوا ہوں لے کے دلِ ناشاد کیا کروں

مبتلائے عشق کو اے ہمدماں شادی کہاں
آگئے اب تو گرفتاری میں آزادی کہاں

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں
لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں

بادِ صبا تو عقدہ کشا اُس کی ہو جیو
مجھ سا گرفتہ دل اگر آ دے نظر کہیں

ایذا فغاں کے حق میں یہاں تک روا نہ رکھ
ظالم یہ کیا ستم ہے خدا سے تو ڈر کہیں

رونا جہاں تلک تھا مری جان رو چکا
مطلق نہیں ہے چشم میں نم کا اثر کہیں

باور اگر نہیں تجھے آتا تو دیکھ لے
آنسو کہیں ڈھلک گئے لخت جگر کہیں

نہ دل چمن میں لگے ہے نہ کوہ و صحرا میں
کوئی مکاں بھی میرے لئے ہے دنیا میں

کیا تجھ سے خوش رہے دلِ ناشادِ رفتگاں
اتنا بھی تو نہیں کہ کرے یادِ رفتگاں

ظالم تجھے قسم ہے جو اُس کو جلا نہ دے ‏ یہ دل بھی دل نہ ہووے جو تجھکو دعا نہ دے
قاتل کے کیوں قدم سے تڑپ کر پڑا ہے دور ‏ بسمل تو اپنے ہاتھ سے شرطِ وفا نہ دے
بے طرح جوشِ گل نے لگائی چمن میں آگ ‏ ڈرتا ہوں آشیانہ کو کا فر جلا نہ دے
تیرے ہی دل سے پوچھئے اس غم کو ہاں فغاں ‏ الفت بُری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

اثر کرتی نہیں اُس بت کے دل میں آہ کیا کیجے ‏ عجب حالت ہے میری اے مرے اللہ کیا کیجے

یار اگر جفا کرے چاہئے دل وفا کرے ‏ یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے

میں اپنے دردِ دل کہنے کے صدقے ‏ ترے سُن سُن کے چپ رہنے کے صدقے

نہ کھولئے ترے بندِ قبا تو کیا کیجے ‏ دلِ گرفتہ کو ظالم کبھی تو وا کیجے

نے ہمیں گل سے غرض ہے نہ تمنائے چمن ‏ کیا اسیرانِ قفس کے تئیں پروائے چمن

ترے فراق میں کیونکر یہ دردناک جئے ‏ مرے تو مر نہیں سکتا جئے تو خاک جئے

(۴) فدوی

محمد محسن فدوی تخلص ولد میر غلام مصطفےٰ خان قوم سید حسینی به لاہور تولد یافته و شانزده ساله در سنِ آمدِ فرخ سیر از میلادِ خود به شاہجہان آباد آمده۔ فدوی قدیم ہمیں است در شعر شاگردِ شاه مبارک آبرو بوده۔ طرزِ شعر بطورِ قدما اکثر منتظم با یہام است و اتر بسکه

آتا ہو مری خاک پہ ہمراہِ رقیباں — یعنی اُسے تربت میں بھی آرام نہ ہووے
جی دیتا ہے بوسہ کی توقع پہ فغاں تو — ٹک دیکھیو سودا یہ ترا خام نہ ہووے

صنم نامہرباں ہے اس قدر رحہ غضب کیا ہے — مری تقصیر کچھ ثابت نہیں اے میرے رب کیا ہے
قدم پر ہاتھ جب رکھتا ہوں یوں کہتا ہے جھنجلا کر — یہ گستاخی مجھے بھاتی نہیں اے بے ادب کیا ہے
صبا ہر ایک گل سے پوچھیو گلشن میں تو جا کر — گریباں چاک رہتا ہے فغاں اس کا سبب کیا ہے

دل زلف میں الجھے مجھے آرام یہی ہے — میں صیدِ بلاکش ہوں مرا دام یہی ہے
کر چاک گریباں تجھے ہر صبح دکھاؤں — میں عاشقِ صادق ہوں مرا کام یہی ہے
بھر لیجیو دامن میں فغاں لختِ جگر کو — ہم خانہ بدوشوں کا سرانجام یہی ہے

قاصد تو نا امید پھرا کوئے یار سے — خفت ہوئی ہے مجھے دلِ امیدوار سے
کل دیکھتا ہوں کیا کہ سرِ راہ ایک شخص — کہنے لگا فغاں نہیں شاکی تو یار سے
میں نے دیا جواب کہ سنتا ہے اے عزیز — ہے دور مرتبہ مرے صبر و قرار سے

یہ فن کسے نہیں آتا کہ دل میں راہ کرے — فغاں میں اُس کے تصدق ہوں جو نباہ کرے

وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں آپ چاہیئے — اپنی طرف سے ہاں[۱] مرے صاحب نباہیئے
مر جایئے کسی کو نہ دنیا میں چاہیئے — کیا کیا ستم سہے مری چھاتی سراہیئے

---

(۱) اے مرے صاحب (ن خ)

تفنگ . رنزیده - اکثر اعضایش دیدم کہ مجروح بودند - درایامیکہ از شاہجہاں آباد در کھیتر[1] آمد درآں روزہا فقیر در آنولہ بود کہ شورش او بہ سمع رسیدہ آخر روزے برائے دیدنش رفتم او باشِ چند گرد او نشستہ دیدم صحبتِ شعر میان آمد بعد چند روزے شنیدم کہ بہ سرکار نواب محمد یار خاں کہ ذکر ایشاں گذشت نوکر شد ہر گاہ بعد دو سہ ماہ میاں محمد قائم وغیرہ و فقیر ہم بارباب مجلسِ ایشاں شدند بہ سبب برہم زدگی مزاج نواب کہ بیانِ آں موجب تطویل است برخاستہ رفت و بعد شکستِ ضابطہ خان در سکرتال از مرہٹہ ہا باجل طبعی در قصبہ مراد آباد درگذشت - غرض ازینجا ہ متجاوز خواہد بود در گفتنِ قطعہ طویل در ہر غزل یدِ طولیٰ داشت و نازش شاعری او اکثر برہمیں بود حسب الفرمائش نواب ضابطہ خاں کہ پیش ازیں چندے رفیق ایشاں نیز بودہ است مثنوئ زلیخا را بزبانِ ہندی نظم میکرد چنانچہ او ناتمام ماندہ . کلامش بر زبان بازاریان بسیار دائر و سائر است - از کلام او چند اشعار کہ بہم رسید ایں است -

ابرو کی تیرے تیغ سی سورج ڈرے ہوئے　　　پھرتا ہے اپنے منہ پہ سپر کو دھرے ہوئے

قامت کو تیرے دیکھ مصور نے بافسوس　　　کھینچی قلم آہ سے تصویر ہوا پر

ٹلتے ہیں کوئی ہاتھ چلے یا زباں چلے　　　ہم دادخواہ ساتھ ہیں اُس کے جہاں چلے
کیا ہمسری ہو تیر کی اس تیر آہ سے　　　یہ[2] یہی تیر ہے کہ سدا بے کماں چلے
سر پر تو دھر کے نعش ہماری کو تا مزار　　　ہر اک قدم پہ روتے ہوئے خونفشاں چلے
لائے تھے سر پہ دھر کے کس اخلاص سے ہمیں　　　بس آنکھ اوجھل ہوتے ہی اے دوستاں چلے
یاروں نے اپنی راہ لی فدوی کہیں رہے　　　وہ چیز اب کہاں ہے کہ پوچھے کہاں چلے

---

(۱) کیتھر - (ن خ) (ں) یہ ہی ہے تیر ایک (ر)

بزرگانش درویش بوده اند خود ہم اوقات به درویشی گزرانیده و ہرگز نوکری نہ کرد
شاعر را بخوبی می نوازد ۔ تا فقیر در شاہجہاں آباد بود گاہ گاہے بر سر کوچہ و راہ
ملاقات می شد ۔ از وست ۔

یار جو ہم سے سدا چیں بجبیں رہتا ہے
نہیں معلوم بلا کونسی پیش آئی ہے

(۵) فدوی عظیم آبادی

از نامش اطلاع ندارم ۔ از وست

وہ کافر ہماری شب تار ہے
جسے دیکھنا صبح کا عار ہے

ہو ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم[1] سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

قطعہ

شب ہجراں کی اور تو فدوی
ہم سے تقصیر کر نہیں آتی
پر یہ وہ رات ہے کہ جس کی ہمیں
صبح ہوتی نظر نہیں آتی

(۶) فدوی لاہوری

شاگرد صابر علی شاہ صابر تخلص گوبند بقال پسری بود تو مسلمان شدہ و بہ غلامی
مرزائی نام برآوردہ و تربیت یافتہ ۔ مرزا محمد رفیع در ہجو او کہ مذکور بقال در بوم آوردہ
این کنایہ دلیلِ ساطع بر مقولہ مؤلف است ۔ الحاصل چوں از آں طرف آوردہ شدہ
بہ ملک ہندوستان رسید و دعوائے شاعری[2] در دماغش جا داشت و زیادہ از مرتبہ
شاعری قدم در راہِ امرد پرستی می گزاشت چند جا خانہ جنگی ہم کردہ و بہ کودکان حسین

(۱) ان خ میں "محروم" ہے لیکن حاشیہ پر "مرحوم" ۔ (۲) شاعری تھیلے در دماغش (ان خ)

مجھ پہ یہ ظلم یہ جفا باعث — کچھ تو میں بھی سنوں بھلا باعث
ایک تقصیر بھی تو ثابت ہو — بے جہت رہتے ہو خفا باعث

(۸) فدا(۱)

مرزا فدا علی حسین خاں فدا تخلص ولد آقا مرزا نبیرۂ نواب حاتم خاں در اولاد سلطان قرا نوالہ شاہزادہ ایسہ در علم رمل بے نظیر و در فن طبابت وغیرہ دستگاہ نیز دارد جوان شائستہ، عمرش دریں زمانہ بست و دو سالہ باشد کہ از ابتدا اشعار خود را بہ پسر قمرالدین منت و والد او ہم می نمود و از چندے بسبب قرب جوار غزلہائے خود بہ تقصیر

(۱) فدا کے حالات کے متعلق نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے لہذا اختلافی عبارتیں رامپور اور خدابخش کے نسخوں کی ذیل میں نقل کر دی جاتی ہیں۔
(نسخہ رامپور) مرزا فدا حسین فدا تخلص قوم مغل اللہ وردی خانی ولد آقا مرزا کہ ایشاں در فن رمل نظیر خود ندارند جوان شائستہ عمرش دریں زمانہ بست سالہ خواہد بود کہ از ابتدا اشعار خود را بہ پسر میر قمرالدین منت یعنی میر نظام الدین می نماید و از چندے بسبب قرب وجوار رجوع ایں امر بہ تقصیر ہم دارد، و غزل درست لیتہ بہ سرانجام می رساند۔

(نسخہ خدابخش) مرزا فدا حسین خاں فدا تخلص نبیرۂ نواب حاتم خاں ابن نواب غضنفر خاں در اولاد سلطان قرا نوالہ شاہزادہ دشت قبچاق بود جوان شائستہ عمرش دریں زمانہ بست سالہ خواہد بود کہ از ابتدائے اشعار خود را بہ پسر میر قمرالدین یعنی میر نظام الدین می نماید و از چندے بسبب قرب وجوار رجوع ایں امر بہ تقصیر ہم دارد و غزل درست بستہ بہ سرانجام می رساند ازوست۔

(ں) فدا حسین (ر)

یہ سرو نہیں باغ میں ہے آہ کسی کی — نرگس نہیں تکتا ہے چمن راہ کسی کی

دیکھ کر ناقۂ لیلیٰ کو پکارا مجنوں — مر گئے مشق جنوں دشت میں کرتے کرتے
ایک دن اُس نے دکھائی تھی مجھے گردش چشم — وہ ادا یاد رہی یار کی مرتے مرتے
نہیں تاب خموشی ہے نہ یارائے سخن — بات بھی تجھ سے جو کہتے ہیں سو ڈرتے ڈرتے
کس کو جینے کی توقع ہے بقول فدوی — عمر آخر ہوئی پیمانہ ہی بھرتے بھرتے

آنسو نہیں یہ دیدۂ تر میں بھرے ہوئے — موتی ہیں آبدار صدف میں دھرے ہوئے
خالی کرا اُن کو دل کے نشانہ یہ ایک بار — ترکش ترے مژہ کے ہیں جاویں بھرے ہوئے
فدوی ہمارے دیدۂ گریاں کے فیض سے — اشجار کوہ و دشت کے یکسر ہرے ہوئے

تماشا ہو اگر آئینہ بے زنگار ہویدا — تحیر کے مکاں سے عکس روئے یار ہویدا
کھُلے بالوں میں یوں چمکے ہے تیرا عارض رخشاں — کہ جوں ابر سیہ میں برق سو سو بار ہویدا
جسے کچھ نکتۂ تحقیق سے پہنچے خبر فدوی — اُسی کے دل میں عشق حیدر کرار ہویدا

سب اہل جہاں پھرتے ہیں غمناک زمیں پر — اوقات کوئی کاٹے گا کیا خاک زمیں پر

(۷) فدوی

مرزا عظیم بیگ سوداگر کہ او ہم فدوی تخلص میکرد چند شعر از و بہم رسیدہ اینست۔

یار گوشہ میں ہے اور عیش سے مایوسی ہے — نقش پا تک بھی مرے در پئے جاسوسی ہے

بیمارِ غم کا تیرے سب کر چکے ہیں چارا　　دیدار یار تیرا اب دیکھنا ہے باقی
گو چھوڑ کر فدا کو پہلے ہی تم سدھارے　　اس کے بھی ہمرہوں کا اک قافلا ہے باقی

قسم تو کھائی ہے بولنے کی یہ مجھکو دیجے جواب آتنا　　کیا ہے کیا جرم ہم نے ایسا ہوا ہے جس پر عتاب آتنا

نہیں⁽¹⁾ ہے باقی کوئی تمنا ہمیں تو ہر طور یاس ہیگی　　نہ اپنے جینے کا ہے بھروسا نہ اسکے ملنے کی آس ہیگی

غیر کی تم نے کی خوشی اور ہمیں خفا کیا　　خوب کیا بھلا کیا خیر بہت بجا کیا

کچھ اپنے تو نزدیک خطا ہم نہیں کرتے　(۲)　آپ ہی ہو خفا تم کو خفا ہم نہیں کرتے
میں بھی جو کسی بات میں بولا کہ کروں یوں　(۳)　تو کہنے لگے تیرا کہا ہم نہیں کرتے
میں نے جو کہا عفو کر اب میری تقصیر　(۴)　یوں سر کو ہلا ہنس کے کہا ہم نہیں کرتے
مختار رہا ہے وہی ہم تو ہیں بے بس　(۵)　واللہ جو کرتے ہیں فدا ہم نہیں کرتے

تیروں کا ان بتوں کی دل آماجگاہ ہے　　یہاں آہ آہ کرتے ہیں واں واہ واہ ہے
واں ہمکنار غیر سے وہ رشکِ ماہ ہے　　یہاں کنجِ غم میں شکوۂ بخت سیاہ ہے
ظالم یہ جرم دل ہے کہ عاشق ترا ہوا　　قتل فدا عبث ہے کہ یہ بے گناہ ہے

دل تو اب آ کے لگا تجھ سی ستمگار کے ساتھ　(۶)　دل لگے تو ہی بتا کون سے دلدار کے ساتھ
دشتِ مشاطہ نہ یوں کھینچ تو بیدردی سے　(۷)　جاں ہے وابستہ مری طرۂ طرار کے ساتھ

---

(۱) یہ شعر اصل کتاب میں نہیں ہے۔ (۲) ن ح میں اشعار ۲ تا ۷ بھی شامل ہیں۔

می نماید چنانچہ در فن شعر ہم بدرستی سلیقہ دارد۔ ازوست۔

خفا ہم آپ ہیں اس سے یہ دم رہے نہ رہے	ترے فراق میں اے یار ہم رہے نہ رہے

چاہت سے بے خبر ہے ہمارے ہی تو یا حیف	ہم چاہیں اور ہمیں تو نہ چاہے ہزار حیف

جو ادھر کو گذر تیرا کبھی باد صبا ہو گا	تو کہیو جاں کنی میں تھا فدا اب مر چکا ہو گا

نہیں کھاتا وہ قسم غیر کے گھر جانے کی	سچ جو پوچھو تو یہی بات ہے مر جانے کی

کس طرح عمر بسر کیجئے دلدار بغیر	زندگانی[1] نظر آتی ہے نہیں یار بغیر
تیرے بیمار کو کیا شربتِ عیسیٰ سے ہو	(۲) کچھ دوا اُس کی نہیں شربتِ دیدار بغیر
کر علاج اے لب جاں بخش شتابی اپنا	(۳) ہم تو بیمار ہیں اس نرگسِ بیمار بغیر
ہوں فدا جب سے میں دیوانۂ گیسوئے بتاں	(۴) چین آتا نہیں زنجیر کی جھنکار بغیر

اے تو ہی کچھ عزیز نہیں تجھ سے یار دل	قربان تیری جان پہ ایسے ہزار دل

ناکام کیا رہیں گے کچھ کام کر رہیں گے	بدنام ہوں گے تو بھی اک نام کر رہیں گے
دل تو دیا ہے جان بھی دیں گے فدا ہم آخر	آغازِ عشق کا کچھ انجام کر رہیں گے

طاقت تو اب کہاں ہے اک دم رہا ہے باقی	اس ناتواں میں تیرے لے دیکھ کیا ہے باقی

---

(۱) زندگی تو نظر آتی ہی نہیں یار بغیر (ن ح) (۲) اشعار از ۲ تا ۴ ن ح میں نہیں ہیں۔

کہو اُس بیوفا سے یہ تو تم سے دوستاں ہوگا
کہ اے نامہرباں پھر بھی کسو پر مہرباں ہوگا

رہائی[1] دام سے صیاد کے دشوار ہے ہم کو
چمن میں دیکھئے پھر بھی ہمارا آشیاں ہوگا

چلوں کیا بہر طوفِ کعبہ باندھ احرام میں زاہد
کہ کافر دل مرا واں بھی پرستارِ بتاں ہوگا

کیا کروں جاؤں کہاں کہہ اے بتِ خود کام میں
عشق میں تیرے ہوا ہوں جابجا بدنام میں

نا کوئی قاصد نہ مرغِ نامہ[2] بر نا ہے صبا
کس طرح سے یار کو بھیجوں فدا پیغام میں

موئے افسوس ہم دردِ نہاں کس سے عیاں کرتے
یہ حسرت رہ گئی کچھ دردِ دل اُس سے بیاں کرتے

اگر قیدِ قفس سے چھوٹتے جیتے تو ہم کیا
چمن میں پھر گلوں کے پاس اپنے آشیاں کرتے

اگر جیتے جنوں میں اب کے ہم تو اشکِ خونیں سے
ہر اک جنگل فدا رو رو کے مثلِ گلستاں کرتے

دوستاں[3] دور کرو دردِ نہانی کو مرے
مجھ تلک لاؤ کسی طرح سے جانی کو مرے

روز خواہش میں ترے وصل کی میں مرتا ہوں
نامہ بر کہیو یہ پیغام زبانی کو مرے

سالہا جس کے لئے گریۂ یعقوب کیا
کوئی لاتا نہیں اُس یوسفِ ثانی کو مرے

باغ میں گل کی ادا دیکھ جو میں مر ہی گیا
بلبلیں آئیں فدا مرثیہ خوانی کو مرے

جب تلک تو ہی مرے درد کا چارا نہ کرے
زندگانی ہی کو دل اپنا گوارا نہ کرے

بیوفا یار کو کس طرح سے میں سمجھاؤں
تا مرے روبرو غیروں سے اشارا نہ کرے

---

(۱) ن ح میں یہ شعر ندارد اس کی جگہ یہ شعر ہے ؎

بہار آئی ہے اب کے خوب سا دیوانپن کر لیں
کہ یہ شورِ جنوں اور موسمِ گل پھر کہاں ہوگا

(۲) مرغِ نامہ بر سے ہے تو صبا (ن خ) (۳) یہاں سے فدا کے باقی تمام اشعار ن ح میں نہیں ہیں

مبتلا عشق کا اک شخص فدا نام جو تھا (۱) مرگیا سر کو ٹپک کر کسی دیوار کے ساتھ

ہوش و حواس گم ہیں بیخود ہیں بیخبر ہیں (۲) کیا جانتے کون ہیں ہم کس جا ہیں اور کدھر ہیں
دولت سے عشق کی ہم سلطانِ بحر و بر ہیں (۳) سینہ ہوا ہے بے غم آنکھیں تمام تر ہیں
لے آہ نیزہ بازی سینہ میں بیچ کے کچھ (۴) لبریز آبلوں سے اپنے دل و جگر ہیں

شفا پاوے ابھی بیمار تیرا جو دیکھے اک نظر دیدار تیرا

یہ مرض قابلِ شفا ہی نہیں (۵) درد میرے کی کچھ دوا ہی نہیں
مجھکو اب تجھ سے کچھ گلا ہی نہیں (۶) تو تو وہ آشنا رہا ہی نہیں
ساتھ غیروں کے ہے نظر بازی (۷) کبھی ادھر کو دیکھتا ہی نہیں
تاب و طاقت نے ہی جواب دیا (۸) کیا رہا اب تو کچھ رہا ہی نہیں
سیکڑوں کشتۂ تغافل ہیں (۹) کہتے ہو میں نے کچھ کیا ہی نہیں
کیا کوئی سر جھکا کے ہوتے ذلیل (۱۰) ہاتھ تیرا کبھی اٹھا ہی نہیں
خونِ دل اب تو بیٹھے پیتے ہیں (۱۱) زندگانی کا کچھ مزا ہی نہیں
اور ہی اُس کی ہوگئی ہیئت (۱۲) کل جو دیکھا تو وہ فدا ہی نہیں

جو پائے وصالِ یار ہیں ہم (۱۳) رسوا و ذلیل و خوار ہیں ہم
تیری جو نگاہ میں سبک ہیں (۱۴) ہر ایک کے جی پہ بار ہیں ہم
دل کو نہ قرار ہے نہ ہے صبر (۱۵) بے صبر ہیں بے قرار ہیں ہم

---

(۱) اشعار ۱ تا ۱۵ ان ح میں ندارد

جو مسجدیں بھی بناؤ تو نیک نیت سے | کرے نہ زلزلہ جن کے کلس تہ و بالا
قدآ یہ آہ تھی کیسی ابھی جو کی تو نے | جگر کی ہو گئی ہر اک نس تہ و بالا

شق جو قبریں ہیں انھیں سمجھو نہ گل کا اضطراب | مر مٹے پر بھی نہیں مٹتا ہے دل کا اضطراب
رہ گیا آتش پہ جم کر کس طرح سے یہ سپند | کھو دیا کس نے ترے عارض کے تل کا اضطراب

حرف قاف

(۱) قدرت[۱]

مولوی قدرت اللہ قدرت تخلص درعربی وطبابت مہارت تام دارد، بندہ اورا تا در شاہجہاں آباد بود اکثر میدید۔ بمیان ثنا راللہ خاں فراق ماسوائے شاگردی واُشنائی دوستی تام داشت۔ از وست۔

زلفوں میں اگر دل یہ گرفتار نہ ہوتا | یوں روز مرا آہ شب تار نہ ہوتا
ہم دام میں پھنستے ترے صیاد تب آکر | رہنا جو قفس میں ہمیں دشوار نہ ہوتا

(۲) قدرت

مولوی قدرت اللہ قدرت تخلص مولف تذکرۂ ہندی گویان کہ بالفعل در زمرۂ استقامت دارد۔ فقیر اورا دریافتہ ہے رفاقتِ نواب محمد یار خاں عزو امتیاز داشت پیش محمد قائم رو ترسے و یدہ بود از وست۔

لاکھوں جلا دے مردۂ صد سالہ آن میں | فیضِ دمِ مسیح ہے اُس کی زبان میں

(۱) قدرت کی جگہ ن سخ میں قائم ہے۔

کون پہنچائے مرا نامہ و پیغام اُسے — جس کے کوچہ میں کبوتر بھی گذارا نہ کرے
میں تو اُس سے نہ ملوں ہائے کروں اسکو کیا — اُس کی الفت جو مرے دل سے کنارا نہ کرے

اُس جفا کار کی جس وقت مجھے یاد آئی — آہ لب پر وہیں کرتے ہوئے فریاد آئی
تیرا سایہ طرفِ آبِ رواں دیکھا تھا — ہر شناور کو نظر شکلِ پریزاد آئی
باغ میں چاک گریباں ہر اک گل نے کیا — جبکہ بلبل بہ گرفتاریِ صیاد آئی
قتل پر میرے تو انگشت بدنداں جو ہوا — آج کیا جی میں ترے اے مرے جلاد آئی
شب جو اک موئے مژہ اس کا میں لے آیا تھا — اک پری خواب میں لے خنجرِ فولاد آئی
اک بگولا سا گلستاں کی طرف اُٹھتا تھا — کل صبا خاک مری کر کے جو برباد آئی
آگے اُس بت کے فدا طاقتِ گفتار رہی کب — بات کہنی مجھے اُس وقت خدا داد آئی

موئے مژگانِ بتاں خنجرِ فولاد ہیں سب — خوبرو جتنے ہیں حق میں مرے جلاد ہیں سب
اب پسینے کی جگہ خوں ہے بدن سے جاری — بال گویا کہ مرے نشترِ فصاد ہیں سب
شاعری چھٹ ہی گئی میں نے کئے علم حصول — لیکن اُس کے بھی جو ہیں قاعدے وہ یاد ہیں سب
لکھنؤ ہی یہ برا شہر جہاں مجھ سا شخص — یوں ہے برباد بلا سے اگر آباد ہیں سب
میں نہ دیکھوں گا فدا شکلِ پریرویوں کی — طائرِ دل کے لئے میرے یہ صیاد ہیں سب

قفس میں جیسے ہو مرغِ قفس تہ و بالا — کرے ہے دل کو یہ بانگِ جرس تہ و بالا
کسے ہے چین کشاکش میں بحرِ ہستی کی — حباب وار ہیں سب ہم نفس تہ و بالا
سحر کو فکرِ معاش اور شب کو عشقِ بتاں — ہمیشہ دل کو رکھے ہے ہوس تہ و بالا
ہماری آنکھوں نے اب کے جو خشک سالی کی — تو لوگ کیسے ہوئے اس برس تہ و بالا

چاہت کی لذتوں سے جو لوگ بے خبر ہیں　　　صد حیف اُن کا جینا وہ کون بے ثمر ہیں

دلِ مضطرب کا دیکھا عجب اضطراب اُٹّا　　　ہوا اور مضطر اُس سے جو ذرا نقاب اُلٹا

ہو آنا تیرے کوچہ میں اپنا شعار رہے　　　ملنا نہ ملنا آگے ترا اختیار رہے

سنگِ جفا سے شیشۂ دل توڑ تاڑ کر　　　بس اُٹھ چلے نہ کھیل کو پیارے بگاڑ کر

تن پر مرے زخموں سے جا گہ نہیں خالی ہے　　　اور ہائے ستم اُس نے پھر تیغ سنبھالی ہے

وہاں وہی نازکی اک آن چلی جاتی ہے　　　شدتِ شوق سے یہاں جان چلی جاتی ہے
کونسا رشکِ چمن باغ سے کرتا ہے سفر　　　جو صبا بے سر و سامان چلی جاتی ہے
کوئی جھڑکی ہمیں دے ہے کوئی دے ہے دشنام　　　عشق میں اپنی بھی گذران چلی جاتی ہے

رہی تن من کی سدھ ہم کو نہ جن کی یادگاری میں　　　بھلائیں وہ نہیں تجھ پر ڈیں پھر ایسی یاری میں

شبِ فراق میں پریتم جو مجھ سے یار رہا　　　تو میں فراق نصیب اپنے من کو مار رہا

(۳۰) قدرت

شاہ قدرت اللہ قدرت تخلص کہ بطرف عظیم آباد قیام دارد شخص کہنہ مشق و با قوت وقدرت است۔ اما فقیر او را ندیدہ۔ یک عرش کہ برا النہ صغیر و کبیر جاریست و شہرت تمام

نکلی تھی رات دل سے مرے بیدریغ آہ ‏ ہنگامہ ایک پڑ گیا ہفت آسمان میں
انصاف بھی ضرور ہے یہ ظلم تا کجا ‏ لاکھوں کے گھر تو جاتے رہے امتحان میں

(۳) قیس

مرزا احمد علی بیگ عرف مدارا بیگ قیس تخلص ولد مرزا مراد علی بیگ ابن داؤد بیگ کہ سوداگرِ متمول بود، نبیرۂ مرزا عاقل بیگ کلید دارِ روضۂ امام موسیٰ رضاؑ۔ وطن بزرگانش مشہدِ مقدس و خودش بہ لکھنؤ فیض آباد تولد و نشو و نما یافتہ۔ بمقتضائے موزونیِ طبع ہرچہ کہ موزوں کردہ از نظرِ جعفر علی حسرت گذرانیدہ۔ از وست۔

میں کہوں کچھ اور تیری گفتگو کچھ اور ہے ‏ ہو گیا کچھ اور میں یا آج تو کچھ اور ہے
ایک تو اس دل کے ہاتھوں آ بنے گی جان پہ ‏ واں ارادہ اور کچھ یہاں آرزو کچھ اور ہے
دل تو ہم سے لے چکا ہے وہ کہے گا ہم نشیں ‏ اب تلاشِ دل نہیں ہے جستجو کچھ اور ہے
شاید اُس گل سے کیا ہے تم نے شب بوس و کنار ‏ آج تو اے قیس تیرا رنگِ رو کچھ اور ہے

بات گئی ہاتھ پھر آتی نہیں ‏ یار گیا جان تو جاتی نہیں
باغ میں کس گل کی ہے آمد کہ جو ‏ نکہتِ گل پھولی سماتی نہیں
جب سے ہوا غیر کا وہاں بندوبست ‏ خیر و خبر دل کی کچھ آتی نہیں
جب سے لگی اُس بتِ کافر سے آنکھ ‏ موت تو کیا نیند بھی آتی نہیں
داغ یہ تو داغ جو کھاتا ہے قیس ‏ کیا تری چھاتی کی تو چھاتی نہیں

یہ صیت ہے مرا احوال گر تو ع دگر ہووے ‏ تو مجھکو دفن واں کیجو جہاں اُس کا گذر ہووے

سینہ اُس کا ہے دل اُس کا ہے جگر اُس کا ہے　　تیر سیدا دھر جدھر رو کرے گھر اُس کا ہے

تپک دی مری آہ پہلے قدم میں　　میں قوت تری اے اثر آزمائی

(۵) قایم

قیام الدین علی[1] قایم تخلص اگرچہ وطنش قصبۂ چاندپور است امّا بہ سبب توسل نوکری بادشاہی اکثر در شاہجہاں آباد می بود و در آں روزہا در توپخانہ ہم اسامی داشت بمقتضائے موزونی طبع و استعداد درست آنچہ کہ موزوں می کرد از نظر مرزا رفیع می گزرانید و بہ خواجہ میر درد نیز اعتقاد داشتہ[2]۔ فقیر او را در ایام دو[3] موئی بہ لباس درویشی در سرکار نواب محمد یار خاں کہ در آں روز ہا تازہ وارد بود دیدہ - در پختگی کلام و چستی مصراع غزل و ردیفہ قصیدہ و مثنوی وغیرہ موافق رواج زمانہ دوش بدوش استاد راہ میرود بلکہ در بعض مقام غلبہ[3] میجوید در آں ایام باعث قصیدہ خواندن و نوکر شدن مولف در سرکار نواب موصوف ایں بزرگ شدہ بود، با فقیر در عرصہ قلیل بہ سبب سلیم مزاجی و نسبت تام شاعری رابطۂ شدید بہم رسانیدہ - کاغذہائے مسودۂ اشعار نواب را کہ برائے اصلاح پیش او می آمد از کم دماغی بدست مشورۂ فقیر می داد چنانچہ سہ ماہ ہمیں طور یکجا گزرانیدہ ام و شام و چاشت بیک سفرہ کردہ، واللہ کہ یاد آں صحبت گذشتہ داغ ناکامی بر دل درد مند می گذارد الحاصل بعد برہم خوردن آبادی کہنہ[4] و صورت گرفتن کار فیض اللہ خاں امیر والہ سرکار نواب احمد یار خاں پسر نواب موصوف دخیل شدہ چیزے موافق زمانہ تقرر داشت - اما اوقاتش در آں بہ فراغت نمی گذشت لہذا برائے رہا کردن دیہات قدیم ملک و یومیہ وغیرہ قصہ مذکور بر لکھنؤ گذر انگندہ و از راجہ ٹکیٹ رائے بہادر استقبا

---

(۱) قیام الدین علی عرف محمد قایم قائم تخلص (ن نخ) (۲) موی (ن نخ الحجہ) (۳) رحجان میجو ید (ن نخ) (۴) کہنہ (ن نخ)

یافتہ با(۱)چند شعر دیگر بقلم آوردہ از دوست -

کس کی نیرنگی یہ برقِ خاطرِ مایوس ہے — جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے
صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یہاں سے کر گئے — اب وداعِ ننگ ہے اور رخصتِ ناموس ہے
حسن کو اپنے ہوا داروں سے کاوش ہے مدام — ہر طپش یہاں شمع کی برقِ دلِ فانوس ہے
کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے — کیا ہے ملکِ روم کیا ہی سرزمینِ طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجے زندگی — اس طرف آوازِ طبل اور ادھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام ہوتا ہو مئے گلگوں کا دور — شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے
سُنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے — چل دکھاؤں تو کہ قیدِ آز کا محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف — جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے — یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حکمتِ دنیا سے آج — کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے
ایک ہی ریشے کے یہ سب سمجھے تو ہیں الاپ — گر صدائے بانگ ہے ور نغمۂ ناقوس ہے
کل تو قدرت پائے خم رکھتے(۲) تھی یہ تسبیح ریا — آج رہنِ جامِ مے یہ خرقۂ سالوس ہے

آہستہ رو رفیقوں نے منزل کو طے کیا — رفتارِ تیز نے مرے(۳) ناقہ کو سے پے کیا

حسرت لے صبحِ طرب ہم سے وطن چھوڑے ہے — مژدہ لے شامِ غریبی کہ وطن چھوٹے ہے
اب تلک تیرے شہیدوں کے تنِ ہر مو سے — لاکھ فوارۂ خوں زیرِ کفن چھوٹے ہے

ہم پر ایامِ مصیبت آج پھر آنے لگا — یار گھر جانے لگا لے دل کے گھر جانے لگا

(۱) سہ شعر دیگر (ن ح) (۲) رکھتے تھے (ن ح) (۳) تری (ن خ)

عیش و طرب کہاں ہے غم دل کدھر گیا
صدقہ ہیں اس گذشت کے کیا کیا گذر گیا
کیا کہیے ناتوانی غم کی خرابیاں
گر شب میں دل کو جمع کیا جی بکھر گیا

اک ڈھب پہ کبھو وہ بت خود کام نہ پایا
دیکھا میں جو کچھ صبح اُسے شام نہ پایا
فہرست میں خوبان وفادار کی یارے
دیکھی تو کہیں اس میں ترا نام نہ پایا
اک شب وہ کہیں گود میں سویا تھا سو قائم
پھر بالش مخمل سے میں آرام نہ پایا

ہو گر ایسے ہی مری قتل کے سزاوار بہت
تم سلامت رہو بندہ کے خریدار بہت
ہو مگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہے
تم کو خواہندہ بہت ہم کو طرحدار بہت
سچ کہو قتل پہ کس کے یہ کمر باندھی ہے
ان دنوں ہاتھ میں تم رکھتے ہو تلوار بہت
قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

زلف دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
ہم سحر تک تھے پیچ و تاب میں رات
خوب نکلے ہم اس کے کوچے سے
ورنہ آئے تھے ایک عذاب میں رات
لیک خالی سی کچھ لگے ہے بغل
دل گرا شاید اضطراب میں رات

چاہتے ہیں یہ ہم بھی کہ رہے پاک محبت
پر جس میں یہ دوری ہو وہ کیا خاک محبت

گو کرے ہم کو کسی طرح تو در سے باہر
جیتے جی جائیں کوئی ہم ترے گھر سے باہر
تم کو کیا قدر رہے لے دیدۂ تر کی
ایک بوند آئی ہے سو خون جگر سے باہر
تھی تو اک بات یہ کیا کہیے کہ ہاں تو پیارے
نکلی ہی پڑتی ہے تلوار کمر سے باہر

و پروانۂ حاث نام عاملِ آنجا درست کنانیدہ سپردہ بود کہ بعد فائز شدن مطلب جلتش در رام پور رسید خبر و واتش شہر بہ شہر انتشار یافت ۔ ار دست ۔

پڑھ کے قاصد خطِ مرا اُس بدزبان نے کیا کہا
کیا کہا پھر کہہ بتِ نامہرباں نے کیا کہا

غیر سے ملتا تھا رات سن کے گو ہم چپ رہے
پر سنا ہوگا کہ تم کو اک جہان نے کیا کہا

قائم اُس کوچہ سے شب غمگیں نہ آتا تھا تمہیں
کیا کہوں تجھ کو کہ اُس کو پاسباں نے کیا کہا

جلوہ چاہے ہے اُسے اُس بتِ ہرجائی کا
یہ پریشان نظری جرم ہے بینائی کا

پھوڑتا تھا مجھے یارب انہیں کیونکر گذرے
غم جنھیں آٹھ پہر تھا مری تنہائی کا

عار ہے ننگ کو مجھ نام سے سبحان اللہ
کام پہنچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا

صحنِ صحرا کو سدا اشک سے رکھنا چھڑکاؤ
بس وداع ہوں میں قائم تری مرزائی کا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لینا نہ کبھو نام کسی کا

اب تک تو میں جیتا ہوں جو آنا ہو تو جلد آ
پھر فائدہ جب ہو ہی چکا کام کسی کا

یہ وعدہ اُس کے ساتھ نہ پیغام کیا کہوں
پوچھے کوئی سبب جو مرے انتظار کا

قائم جو کچھ کہ ہوگی سمجھیو بعد مرگ
اب جیتے جی تو وعدہ اُڑا اُس دیار کا

جو کوہکن تجھے قوت ہی آزمانا تھا
عوض پہاڑ کے شیریں سے دل اٹھانا تھا

معاملہ ہے یہ دل کا اسے کہے گا وہ کیا
پیامبر کے نہیں ساتھ آپ جانا تھا

کبھو کہ گورِ غریباں میں رکھیں قائم کو
کہ اُس کا جیتے بھی اکثر وہیں ٹھکانا تھا

شرمندہ نہ ہو نکل جگر سے — اے نالۂ نارسائے عاشق
ہجراں میں بھی مر گیا یہ قائم — اس منہ سے تو اور کہائے عاشق

دل دیکے دیا میں تجھکو جان تک — کوئی اور یہ جگر کرے کہاں تک
آمادۂ سوختن ہوں یکبار — لے برق مرے بھی آشیاں تک
اِس نالہ کو ہے یہ وقت امداد — پہنچی تو ہے آہ آسماں تک
آہستہ ہوائے نسیم یک دم — ہمراہ ہیں ہم بھی گلستاں تک
قائم جو ہے شمع بزم معنی — میں رات گیا تھا اُس جواں تک
پایا تو میں ڈھیر آنسوؤں کا — دیکھا تو گداز استخواں تک

کل لے آشوب نالہ آج نہیں — آج ہنگامہ پر مزاج نہیں
غیر اس کے کہ خوبرو ہو اور — غم دل کا کوئی علاج نہیں

بے چکو دل جو نگہ کو تو یہ دشوار نہیں — لیک تم دیکھتے پھرتے ہو خریدار نہیں
تنگ تو ہم کو تو اے جیب کری ہے لیکن — اٹھ گیا ہاتھ گر اپنا تو پھر اک تار نہیں
مے کی توبہ کی تو مدت ہوئی قائم لیکن — بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

تا کجا مستی میں ناخوش دل احباب کریں — یک دو جام اور بھی ساقی کہ بس اجتناب کریں
ہر طرف ظرف وضو بھرتے ہیں زاہد ہوئی صبح — ساقی اٹھ ہم بھی صراحی میں مئے ناب کریں

یہاں سے اٹھ غیر کے گھر شب تو گیا کہتی ہیں — یارے اے ننگ مروت اسے کیا کہتے ہیں

دیکھے دہتے مجھے ہر وقت نکل جاتے تھے
دل میں اب آئے ہو، جاؤ گے کدھر سے باہر
ایک سودا کی تو قائم نہ کہوں میں ورنہ
ہے ترا طور سخن حد بشر سے باہر

پی کے مے غیر کے ہے شب باش
واہ وا رحمت، آفریں شاباش
سینہ کاوی ہی کام ہے کچھ اور
کوہکن ہو وہ مرد سنگ تراش
ہے نکلنا تری گلی سے محال
بس کہ ہر سو پڑی ہے لاش پہ لاش
خورد ہیں سوز طلب قائم
دائے ر عاشقی کہ ہو قلاش

رکھتا ہے جو توصفائے عارض
موتی نے کہاں یہ پائے عارض
اک صافی تن سی گل میں بھی لیک
ایسا وہ کہاں سے لائے عارض
اس سینہ سی منہ رگڑ نہ لے داغ
اُس کی بھی کبھو یہ جائے عارض
پیمانہ میں مہر و ماہ دیکھے
تیرا ہو جہاں بہائے عارض
کس سے کہوں اُس کے منہ کا نقشہ
لے دلے جبیں و ہائے عارض
کیا دور جو حشر ہو وے قائم
مکھ ماٹ جو وہ دکھائے عارض

آج آپ مرے حال پہ کرتے ہیں تأسف
اشفاق و عنایات کرم مہر تلطف
لے گریں قافلہ دل نام ہے اک یار
یہ خستہ بھی نبھ جائے جو یک دم ہو توقف
خاموشی بھی کچھ طرفہ لطیفہ ہے کہ قائم
کرنا پڑے جس میں نہ تصنع نہ تکلف

اے محنت آزمائے عاشق
جب خوش ہو کر مر ہی جائے عاشق
سو دکھ بھی جفا پہ منہ نہ موڑا
رحمت ہے تجھے وفائے عاشق

خورسیہر و دوری یاراں ورروئے غیر   جو کچھ نہ دیکھا تھا سو اب دیکھتا ہوں میں

یونہیں رنجش ہوا اور گلا یونہیں   ہو سجے ہر بات پر خفا یونہیں
کچھ نہ ہم کو ہی بھا گیا ہے یہ طور   واقعی ہے کہ ہے مرا یونہیں
یہ کہاں اور وہ گل کدھر قایم   اک ہوا باندھے ہے صبا یونہیں

جب نہ تب مجھ سے جو تم دل کی طلب کرتے ہو   دل یونہیں مفت دیا جاتے غضب کرتے ہو
ایک مدت سے میاں وہ تو موا پھرتا تھا   آج تم مرنے کا عاشق کے عجب کرتے ہو
قایم اک بات میں جیتا ہے تمھاری لیکن   پرسش حال تم اس خستہ کی کب کرتے ہو

قبول عذر تو واں ہے جہاں ملال بھی ہو   بحان پاک صفا یہاں کچھ خیال بھی ہو
قصورِ خدمتِ احباب اس قدر قایم   کچھ آدمی کو ہے لازم کہ انفعال بھی ہو

گردش شبانہ روز نہیں یہ سپہر کو   صدقہ کرے ہے گرد تیرے ماہ و مہر کو

شمع ساں جلنے کو صانع نے بنایا مجھکو   جس کے میں ہاتھ پڑا اس نے جلایا مجھکو
تھا بد و نیکِ جہاں سے میں عدم میں آزاد   آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا مجھکو
کچھ تو تھی بات خلل کی کہ شب اس نے محرم   غیر کے آتے ہی مجلس سے اٹھایا مجھکو
میں تو اس بات پہ مرتا ہوں کہ اس نے قایم   کس طرح پردہ سے کل بول سنایا مجھکو

کیجے گا صلح پھر دلِ بے مدعا کے ساتھ   ان بتاں ہی کچھ قبول کو اپنی دعا کے ساتھ

کیا ہو گیا کہ نالہ اثر سے قریں نہیں — کیا آفت آئی آج کہ آہ آتشیں نہیں
کیوں ہم کو جرم نیم نگہ سے کرو ہو قتل — اک خلق دیکھتی ہے تمہیں کچھ ہمیں نہیں
قائم جو اعتبار سے رتبہ کے دیکھئے — کم آسماں سے شعر کی تیرے زمیں نہیں

ہوں شمع دم صبح میں یہاں سے سفری ہوں — ٹک منتظر جنبش باد سحری ہوں

کب ان آنکھوں کی ہمچشمی کریں تصویر کی آنکھیں — وہ مانی نے لکھیں اور حق نے یہ تحریر کی آنکھیں

خوش رہ لے دل اگر تو شاد نہیں — یہاں کی شادی پہ اعتماد نہیں
میں کہا عہد کیا کیا تھا رات — ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

آپ جو کچھ قرار کرتے ہیں — کبھی ہم اعتبار کرتے ہیں
سی تو لینے دو جیب ناصح کو — اس کے ہم تار تار کرتے ہیں
چلئے قائم کہ رفتگاں اپنا — دیر سے انتظار کرتے ہیں

آئے خزاں چمن کی طرف گر میں رد کروں — غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں
کہتا ہے آئینہ کہ ہے تجھ سا ہی ایک اور — باور نہیں تو لا میں ترے روبرو کروں
قائم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ کے — اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

لائق وفا کے خلق دو سرے جفا ہوں میں — جلتے ہیں یہاں سو نیک ہیں جو کچھ برا ہوں میں
آگے مرے نہ غیر سے گو تو نے بات کی — سرکار کی تو نظروں کو پہچانتا ہوں میں

کیا کیا عدم میں ہم پہ ظلم و ستم نہ ہوں گے — چرچے یہی رہیں گے اور ہائے ہم نہ ہوں گے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے — کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے

کس دل پہ داغ غم نے یہ میرے بہار کی — اللہ رے دھوم اب کے برس لالہ زار کی
شاید وہ بھول کر کبھی یہاں بھی رکھے قدم — یکساں کرو زمین ہمارے مزار کی

وہ بھی کیا دن تھے کہ جی کو لاگ اس کے سات تھی — میں تھا اور کوچہ تھا اس کا اور اندھیری رات تھی

داماں گل تلک ہے کہاں دسترس مجھے — تکلیف سیر باغ نہ کر اے ہوس مجھے
بھٹکا ہیں وہ ہیں کہ ملوں قافلہ سے پھر — کیوں بے وداع کرتی ہے بانگ جرس مجھے
قائم ہیں عندلیب خوش آہنگ تھا حیف — زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

دل ڈھونڈتا سینہ میں مرے بو العجبی ہے — اک ڈھیر ہے یہاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

شکوہ تا غیر سے تا یار کی بیزاری ہے — جو ہوا ہم پہ سو اس کی گرفتاری ہے

قسمت (۶)

نواب شمس الدولہ قسمت تخلص پسر کلاں نواب بارگاہ قلی خاں کہ سیادت و شجاعت و عمدۂ خاندانی ایشاں از قدیم شہرت دارد۔ جوان صاحب مشق است۔ در ایامیکہ ایشاں معہ والد بزرگوار خود بہ حضور مرزا جہاندار شاہ مختاری کلی داشتند مقرب ملازمت ایشاں

خونابِ دل سے ہاتھ ملا ہو تو جانیے
پیچے کئے ہیں آپ نے اکثر حنا کے ساتھ
اُس حسن پُرنمک کے صدقے کہ جس کے بیچ
ہلکی سی ایک شوخی کی تہہ ہو حیا کے ساتھ
موتی صدف سے نکلے ہے قائم کب اس طرح
ڈھلتی ہے بات منہ سے ترے جس صفا کے ساتھ

نہ ہم فلک کے کبھو ریو و رنگ سے چھوٹے
پڑے ہے بھنور میں جو کام نہنگ سے چھوٹے
نشاط ہم کو رہا کر کہ فصلِ گل صیاد
خزاں ہے گو اُس میں جو ہم ٹک تو رنگ سے چھوٹے
تھے نام و ننگ جہاں میں ہزار بے ننگی
بھلا ہوا کہ ہم اس نام و ننگ سے چھوٹے
نہ اُس کی زلف سے چھٹنے کا قصد کر قائم
کوئی سنا ہے کہ قیدِ فرنگ سے چھوٹے

جو گرد در دیوں میں کرتے ہیں دلان میرے
آہ کیوں در پئے جان ہیں یہ عزیزان میرے
ہر گلی کوچہ ہے بستی کا پراچہ کی دکان
دھجیاں ہو کے اڑے کیونکہ گریبان میرے

جب میں دیکھا ہے تو اس دل کو غمیں دیکھا ہے
یہ نیا جا تو محبت کا یہیں دیکھا ہے
حسرتِ دل کو مری سمجھے ہے وہ حسنِ بتے
یار نے آنکھ کے دمِ باز پسیں دیکھا ہے

ہنوز شوقِ دلِ بے قرار باقی ہے
بجھی ہے آگ تو لیکن شرار باقی ہے
گیا تھا آج میں قائم کے دیکھنے کے لئے
کوئی دم اور نفس کی شمار باقی ہے

یارب کوئی اُس چشم کا بیمار نہ ہووے
دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے
صورت میں تری گر نظر آوے ملک الموت
جی دینا کسو طرح سے دشوار نہ ہووے

الٰہی یا تو میرے دامنِ دلدار ہاتھ آوے | نہیں تو ہاتھ کے اس کی جو ہے تلوار ہاتھ آوے
اُدھر سے میں کھڑا ہوں کھینچ لینے کی تمنا پہ | ادھر ہے کاش کے تیرا ہی تا دوار ہاتھ آوے
اگر تسبیح ہاتھ آتی نہیں ہے تیرے لئے قسمت | تو دل نے توڑ ڈال اُسکے کہ پھر زنّار ہاتھ آوے

امیدوار بوسۂ لب ہے کھڑا کوئی | دیتا ہے تجھ کو دیر سے پیارے دعا کوئی
میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ پھر کیا کرے اگر | مر جائے دیکھ کر ترا رنگ حنا کوئی
تڑپے وہ ملے صنم کہ تری چھب کو دیکھ کر | کہتا ہے وا چھڑے کوئی، نام خدا کوئی
قاصد اگر گذر ہو ترا کوچۂ یار میں | کہیو کہ آرزو میں تری مر گیا کوئی
قسمت جو سیکھتا ہے فرنگی زباں کو | شاید نظر پڑا ہے فرنگی بچا کوئی

پھر مجھکو کیا جو غیر کے تم جا کے گھر رہو | میرے تو ساتھ وعدے ہی شام و سحر رہو
آتی نہیں کسی کی جواب تک صدائے پا | واماندگانِ قافلہ یا رب کدھر رہو

آتا نہیں شب کو خواب تجھ بن | بیداری ہے عذاب تجھ بن
اے ماہِ سپہرِ خوبروئی | سرگشتہ ہے آفتاب تجھ بن
سینے سے نکل پڑے گا گویا | ہے دل کو یہ اضطراب تجھ بن
قسمت کی بھی تجھکو کچھ خبر ہے | دیکھا میں اُسے خراب تجھ بن

جو دل لیکر ہمارا دشمنِ جاں یارِ جانی ہے | تو اس سے موت ہی بہتر ہے پھر کیا زندگانی ہے
مجھے اس خستہ دل کو پاس اپنے یار رہنے دے | کوئی پوچھے تو کہنا میرے عاشق کی نشانی ہے
شبِ ہجراں ہے اور میں ہوں آنکھیں اور آنسو ہیں | اذیت ہے مصیبت ہے نہایت ناتوانی ہے

خاکسارِ بے مقدار بخاب مرشدزادۂ آفاق زبانِ سحربیان ایشاں شدہ بود و وعدہ بروز عید و شتند چوں بسبب کثرتِ ازدحام صغیر و کبیر موقع خواندن قصیدہ ندید مد برائے پاس خاطرِ من کہ قطعۂ مختصر تہنیت عید نیز در آستین داشتم آنرا گرفتہ وصف امرا و غیرہ ہم شگفتہ بدست شاہزادۂ دارند و مرا روبرو کردند عرضکہ محسن فقیراند دراصلاح شعراز میاں جعفر علی حسرت می گرفتند و در حین حیاتِ او ہم با فقیر از تہِ دل اعتقادے درجۂ داشتند حالاکہ حسرت نماندہ بالکل خیالِ مشورہ بہ مولف دارند و در گفتن سلام و مرثیہ بیشتر از شعر ہمت می گمارند و از عہدۂ آں نسبت دیگر مرثیہ گویانِ حال بخوبی می برآیند۔ ایں کلام ایشاں است ۔

گر وہ بتِ کافر شب مہ بام پہ آوے
ایک ماہ دوکم ماہ فلک کو نظر آوے

مژگاں ترے دل میں مرے ہاں سیر کی کتنی ہیں
ناسفتہ نہ دیکھا کوئی لختِ جگر آوے

مقدور ہی کس کا جو ترے حکم کو ٹالے
رستم جو نہ آوے تو وہیں اس کا سر آوے

تو بر سرِ بازار جہاں جلوہ نما ہو
خورشیدِ فلک بیچنے اپنی سپر آوے

جوں ماہ منور ہو شبِ تار ہماری
قسمت وہ اگر چاند کی صورت نظر آوے

دیکھا ہیں جنسِ دل کے طلبگار تم نہیں
پھرتے ہو بوالہوس سے خریدار تم نہیں

کہتا ہے اُن کو دیکھ کے چیں بر جبیں رقیب
کیا ماجرا ہے مجھ سے تو بیمار تم نہیں

آنکھیں نکالتے ہو عبث مجھ غریب پر
کہتا ہے کون یہ کہ طرحدار تم نہیں

کہتے ہیں یوں چمن میں پھر آئی بہارِ گل
شکرِ خدا کیا تھا بہت انتظارِ گل

اے نالہ اُس کے دل میں اک دم اثر تو کر جا
اُس شوخِ بے خبر کو بارے خبر تو کر جا

مژگانِ تر ہیں تیرے ابرِ بہار قسمت
دامانِ کوہ و صحرا اکبار تر تو کر جا

اند۔ شاہ مذکور در آغازِ شباب بہ خاندانِ اویسیہ[1] بیعت کردہ ظاہرِ حالِ خود را بہ لباسِ درویشی آراستہ و سیر بیگانہ کردہ بہ لکھنؤ وارد شدہ۔ حالا بر مکانِ راجہ ہولاس رائے سکونت دارد و معوقتش نیز از ہمانجا میرسد شوقِ شعرِ ہندی از مدتِ مدید در دلش جا گرفتہ بود ازیں جہت دواوینِ اساتذۂ سلف و حال را جمع نمود و قریب سی دیوان بہم رسانیدہ ببعضِ صحبتِ بزرگانش و سیرِ کلامِ ایشاں کلامِ خود را نیز بہ پایۂ اعتبار کشیدہ۔ بیشتر شاگردش بیک جا تعین نداشت از چندے بحلقۂ تلامذۂ قلندر بخش جرأت داخل شدہ از کلام طبع زاد اوست

شبِ وصال میں جب روزِ غم کی بات چلی — خروشِ مرغِ سحر نے کہا کہ رات چلی
کچھ اور لے کے چلے ہم تو اس جہاں سے کمال — ہمارے ساتھ فقط اک خدا کی ذات چلی

میں بندہ کیوں نہ ہوں اس کی ادا کا — عیاں اُس بت میں ہے جلوہ خدا کا
تو خواہی یا نخواہی گالیاں دے — ہمارا کام ہے دینا دعا کا

بہ توکل گذشتہ از ہفت سال راجہ بھولاس رائے بہادر بہ مکانِ خویش جا دادہ خدمتش را موجبِ سعادت می داند و بسیار بخوبی پیش می آید و چوں بمقتضائے موزونیِ طبع شوقِ شعر از طفولیت دامنگیر بود ازیں جہت دواوینِ اساتذۂ سلف و حال را زیادہ از سی جمع نمودہ ببرکتِ سیرِ کلامِ ایشاں و فیضِ صحبتِ کاملانِ ایں خود را نیز بپایۂ اعتبار کشیدہ۔ بیشتر شعر خود از نظرِ محمد قائم می گذرانید حالا از چندے رجوعِ ایں امر بہ قلندر بخش جرأت دارد۔ ماسوا ایں در اخلاقِ درویشانہ با صاحبانِ معنی فراحسنا بیک وتیرہ مرنج و مرنجاں اکثر در مشاعرہ فقیر حاضر شدہ با کلامِ ایں جا کسا را زبہ دل دل دہی دارد، چنانچہ ہر سہ دیوان را بدستِ خود نقل گرفتہ و تذکرہ را کہ تیار شدہ بتحریر درآں تمام بردہ غرض کہ ذاتش جز نامِ خود و کمال مجسم است، عمرش از سی سال متجاوز خواہد بود۔ (نسخۂ رامپور)

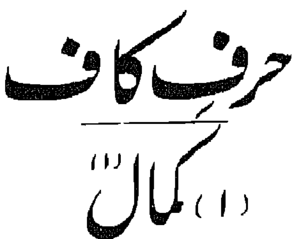
(۱) خاندانِ ویسیہ بغیر الف۔ (ل، نخ)

نہیں کوئی زیست کی صورت بقولِ مصحفی قسمت
نہ قاصد ہے نہ نامہ ہے نہ پیغام زبانی ہے

(۷) قبول

کہ از احوالش خبر ندارم - از وست -

دل یوں خیالِ زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن
تاریک شب میں جیسے کوئی پاسباں پھرے



حرفِ کاف

(۱) کمال(۱)

شاہ کمال الدین حسین کمال تخلص، وطنِ بزرگانش کٹرہ مانک پور و از چندے والدِ قبلہ گاہِ ایشاں در صوبۂ بہار نیز توطن کرفتند و اینہا ہمہ در زمانہ خویش منصبدارِ پادشاہی بودہ

---

(۱) کمال کے حالات سحر رامپور میں زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں وہ تمام عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے۔

کمال تخلص معروف بہ شاہ کمال چشتیہ ولد قادر نواز خاں وطنِ بزرگانش شاہجہاں آباد و در زمانہ خویش منصبدار پادشاہی بودہ اند۔ از چندے والدِ ایشاں در موضع محی الدین پور کہ متصل صوبۂ بہار است کہ بطریق ایمہ و خارج جمع بنام ایشاں مقرر است توطن گزیدہ۔ چنانچہ تولدِ شاہ مذکور در ہماں موضع واقع شدہ لیکن نشو و نما در عظیم آباد یافتہ۔ بعدِ انتقالِ والد و جدِ خود در سنِ شانزدہ سالگی ترکِ لباس اختیار کردہ و بیعت در قصبہ سلون در حضورِ پیر شاہ کریم عطا صاحب کہ فرزندِ جانشین حضرت پیر شاہ اشرف قدس اللہ سرہ اند نمودہ، و درویشانہ قدم در وادیِ سیاحت گزاشتہ در ہماں عالم بہ لکھنؤ واردشدہ از آں ایام در ہمیں شہر اقامت ورزیدہ۔ اوقاتش ہمیشہ

کیوں تو پھرتا ہے دلا گرد اُس کے سودائی ہوا / لطف کیا ملنے کا ہے اُس سے جو ہرجائی ہوا
جز شکستِ شیشۂ دل کچھ نہ دیکھا اس کا کام / مرتفع جس دن یہاں یہ چرخ مینائی ہوا
قیس کو الفت میں میری مت برابر تو سمجھ / عشق کو کیا خاک سمجھے گا جو صحرائی ہوا

یہ زخمِ دل ہے اسے جراح اُس بڑے رحم کا / کرے گا اس کو کیا جیتا تیرا اچھا یہ مرہم کا
یہ ہے الماس کی کوئی گریباں پاک لے مہ رو / پس از خورشیدِ انور پھیر تارا صبح کا چمکا
کروں کیا اے کماں آنسو تھمے آنکھوں سے جو میرے / نہیں کچھ سوجھتا درماں مجھے اس چشم پرنم کا

دل کے ہر داغ کا ہے رنگ کچھ اے یار نیا / سیر کر تو بھی کہ پھولا ہے یہ گلزار نیا
جنسِ دل جس کی مانگی ہے قیمت اُس سے / واہ پیدا یہ ہوا از در خریدار نیا
کس طرح کہئے نہ پھر بوقلموں جلوہ اُسے / رنگ ہر لحظہ دکھاتا ہے وہ دلدار نیا
کہتے مشاق طبیبوں سے کہا دیکھ مجھے / طرفہ آزار ہے یہ اس کو ہے بیمار نیا
جوں جوں کرتے ہیں دوا اور مرض بڑھتا ہے / یا الٰہی اسے کیسا ہے یہ آزار نیا
ایک نقشہ پہ زمانہ رہے پھر کیو کہ کماں / رنگ اُس چہرۂ عالم کا ہے ہر بار نیا

گھر اپنے بلا لڑ کے اُسی آن نکالا / جھگڑا تو مرے کا یہ مری جان نکالا
اُس صانعِ قدرت کے ہوں قربان ہنر کے / اللہ یہ انسان سے انسان نکالا
میں کود کے دیوار گیا یار کے گھر اور / بیچارہ گیا مفت میں دربان نکالا

اپنی نظر کے آگے سے عالم گذر گیا / یہ قافلہ شتاب نہ جانے کدھر گیا

ہے بس ڈھکنے کو تن یہاں چادرِ خاک　　میں کیا خواہاں کسی سے ہوں ردا کا
ہیں اُس دیوار کے سایہ میں جو شخص　　کریں کیا لے کے وہ سایہ ہما کا
کمالؔ اُس کا جھکے سر کس کے آگے　　ہے جو بندہ علی مرتضےٰ کا

جوں قدم یار نے گھر سے میرے در پر رکھا　　سر رکھا زانو پہ میں ہاتھ جگر پر رکھا
ہم کو صیاد نے رکھا جو قفس میں تو آہ　　دستِ شفقت کبھی ظالم نے نہ سر پر رکھا
سنگِ رہ اُس کی گلی کا جو کوئی ہاتھ آیا　　مثلِ گل میں نے اٹھا کر اُسے سر پر رکھا
بیٹھے بیٹھے تجھے کون آگیا یاد آج کمالؔ　　تو نے رومال جو لے دیدۂ تر پر رکھا

چشمِ جوں بستہ سے بھر اشک نمودار ہوا　　طفلِ خوابیدہ بہت دیر میں بیدار ہوا

جلوہ ترا تو ہم کو ہر ایک سو نظر پڑا　　دیکھا میں جس طرف کے تئیں تو نظر پڑا
پیدا ہے صفائے حسن تری یہ کہوں سو کیا　　ہر آئینہ سے صاف ترا رو نظر پڑا
قد کا ترے نہ آنکھوں میں میرے بسی خیال　　اکثر ہے یہ کہ سرو لبِ جو نظر پڑا
دیکھی کمالؔ غور سے اُس کی کمر جو میں　　کچھ اور تو نہ تھا مگر ایک مو نظر پڑا

مرے سینہ سی آنکھوں تک دلِ پُر آرزو پہنچا　　جو آتا ہے تو یہاں اپنے تئیں جلدی ستی پہنچا
ابھی بازار لے مہ مہر دیرے حسن کا ہوگا　　اگر گرمی سے مہتابی پہ وہ خورشید رو پہنچا
مبادا کم نہووے بزمِ مے خواروں کی کیفیت　　شتابی اور یہاں پیرِ مغاں بھر کر سبو پہنچا
چلا حسرت بھرا میں کشتی ہستی سی ہے ظالم　　دمِ بسمل نہ میرا اُس کے دامن تک لہو پہنچا

نظر پڑتے ہی اُس پریوں کوئی دلگیر کانپے ہے
کہ جیسے دیکھ کر صیاد کو نخچیر کانپے ہے

نظر اُس شوخ کی پڑتے ہی بس دل تھرتھرا اٹھا
کلیجے پر کوئی جیسے کہ کھا کر تیر کانپے ہے

چلا وحشت سی ہوں میں اے کمال اُس کے کوچہ میں
کہ جوں جوں پاؤں رکھتا ہوں اُدھر زنجیر کانپے ہے

کیا غضب ہے دم ہے آنکھوں میں لبوں پر جان ہے
دم کی فرصت اب نہیں اور دل میں سو ارمان ہے

کھولے آنکھیں وقت آخر بھی ترا بیمار ہے
مرتے مرتے بھی اسے کیا حسرتِ دیدار ہے

اب جو اٹھ آئے گلی سے یار کی تو کیا کہیں
سامنے آنکھوں ہی کے ہر رخنۂ دیوار ہے

خوابِ غفلت میں ہے کیا بیدار ہو ہشیار ہو
قافلہ راہِ عدم کا چلنے کو تیار ہے

سانس لے سکتے نہیں ہیں کیا کہیں ہم اے کمال
اب تو وردِ دل سے ہم کو زندگی دشوار ہے

اُٹھتا ہے اُس کے کوچہ سے بارِ گراں مجھے
تکلیفِ سیرِ باغ ہے دردِ دوستاں مجھے

تجھ بن نظر اٹھا کے میں دیکھوں ہوں جس طرف
اودھر نظر پڑے ہے یہ سارا جہاں مجھے

اُٹھتا ہے دل سے نالہ بھی لے آہ کا عصا
غم نے کیا ہے اس قدر اب ناتواں مجھے

آزادی قیدِ زلف سے آتی نہیں نظر
بختِ سیہ نے لا کے پھنسایا کہاں مجھے

از بس کمال اُنس ہے جی کو قفس کے ساتھ
نے فکرِ باغ ہے نہ غمِ آشیاں مجھے

نہ سمجھو آپ سے تشریف یار لاتا ہے
ہمارا جذبۂ دل یہ اُبھار لاتا ہے

گلوں کو جھانکوں ہوں کیا کیا چمن میں حسرت سے
قفس اٹھا کے یہ فصلِ بہار لاتا ہے

نہ آتے ہم بخدا تیرے در پہ اے کافر
پہ کیا کریں یہ دلِ بے قرار لاتا ہے

ملائیں لینے لگا میں تو پیچھے ہٹ کے کہا
سرک بھی یہاں سے کہاں کا پیار لاتا ہے

کیوں ہمیں تو یکھ کر آزردہ جانا ہو گیا　　کیا ہوا گر ہم فقیروں کا بھی آنا ہو گیا
مبتلا کس شہرۂ آفاق پر ہیں ہم کمال　　شہرۂ آفاق جو اپنا فسانا ہو گیا

رہ جا چمن میں تو کوئی دم اور عندلیب　　تا ایک دو نالہ کریں باہم اور عندلیب
اس گل بغیر ایک تو سونا لگے ہے باغ　　کرتی ہے بول بول ستم اور عندلیب

خط جو اُس حیلہ سے عاشق کا اُسے پہنچا ہر　　پھر کبھو اُن نے نہ رستہ سے اٹھایا کاغذ
تیرہ بختی میں ہی جینے کی ضعیفوں کے بہار　　ہوئی گلزار جہاں شب کو جلایا کاغذ

ٹکڑے کرے جگر کے میرے ٹوٹ ٹوٹ کر　　رو دیا رسکہ غم میں تیرے پھوٹ پھوٹ کر
اک ہم رہے اسیرِ قفس اور ہم صفیر　　پہنچے چمن میں قید سے سب چھوٹ چھوٹ کر

ہم گدا دیکھتے ہیں اُس بتِ گمراہ کی راہ　　یعنی آ نکلے تو کچھ مانگ لیں اللہ کی راہ

ہاتھ میں اُس بت کی جو نازک کلائی آگئی　　گویا قبضہ میں مرے ساری خدائی آگئی
وہ بتِ مغرور کل ہم سے ہوا جو ہیں دوچار　　سامنے ہو کر مجسم کبریائی آگئی
لیچلا صحرا میں کیوں مجھکو دلِ وحشی تو کھینچ　　بیٹھے بیٹھے جی میں یہ کیا تیرے بھائی آگئی
اکڑو مالا بے طرح سے کر چکے تھے تم کو زند　　شیخ صاحب آپ کے آڑے کمائی آگئی
بعدِ مدت روزِ وصل اُس کا میسر جو ہوا　　ڈھل گیا دن ناگہاں شامِ جدائی آگئی
حرفِ مطلب جوں کمال اُس سے کیا میں نے بیاں　　سنتے ہی بس اُس کے چہرہ پر رکھائی آگئی

یہ بھی کوئی بیٹھنے کا بزم میں اسلوب ہے واہ | حد جوں ہم آگے بڑھیں آپ سرکتے جاویں
خاکِ رہ جن کی ہواہوں میں عصب یہ نکو | اُس طرف گذریں تو دامن کو جھٹکتے جاویں

میاں او جانے والے آنکھ اٹھا کر ٹک ادھر دیکھو | کوئی مضطر پکارے ہے ذرا منہ پھیر کر دیکھو
ابھی میں کیا کہوں ناچار ہوں کہتے ہو کیوں مجھ سے | نہ یوں حیران ہو کر مجکو تم دو دو پہر دیکھو
یقیں تم کو اگر آتا نہیں ہے میری حالت کا | تو آئینہ کو اپنے سامنے ٹک تم بھی دھر دیکھو
کمالِ خستہ کو یارو یہاں قسمت سے لے آئی ہے | نہیں تو مجکو دیکھو اور یہ میرا سفر دیکھو

کبیر (۲)

حکیم کبیر سنبھلی شیخ انصاری بود و کبیر تخلص مے گذاشت فقیر ایشاں را در سرکار نواب محمد یار خاں مرحوم کہ ذکر ایشاں گذشت دیدہ بود بسیار بخوبی پیش آمدہ بود در یہ سبب تمادی ایام یک شعر از ایشاں بخاطر است ۔

ایک ہی بار سے جی ناک میں آیا ہے کبیر | زیست معلوم اگر ایسے ہی دو چار ملے

کلیم (۳)

محمد حسین کلیم تخلص والد میاں حاجی تجلی صاحب تصانیف بسیار است چنانچہ ترجمہ فصوص الحکم و دو مجلس ہندی بسلک نظم کشیدہ خامۂ خیالِ در صفحۂ روزگار یادگار است محمد قائم تعریفش در تذکرۂ خویش بہ مبالغہ نوشتہ ۔ از وست ۔

ہو چکی حشر کئی جنت و دوزخ کو خلق | رہ گیا میں ترے کوچہ میں گرفتار ہنوز

آتی ہے دل پہ قلقلِ مینا سے اب شکست | وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

مزار آئیں بہاریں پہ نخلِ تن اپنا　　کبھی شگفتہ ہوا ہے نہ بار لاتا ہے
نثار ہونے کی تیری گلی کے خواہش ہے　　یہ گردباد جو اتنا غبار لاتا ہے
پس از فنا تو ذرا آ کہ یہ دلِ مضطر　　قیامت ایک تہِ سنگِ مزار لاتا ہے
دلا نہ اُس سے الجھ تو کہ راہ چلنے میں　　دکھا وہ زلف کئی مجھ سے مار لاتا ہے
چمن میں دیکھا جو اُس گل کو آنکھ اٹھا کے کمال　　تو آنکھوں میں وہ گڑونے کو خار لاتا ہے

کچھ ان دنوں دلِ پُر داغ اس بہار پہ ہے　　کہ یہ سماں یہ گلوں پر نہ لالہ زار پہ ہے
چمن میں کانٹے پہ گل کو پڑے ہیں جو کوئی　　یہ عندلیب کا دل ہے جو نوکِ خار پہ ہے
گیا میں جی سے اُٹھا کر جو دردِ تنہائی　　تو بیکسی مرے اب نوحہ گر مزار پہ ہے
نہ تن سے نکلے ہے جی اور نہ یار آتا ہے　　عجب طرح کا عذاب اپنے جسمِ زار پہ ہے
نہیں ہے پوست تو سبزہ ہی کر دیا معبود　　نشہ کمال فقیروں کا اب اُتار پہ ہے

آہ مسیحا جسے دیکھ کنارا کرے　　اُس کے مرض کا بھلا کیا کوئی چارا کرے
تیغ سے اپنا گلا کاٹیں نہ پھر کیونکہ ہم　　غیر کو ابرو سے کچھ جب وہ اشارا کرے
سیرِ چمن میں نہ آئے جس کو نظر اپنا گل　　آہ گلوں کا وہ کیا خاک نظارا کرے
فرقۂ عشاق میں ہے وہی صاحبِ کمال　　ذلت و خواری کے تئیں جو کہ گوارا کرے

نہیں خورشیدِ فلک ہم جو چمکتے جاویں　　سایہ ساں جائیں جدھر سر کو پٹکتے جاویں
بادکش آہ ہے اور دل میں بھری آتشِ غم　　شعلہ پر شعلہ نہ پھر کیونکے بھڑکتے جاویں
زلفِ مشکیں میں جو ہو مثلِ صبا اپنا گذار　　ہم بھی پھر جاویں جدھر کو تو مہکتے جاویں
ہم جدھر جاویں تو یہ دیدہ پر اشک اپنے　　جامِ لبریز کی مانند چھلکتے جاویں

سینہ کے داغ سوں آنکھوں کے اشک خوں کی
اس نخل عاشقی کے یہ گل ہیں وہ ثمر ہیں
کس شعلہ رو کے غم میں روتا ہے اس قدر تو
جو گرم اشک تیرے سوزندہ[1] اس قدر ہیں

شب رخصت ہو رہو تم مرے گھر آج کی رات
جاں بلب چھوڑ کے جاتے ہو کدھر آج کی رات
کر دیا در کو اجابت کے خدایا کیا بند
نہیں کرتی جو دعا میری اثر آج کی رات
آ گئے آنکھوں کے اندھیرا سا سر شام سے ہجر
دیکھئے ہوتی ہے کس طرح سحر آج کی رات

حسرت سے دیکھتا ہوں میں جب یار کی طرف
لگتا ہے تب وہ دیکھنے دو چار کی طرف
تڑپے ہے تیرے کوچہ میں اک جاں بلب میاں
ٹک جھانکیو تو رخنۂ دیوار کی طرف
دونوں سے پھر گیا ہوں میں گرم ان دنوں
ہرگز نہیں ہوں کافر و دیندار کی طرف

تصویر کا عالم ہے ترے روئے حسیں پر
تجھ سا تو پری چہرہ نہیں روئے زمیں پر
اخلاص اُسے غیر سے ہے واسطے جس کے
کھدوائی ہے میں سورۂ اخلاص نگیں پر
ہم جس کی محبت میں لہو پیتے ہیں اپنا
وہ باندھے ہوئے پھرتے ہیں تلوار ہمیں پر
رہتا تو ہوں گلشن میں پہ رہتی ہے نت آفت
فریاد سے بلبل کی مری جان حزیں پر
نالہ نے مرے گرم شب آتش جو لگا لی
اک شور فرشتوں میں پڑا عرش بریں پر

یوں آپ جو کچھ جی میں ہو فرمائیے صاحب
گالی نہ مجھے غیر سے دلوائیے صاحب
ہر چند گنہ گار ہے کشتہ کا ٹک اپنے
لاشہ تو بھلا آن کے اٹھوائیے صاحب
تا دیر میں اُس بزم میں بیٹھوں تو کہو لیا
اس رات بہت آئی ہے گھر جائیے صاحب

---

(۱) "سوزندہ جو شرر ہیں" (ن خ)

شور کرتی رہی بانگِ درا کیا کیا کچھ   قافلے کتنے گئے کوئی نہ سمجھا کیا ہے

حرفِ گاف

(۱) گوہری

گوہری بدائونی روشعرش کہ زبانی عالم شاہ پیرزادہ در عالمِ طفولیت شنیدہ بودم بیاد است ازوست[1]۔

روبرو پلکوں کے مت جا اُس کے بانوں کو نہ چھیڑ   آفت آوے گی تو ان زنبور خانوں کو نہ چھیڑ
آخرش مارا پڑا ہاتھوں سے اُن کے گوہری   ہم نہ کہتے تھے کہ ان بانکے پٹھانوں کو نہ چھیڑ

(۲) گرم

مرزا حیدر علی گرم تخلص ولد نیاز علی بیگ ساکن شاہجہاں آباد جوان[2] صلاحیت شعار است۔ بمقتضائے موزونی طبع چیزے کہ موزوں می کند آں را بہ نظرِ اصلاحِ فقیر می گذرانند باوصفِ نومشقی از ذکاوتِ طبعش معلوم می شود کہ بشرطِ مزاولت بجائے خواہد رسید چراکہ رسوخ و اعتقادش از تہِ دل بایں خاکسار نسبتِ دیگر شاگردان اولین روز بروز در ترقی دارد بقولے کہ پیر من خس است و اعتقادِ من بس است۔ ازوست۔

نالہ کی گرمیوں سے جلتے دل و جگر ہیں   لب خشک ہو رہے ہیں کانٹے زبان پر ہیں
تیغِ نگاہ کس کی دیکھی ہے ہم نے یارب   جو زندگی سے اپنی بیزار اس قدر ہیں
یارانِ رفتگاں کا مت پوچھ مجھ سے قصہ   اے ہمنشیں میں بھی حیراں ہوں وہ کدھر ہیں
خورشید و ماہ کو میں پھرتے ہی دیکھتا ہوں   یہ کس کی جستجو میں آوارہ در بدر ہیں

---

(۱) ازدست ندارد۔ ان نخ (۲) وحوال ان نخ ان حیران۔

از چند سال شوقِ گفتنِ شعرِ ہندی بہم رسانیدہ۔ عمرش تا الی الیوم سی و دو سالہ خواہد بود از وست

مژدۂ وصل اگر کوئی سناتا ہے مجھے
میں یہ سمجھوں ہوں کہ جی وان دلاتا ہے مجھے

ایسی الفت کو لگے آگ ترے جو سطے ہیں
جو ہے دلسوز مرا وہی جلاتا ہے مجھے

گھر میں جا بیٹھ رہا اُس سے خفا ہو تو لطیف
کیا ہی غصہ تری اس بات پہ آتا ہے مجھے

(۲) لطف

مرزا علی لطف تخلص جوانِ خوش فکر دیدمش طبیعتش نسبتِ دیگر شعرائے اینجا متانتی دارد۔ مثنوی آبدار بسلکِ نظم کشیدۂ او صحبت بر قولِ مؤلف است و ازیں جہت خود را بشاگردی مرزا متہم می کند۔ واللہ اعلم بالصواب۔ از وست۔

ہے زلف یا قہر کی شب کچھ نہیں معلوم
مکھڑا ہے الٰہی کہ غضب کچھ نہیں معلوم

خاموشی ہماری کے تئیں سحر اُسی سمجھو
گو ہم کو لگا لینے کا ڈھب کچھ نہیں معلوم

کھل گئی یہ اب کہ وصل اُس کا خیالِ خام ہے
آج امیدوں کا دل ہی دل میں قتلِ عام ہے

کوئی زخم اور بھی کہ لے قاتل
کب سے ہم ایڑیاں رگڑتے ہیں

رباعی

جو کوئی کہ آفتِ نہانی مانگے
اور ملکِ عدم کی کچھ نشانی مانگے
دکھلائے اسے تو اپنی یہ تیغِ نگاہ
جس کا مارا کبھی نہ پانی مانگے

میں گر گرم گیا ملنے کو اُن کے تو اُنھوں نے
فی الفور ظرافت سے کہا آئیے صاحب

رات وہ دریاں کے ڈر سے مجھ تک آ کر پھر گئے
اپنے پاؤں کی صدا مجھ کو سنا کر پھر گئے
گرم کل آئے جو وہ سُننے مرا احوالِ دل
سوچ کر کچھ جی میں اپنے مسکرا کر پھر گئے

سیلِ گریہ میں نہ ہم تا بہ کمر ڈوب گئے
اس قدر روئے کہ ہمسایوں کے گھر ڈوب گئے
تجھکو دریا میں جو لے شوخ نہاتے دیکھا
شرم کے مارے وہیں شمس و قمر ڈوب گئے
گرم کیا خاک چلیں سیر کو ہم دریا کی
تیرے رونے سے تو سب راہگذر ڈوب گئے

بلبل کے سر سے جاتی ہے کوئی ہائے گل
ہوتی ہے وہ قفس میں بھی پھر پھر فدائے گل
لوہو میں بھر رہے ہیں ترے ہاتھ سچ بتا
تربت پہ کس شہید کی تو نے چڑھائے گل
کلیاں جو اُس کو توڑ کے ڈالی سے لے چلا
سر دھن کے عندلیب پکاری کہ ہائے گل
گل خوردہ دست سے مرے نفرت رہی جسے
دھی کے اُس نے کیونکے شگفتے سی لگائے گل
جس رُخ کے آگے مہرِ درخشاں بھی گرد ہو
عارض کو لگ سکے ہے کب اُس کے صفائے گل
ہم بھی تڑپ تڑپ کے وہیں آہ رہ گئے
صیاد نے قفس میں جو ہم کو دکھائے گل
گلدستہ لا دیا جو کل اُس کو رقیب نے
ہم نے بھی گرم رشک سے ہاتھوں چبائے گل

حرفِ لام

(۱) لطیف

میر شمس الدین لطیف تخلص متوطنِ سورت سادات عالی تبار اند بحکم موزونی طبع

کسی دشمن پہ خدا دن وہ نہ ڈالے جوں گل　　سر پہ مجذوب کے لے گبر و مسلمان تھی رات

برباد نہ جائے گا یہ خسرو　　ٹک سوچ کہ خون کوہکن ہے

اے میر سمجھیو مت مجذوب کو اوروں سا　　ہے وہ خلف سودا اور اہل ہنر بھی ہے

(۲) مظہر

مرزا جان جاناں[1] مظہر تخلص کہ یکے از مشایخ کبار گذشتہ۔ احوال و اشعار ایشاں مفصل در تذکرۂ فارسی نوشتہ ام۔ در ابتدائے شوق شعر کہ سوز از میر و مرزا وغیرہ کسے در عرصہ نیامدہ بود و در دور ایہام گویان اول کسے کہ شعر ریختہ بہ تتبع فارسی گفتہ اوست۔ چوں در آں روزہا بہ میر عبدالحی تاباں دوستی بسیار[2] داشت چند غزلیات متعددہ از خامۂ فکرش بر صفحۂ کاغذ ریختہ بود، تذکرہ مشارٌ الیہ مانع آمدہ آخراً ایشاں قرار شعر گفتن خود بہ زبان فارسی دادند و بعد ازیں بہ ریختہ زبان نیالودند مگر بہاں قدر کہ باصلاح دوسہ شاگرد بکار آید۔ چنانچہ بہ تربیت انعام اللہ خاں نسبت بہ محمد تقیہ دردمند کہ ساقی نامۂ ایشاں شہرت دارد و بر متوجہ بودند۔ در تمام دیوانش فصاحت و بلاغت زبان استاد جلوۂ ظہور می دہد فی الحقیقت نقاش اول زبان ریختہ بایں وتیرہ باعتقاد فقیر مرزا است، بعدہ تتبعش بہ دیگراں رسیدہ۔ از وست

اُس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ　　اس واسطے بکا ہوں چمن کی ہوا کے ہاتھ
برگ حنا او پر لکھو احوال دل مرا　　شاید کہ جا لگے وہ کسو میرزا کے ہاتھ
مرتا ہوں میرزائی گُل دیکھ ہر سحر　　سورج کے ہاتھ چوتری چونکھا صبا کے ہاتھ

---

(۱) جاناں۔ (ان رخ) (۲) بہ شدت (ان نخ)

حرف المیم

(۱) مجذوب

مرزا غلام حیدر مجذوب تخلص پسر خواندۂ مرزا محمد رفیع شخصِ خوش خلق و باحیا است فقیر او را در لکھنؤ دیدہ بسیار بہ تپاک پیش آمدہ ۔ من کلامہ ۔

وعدہ کی وفا اُس سے بہت دور پڑی ہے | فہرستِ شب روز سے باہر وہ گھڑی ہے
خاموش جو رہتا ہوں مجھے گنگ نہ سمجھو | اک عرضِ تمنا ہے کہ آنسو پہ اڑی ہے
غفلت میں بسر کر نہ شبِ وصل کو مجذوب | ایام جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لئے | میں بھی تو یار کم نہیں دو چار کے لئے
ہے درد سر ہی بلبلِ آزاد کی صفیر | موزوں ہے نالہ مرغِ گرفتار کے لئے
طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار | جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لئے
مجذوب بہر سبحہ ہے منت بھی شیخ سے | پھر برہمن سے عجز ہے زنار کے لئے

رکھنے لگا ہے اُس کو گریس چلے ہمیشہ | دینے پہ دل کے کیجے آرے بیلے ہمیشہ
آتے ملے دلے ہو گھر سے کسی کے اس دم | پھیرا کئے چھری ہو میرے گلے ہمیشہ
مجذوب ان دنوں میں پھر روگ کچھ لیا یا | رہتے تھے پیشتر تو اچھے بھلے ہمیشہ

چشم دوری میں تری یار یہ گریاں تھی رات | تھی شبِ ہجر مرے سر پہ کہ طوفاں تھی رات
ناز اختر کو مرے تھا فلکِ ہشتم پر | زلفِ سرکش جو تری تابعِ فرماں تھی رات

مدت سے لگ رہی ہیں آنکھیں در حرم سے
پردہ اٹھا تو لڑیاں نظریں ہماری ہم سے

تاز چمن رہی ہے بلبل سے گو خزاں ہو
ٹہنی جو زرد بھی ہو سو شاخ زعفراں ہو

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا
یا اس آوے میں مرا دل نہ بنایا ہوتا
کم اٹھانا تھا نقاب آہ کہ طاقت رہتی
کاش یکبار رہیں منہ نہ دکھایا ہوتا
در کے آگے سے ترے نعش گئی عاشق کی
اپنے دروازہ تلک تو بھی تو آیا ہوتا

جدا جو پہلو سے وہ دلبر یگانہ ہوا
طپش کی یہاں تئیں دل نے کہ درد شانہ ہوا
کھلا نشہ میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میر
سمندِ ناز کو ایک اور تازیانہ ہوا

باغ میں جس شب گئے ہم ظلم کے مارے ہوئے
جان کو اپنی گل مہتاب انگارے ہوئے
پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے
آستیں رکھتے ہی رکھتے دیدۂ خونبار پر
حلقِ بسمل کی طرح لوہو کے فوارے ہوئے
استخواں ہی رہ گئے تھے یہاں دمِ خونریز میر
دانتے پڑ پڑ گئے پیچھے اس شوخ کے آرے ہوئے

جم گیا خوں کفِ قاتل پہ ترا میر زبس
ان نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

ہم ہیں مجروح ماجرا ہے یہ
وہ نمک چھڑکے ہے مزا ہے یہ
آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ
بس ہوا ناز ہو چکا اغماض
ہر گھڑی ہم سے کیا ادا ہے یہ

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے　　کہاں اس کو دماغ اور دل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو　　یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

لوگ کہتے ہیں موا مظہرِ بیکس افسوس　　کیا ہوا اُس کے تئیں اتنا تو بیمار نہ تھا

مت اختلاط کرلے تو بہار اب ہم سے (۱)　　چمن کے ہوئے کا اس خاک کو دماغ نہیں
یہ بلبلوں کا صبا مشہدِ مقدس ہے (۲)　　قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہیں

(۳) میر

میر محمد تقی میر تخلص کہ مفصل احوالِ ایشان نیز در تذکرۂ فارسی سمت تحریر یافتہ۔ شخص صاحب کمال است اکثرے در فنِ ریختہ او را در پلۂ مرزا رفیع سودا گرفتہ اند و اکثر در غزل و مثنوی بہتر از مرزا قیاس می کنند و مرزا را در ہجو و قصیدہ برو فضیلت می دہند غرض ہر چہ ہست استادیٔ ریختہ برو مسلم است۔ اگرچہ دیوانِ فارسی ہم دارد اما در فارسی گویان شمردہ نمی شود۔ ہمہ ریختہ گویانِ ہند سند از کلامش می آرند و او را دریں فن منتہیٔ مید اسد و الحق کہ چنیں است۔ از چند سال کہ از شاہجہاں آباد بہ پورب رسیدہ در سرکارِ نواب آصف الدولہ بہادر اعتبار و امتیازِ تمام دارد چہار دیوانِ ریختہ از خامۂ فکرش ریختہ و مثنویہائے متعددہ و شکار نامہ ہائے بے نظیر نگاشتۂ کلکِ ندرت طرازِ او بر صفحۂ زمانہ یادگار است۔ بر فقیر بسیار مہربانی می فرماید عمرش تخمیناً قریب ہشتاد است(۳)۔ از وست۔

ترے کوچہ میں یہ جتنے کہ جسم زار بیٹھے ہیں　　میاں گم کردہ دل ہیں جو یوں لاچار بیٹھے ہیں

---

(۱) یہ آخری دو شعر نسخۂ رامپور میں زائد ہیں۔ (۳) رسیدہ باشد۔ (ل نخ)

کہتا ہے کون میرؔ کرے اختیار رو　　　ایسا تو رو کہ رونے پہ تیرے ہنسی نہ ہو

بھرے رہتے ہوں سارے پھول ہی جس کو گریباں میں　　　وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میرے داماں میں
جہاں سے دیکھئے اک شعرِ شور انگیز نکلے ہے　　　قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں
ہوئے ابر میں کیا میرؔ ہنستا باغ میں وہ تھا　　　گری پڑتی تھی بجلی آج کچھ صحنِ گلستاں میں

رو چکا خونِ جگر سب اب جگر میں خوں کہاں　　　غم سے پانی ہو کے کب کا بہہ گیا میں ہوں کہاں
عاشق و معشوق یہاں آخر فسانہ ہو گئے　　　جائے گریہ ہے جہاں لیلیٰ کہاں مجنوں کہاں

حال کہنے کی کسے تاب ہے آزار کے بیچ　　　حال رہتا ہی نہیں عشق کے بیمار کے بیچ
آرزو مند ہے خورشید میسر ہے کہاں　　　کہ ذرا ٹھیرے ترے سایۂ دیوار کے بیچ
کیا کہیں ہم کہ گلے ڈالے پھرے مستی میں　　　دانۂ سبحہ پرو رشتۂ زنار کے بیچ

زلفوں کو میں چھوا سو غصہ ہوئے کھڑے ہو　　　یہ بات ایسی کیا ہے جس پر اکھڑ پڑے ہو
ہوتے ہیں خاکِ رہ بھی لیکن نہ میرؔ ایسے　　　رستے میں آدھے دھڑ تک مٹی میں تم گڑے ہو

جائیں تو جاویں کہاں جو گھر رہیں کیا گھر رہیں　　　یار بن لگتا نہیں جی کاش کے ہم مر رہیں
زندگی دو بھر ہوئی ہے میری آخر تا کجا　　　دل جگر جلتے رہیں آنکھیں ہماری تر رہیں
وہ نہیں جو تیغ سے اُس کے گلا کٹوائیے　　　تنگ آئے ہیں بہت اب آپ جوہر کر رہیں

جس کا خوباں خیال لیتے ہیں　　　دل کلیجا نکال لیتے ہیں

ہے رہی بیگانگی کبھی اُس نے
نہ کہا یہ کہ آشنا ہے یہ
میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

دل عجب جنس گراں قدر ہے بازار نہیں
ورے یہاں سہل جو دیتے ہیں خریدار نہیں
کچھ تمھیں ملنے سے رُکتے ہو ہمارے ورنہ
دوستی سنگ تہہس عیب نہیں عار نہیں

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہیں

بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں
طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں
ایک نے صورت نہ پکڑی پیش یار
دل میں شکلیں سیکڑوں ٹھہرائیاں
آ چمن میں یہ بھی ہو کوئی روش
ناز تا کے چند بے پروائیاں
شوق قامت میں ترے اے نونہال
گل کی شاخیں لیتی ہیں انگڑائیاں
پاس مجھکو بھی نہیں ہے اب کے میر
دور تک پہنچیں مری رسوائیاں

اعجاز منہ تکے ہے ترے لب کے کام کا
کیا ذکر یہاں مسیح علیہ السلام کا
رقعہ نہیں جو آوے ہے سو تیر ہیں سدھا
کیا دیجئے جواب اجل کے پیام کا
صاحب ہو مار ڈالو مجھے تم وگر نہ کچھ
جرم عاشقی گناہ نہیں ہے غلام کا

سر پہ عاشق کے نہ یہ روز سیہ لایا کرو
جی الجھتا ہے بہت مت بال سلجھایا کرو
تاب مہ کی تاب کب ہے نازکی سے یار کو
چاندنی میں آفتابی کا مگر سایا کرو
کب میسر اُس کے منہ کا دیکھنا آتا ہے میر
پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرو

جب نہ تب مرنے کو تیار رہے عشق میں ہم
جی کے تئیں اپنے کبھو یوں بھی تو جانا کیا تھا

آزار دیکھے کیا کیا اُن پلکوں سے اٹک کر
جی سے گئے یہ کانٹے دل میں کھٹک کھٹک کر

تلوار غرقِ خوں ہے آنکھیں گلابیاں ہیں
دیکھیں تو تیری کب تک یہ بد شرابیاں ہیں
چاہے ہے آج ہوں میں ہفت آسماں کے اوپر
دل کے مزاج میں بھی کتنی شتابیاں ہیں
دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ہم مُوے ہیں خوں گرفتہ ظالم جنھوں نے تیرے
ابرو کی جنبش اوپر تلواریں کھائیاں ہیں
کعبہ میں میرؔ ہم پہ ہے سرگراں یہ زاہد
اور بت کدہ میں ہم نے دھومیں لگائیاں ہیں

غیروں سے وہ اشارے ہم سے چھپا چھپا کر
پھر دیکھتے ہوا ادھر آنکھیں ملا ملا کر
ہم گامِ سدِّ رہ تھی بت خانہ کی محبت
کعبہ تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر

مانندِ شمع آتشِ غم سے پگھل گیا
بزمِ جہاں میں رہتے ہی رہتے میں گل گیا
گرمیِ عشق مانعِ نشو و نما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا
ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تونے کہ یہاں دم نکل گیا

یہاں اپنی آنکھیں پھر گئیں پر وہ نہ آ پھرا
دیکھا نہ بدگمان ہمارا بھلا پھرا
طالع پھرے سپہر پھرا قلب پھر گئے
چندے وہ رشکِ ماہ جو ہم سے جدا پھرا
خانہ خراب میرؔ بھی کتنا غیور تھا
مرتے موا پہ اُس کے کبھو گھر نہ جا پھرا

پڑتی ہے آنکھ ہر دم جاکر صفائے تن پر　سو جی کئے تھے صدقہ اس شوخ کے بدن پر
نام خدا نکالے کیا پاؤں رفتہ رفتہ　تلواریں چلتیاں ہیں اس کے تو اب چلن پر
درکار عاشقوں کو کیا ہے جواب نامہ　اک نام یار بس ہے لکھا میرے کفن پر
کس طرح میر جیو کا ہے سم توبہ کرنا مانیں　کل تک بھی داغ مے تھی سب اُن کے پیرہن پر

ہمارے آگے ترا گر کسی نے نام لیا　دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

یا پہلی وہ نگاہیں جن سے کہ چاہ نکلے　یا اب کی یہ ادائیں جو دل سے آہ نکلے

کبھی میر اس طرف آکر جو چھاتی کوٹ جاتا ہے　خدا شاہد ہے اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ہے

آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا　وہاں کام ہی رہا تجھے یہاں کام ہو چکا

جو یہ دل ہے تو کیا سرانجام ہوگا　تہہ خاک بھی خاک آرام ہوگا

جفا و جور سہے کج ادائیاں دیکھیں　بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں
تری گلی سے سدا اے کشندۂ عالم　ہزاروں آتی ہوئی چارپائیاں دیکھیں
بنی نہ اپنی تو اُس جنگجو سے اک دم میر　لڑائی جب سے میں آنکھیں لڑائیاں دیکھیں

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا　آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا
دیکھنے آئے دم نزع لئے منہ پہ نقاب　آخری وقت مرے منہ کا چھپانا کیا تھا

تابوت پر بھی میرے نہ آیا وہ بے نقاب / میں اٹھ گیا رہے نہ اٹھا بیچ سے حجاب

آہ رو کوں جانے والے کس طرح گھر کے ترے / کاش مجھکو گاڑ دیویں بیچ میں در کے ترے

بہار آئی ہر غنچہ گل کے نکلے ہیں گلابی کر / پیالے سبز جیسے ہیں سارے گلستاں میں شرابی کر
مبادا کارواں جاتا رہے تو صبح سوتا ہو / بہت ڈرتا ہوں میں اے میر تیری دیر خوابی کر

ہر بات پر خشونت طرز جفا تو دیکھو / ہر لحظہ سے ادائی اس کی ادا تو دیکھو
گلبرگ سے ہیں نازک حور پا تو دیکھو / کیا ہے جھمک کفک کی رنگ حنا تو دیکھو
سایہ میں ہر پلک کے خوابیدہ ہے قیامت / اس فتنۂ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو

کاش کے دل دو تو ہوتے عشق میں / ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں

باغ گو سبز ہوا پر سر گلزار کہاں / دل کہاں، وقت کہاں، عمر کہاں، یار کہاں
دل کی خواہش ہو کسو کو تو کمی دل کی نہیں / اب بھی یہ جنس بہت ہے پہ خریدار کہاں

اب جہاں مہر و وفا کی جنس تھی میرے کنے / لیکن اس کو پھیر ہی لایا جہاں میں سے گیا
تحفہ کاہے کو تھا اس رتبۂ عالی میں میر / جو زمیں نکلی اسے تا آسماں میں لے گیا

میرا ہی مقلد عمل تھا / مجنوں کے دماغ میں خلل تھا
تھا تیغ میں دست میر دل پر / شاید غم کا یہی محل تھا

پھرتے کب تک شہر میں اب سوئے صحرا رو کیا — کام اپنا اس جنوں میں ہم نے بھی یکسو کیا
نکہتِ خوش اس کے پنڈے کی سی آتی ہے مجھے — اس سبب گل کو چمن میں ٹک میں نے بو کیا
جانا اس آرام گہ سے ہے بعینہ بس یہی — جیسے سوتے سوتے ادھر سے ادھر پہلو کیا
ہاتھ پر رکھ ہاتھ اب وہ دو قدم چلتا نہیں — جس نے بالش خواب کا برسوں مرا بازو کیا
پھول نرگس کا لئے بھونچک کھڑا تھا راہ میں — کس کی چشم پُر فسوں نے میر کو جادو کیا

کیا چال نکالی ہے کہ جو دیکھے سو مر جائے — بھونچک کوئی رہ جائے کوئی جی سے گذر جائے
بے طاقتیِ دل سے مری جان ہے لب پر — تم ٹھہرو کوئی دم تو مرا جی بھی ٹھہر جائے
تاچند یہ خمیازہ کشی تنگ ہوں یارب — آغوش مری ایک شب اس شوخ سے بھر جائے

جنوں نے گر کیا رخصت مجھے سیرِ بیاباں کو — نکالا جائے موسر سے نئے خارِ مغیلاں کو

بے رنگ ہے بے ثباتی یہ گلستاں بنایا — بلبل نے کیا سمجھ کر یہاں آشیاں بنایا
اڑتی ہے خاک یا رب شام و سحر جہاں میں — کس کے غبارِ دل سے یہ خاکداں بنایا
سرگشتہ ایسی کس کی ہاتھ آگئی تھی مٹی — جو چرخ زن قضا نے یہ آسماں بنایا
نقشِ قدم سے اُس کے گلشن کی طرح ڈالی — گردِ رہ اس کی لے کر سرو رواں بنایا
اس صحن پر یہ وسعت اللہ رے تیری صنعت — معمار نے قضا کے دل کیا مکاں بنایا
وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی میر جیو کی(۱) — دو چار اینٹیں لے کر میں پھر نشاں بنایا

ہاتھ دامن میں ترے مارتے جھنجھلا کے نہ ہم — اپنے دامن میں اگر آج گریباں ہوتا

(۱) جی (ن ح)

(۴) محبت

نواب محبت خاں محبت تخلص خلفِ حافظ رحمت خاں قوم بڑیچ[1] جوانے است بزیور فضل و کمال و حلم و حیا آراستہ و در علم آداب و طریقِ سلوک و تہذیبِ اخلاق بہ اعالی و ادالی ظاہر و باطنش بہ یکتائی پیراستہ از بسکہ از ابتدائے موزونیٔ طبع خیالِ شعر در دلش جا گرفتہ بود فکرِ فارسی و ہندی ہر دو میکند بندہ او را در لکھنؤ دیدہ بسیار بخوبی پیش می آید۔ حق تعالیٰ سلامت دارد من کلامہ۔

نظر کے پڑتے ہی تجھ پر مرا گلا نہ رہا　　کہ دیکھتے ہی تجھے دل میں مدعا نہ رہا

مجھ سے خفا ہے وہ بتِ خود کام اب تلک　　جھڑکی وہی ہے اور وہی دشنام اب تلک

درد کس کا مرے پہلو میں خلش کرتا ہے　　یا الٰہی مجھے کیوں رات دن آرام نہیں
عاشقی کا تو تری نام ہر اک لیتا ہے　　پر محبت سا کوئی عشق میں بدنام نہیں

آرام ایک دن کسی پہلو نہیں مجھے　　یارب یہ کس کے درد سے میں بیقرار ہوں

الفت میں جس کو اشک بہانے کی حد نہ ہو　　اُس کو خدا کرے کہ کہیں آبرو نہ ہو

ہم سے وحشت اسے کیا کہتے ہیں　　اتنی وحشت اسے کیا کہتے ہیں
اس قدر یار سے گرمی کرنی　　کیوں محبت اسے کیا کہتے ہیں

---

(۱) بڑیچ (نخسنہ) (دل ح)

نسیمِ مصر کب آئی سوادِ شہرِ کنعاں کو کہ بھر جھولی یہاں سے لے گئی گلہائے حرماں کو
کوئی کانٹا سرِ رہ کا ہماری خاک پر بس ہے گل گلزار کیا درکار ہے گورِ غریباں کو
صدائے آہ جیسے تیر جی کے پار ہوتی ہے کسو بیدرد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو
کریں پامال ملک فرش رہ اس ساعت کہ محشر میں لہو ڈوبا کفن لا دیں شہیدِ نازِ خوباں کو
کیا سیر اس خرابہ کا بہت اب چل کے سو رہیے کسو دیوار کے سایہ میں منہ پہ لے کے داماں کو
تری ہی جستجو میں گم ہوا ہے کہہ کہاں کھویا جگر خوں گشتہ دل آزردہ میرؔ اس خانہ ویراں کو

قد کھینچے ہے جس وقت تو ہے طرفہ بلا تو کہتا ہے ترا سایہ پری سے کہ ہے کیا تو

رباعی

کیا جانے بسا ہے آج کس کے جا کر آتی نہیں نیند مجھکو تنہا پا کر
ہے جی میں نہ اٹھیے تا بہ صبحِ محشر اس رات کو سوئیے کچھ لیا کھا کر

دیگر

کیا میرؔ ہوئی تھی جان تجھکو بھاری جو اس بت سنگدل سے کی (۱) یاری
بیمار بھلا کوئی بھی ہووے اس کا پرہیز کرے جس سے خدائی ساری

دیگر

وہ عہد گئے کہ جور اس کے سہیے وہ بات نہیں رہی جو چپکے رہیے
حسب جی ہی چلا تو میرؔ پھر صرفہ کیا بے صرفہ جو کچھ کہ منہ پر آوے کہیے

دیگر

تسبیح کو مدتوں سنبھالا ہم نے خرقہ برسوں گلے میں ڈالا ہم نے
اب آخرِ عمر میرے کی خاطر سجادہ گرو رکھے نکالا ہم نے

---

(۱) تھی ۔ دل ح

اُس کے کوچہ کی طرف با چشمِ تر جو جائے گا — پہلے اپنی جان سے وہ ہاتھ کو دھو جائے گا
بے کسوں کی خاک پر جوشش سے آیا ابر ہو — اے فلک آنسو بہانے وہ بھی آن کر جائے گا

آخر تجھے قفس کی طرف لے چلے نصیب — مرغِ چمن ٹک اور تو گلزار دیکھ جا

(۵) محنت

مرزا حسین علی محنت تخلّص مولدش مغل پورہ بعمر ہیچ سالگی بطرفِ پورب رسیدہ جوانِ سلیم الطبع و کم گو است بمقتضائے موزونیِ طبع فکرِ شعر و ریختہ بخوبی می کند و شعرِ خود را از نظرِ قلندر بخش جرأت می گذراند۔ ازوست

ہو رقیبوں سے ملاقات اُس بتِ گمراہ کی — اور ترستے ہم رہیں قدرت ہے یہ اللہ کی

کان میں غیر کے جو تو نے کہا سمجھا میں — لے نہ گھبرا تری محفل سے اُٹھا جاتا میں

کیا ہے یہ تیرا مجھ کو رُلا کے ہنسا — پھر نسیہ لے ستمگر یوں کھل کھلا کے ہنسا
در سے اٹھایا مجھ کو اور میں ہنسا تو بولا — ہے سخت بے حیائی خفت اٹھا کے ہنسا
کیا وصل میں مرے تھے اُس شوخ سے کہ مجھ کو — کچھ آ کے چھیڑ جانا پھر بھاگ جا کے ہنسنا
بدحال دیکھ مجھ کو غیروں سے یوں کہے ہے — ٹک واسطے خدا کے اس کو بلا کے ہنسنا

ط آمدِ فصلِ گل کی نسیمِ سحر سُنا — مر جاؤں گا قفس میں مت ایسی خبر سنا

الفت ہوئی ہے اُس بتِ مغرور سے مجھے — پھیرے ہے منہ جو دیکھتے ہی دور سے مجھے

فتنہ گر تو نے جو تک ہم سے چھپائیں آنکھیں ایسے ہم رُٹھے کہ آشوب کرائیں آنکھیں
ہو گئی سب پہ مری اور تری چوری ظاہر تو نے محفل میں جو تب مجھ سے چرائیں آنکھیں

یہ نقشا تو کھینچیں بھلا آن کر درپئے آج بہزاد ودمانی نہیں

شب میں دیکھا کہ لٹکتا ہے خم زلف میں دل یارو اس خواب پریشاں کی تو تعبیر کرو

دیر سے مجھ کو نہ کچھ کام نہ کعبہ سے غرض کیوں گلا کرتے ہو لے گبر و مسلماں میرا

الحذر گریہ سے اے شوخ محبت خاں کے وہ جو رو یا تو یہی جا تو کہ طوفاں اٹھا

گالی کا انتظار تو حد سے گذر چکا منہ کو کہاں تلک ترے دیکھا کرے کوئی

مجھکو کہتا ہے کہ کرتا ہے تو بدنام صریح لکھ کے بھیجے ہے جو یوں نامہ و پیغام صریح

دیکھ کر آنکھوں کو اس کی سرنگوں کیوں رہ گئے چشم کو کرتے نہیں اے نرگس شہلا بلند

جس کو تری آنکھوں سے سروکار رہیگا بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا

تجھ کو چھوڑا اے بت مغرور نہیں جانے کا جاؤں تو پر یہ مجھے مقدور نہیں جانے کا
زخم دل کو مرے یوں دیکھ کے بولا جراح ہائے افسوس یہ ناسور نہیں جانے کا

کیوں مجھ سے خفا ہے ہوئے جان کہو تو — کیا میری ہے تقصیر میں قربان کہو تو

پیتا ہوں جام مے کے عوض کاسہ نبگ کا — مائل ہوا ہوں جیسے میں اک سبزہ رنگ کا

رو رو کے میں نے زانوئے حسرت پہ سر رکھا — جب یہ سنا کسی نے کوئی اپنا کر رکھا
کیا آمد بہار سے خوش ہوں کہ ہم کو آہ — گردوں نے فصل گل میں بھی زنداں میں رکھا

اختر سے تھے گر موتی اس کان کے بالے کے — اک چاندھی جھکے تھا جھرمٹ میں دو شالے کے
فانوس میں کب دیکھا یوں شمع کے شعلہ کو — جھمکے ہے بدن اس کا جوں کرتے میں والے کے
جوں کان میں تیرے ہے یہ موتیوں کا بالا — کب گرد ستارے ہیں یوں چاند کے ہالے کے
وہ زلف جو ڈس جائے تو خاک بچے کوئی — بچتے ہیں کہیں مائل کاٹے ہوئے کالے کے

کل جو نہیں اٹھا مجھ سے وہ باتوں میں بگڑ کر — میں بیٹھ گیا وہیں کلیجے کو پکڑ کر
کیا جانئے ہے راہ کدھر ملک عدم کی — یارب نہ رہے قافلہ سے کوئی بچھڑ کر

(۷) مشتاق

عنایت اللہ مشتاق تخلص پیرزادۂ سرہندی است۔ چنداں بہرۂ از علم ندارد۔ اکثر در مشاعرہ ہائے شاہجہاں آباد بہ بندہ خانہ حاضر می شد روزے بر سر راہ دولت خانہ با من دوچار شدہ بود تازہ باین طرف رسیدہ اما باز ندیدمش کہ چہ شد و کجا رفت یکی[1] از و بہم رسیدہ این است۔

(۱) دو شعر ازو بہم رسیدہ و آں اینست۔ (ل نخ)

ناصح یہ نصیحت نہ سنا میں نہیں سنتا — بک بک کے مرا مغز نہ کھا میں نہیں سنتا
احوال مرا دھیان سے سنتا تھا ولیکن — کچھ بات جو سمجھا تو کہا میں نہیں سنتا
اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو — مجھ سے نہ کہو بہر خدا میں نہیں سنتا
کچھ ذکر میں ذکر اپنا میں لایا تو وہ بولا — بس بات کو اتنا نہ بڑھا میں نہیں سنتا
شکوہ سے ہی کرتا ہی جو کوئی اس سے مراد کر — تو کہتا ہے ہر اک کا گلا میں نہیں سنتا
محنت کو ہے یہ ضعف کہ کچھ اپنی حقیقت — کہتا ہے وہ مجھ سے تو ذرا میں نہیں سنتا

رحم آئے نہ کچھ اس بت خونخوار کے دل میں — جب تک کہ اٹھے درد نہ دو چار کے دل میں
وہ جنس یہ یوں ہوں میں کہ لیتے ہوئے جس کو — سو سوچ گزرتے ہیں خریدار کے دل میں

کل شب وصل کی کیا جلد کٹیں تھیں گھڑیاں — آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

(۶) مائل

مرزا محمد یار بیگ مائل تخلص جوان خوش اخلاق شاگرد جرأت ازوست۔

یہ کہاں مقدور جو اس کو بلا کر دیکھئے — دل میں ہے قاتل کو اپنے آپ جا کر دیکھئے

مائل تجھے اضطرار کیوں ہے — اتنا بھی تو بے قرار کیوں ہے
رونے کا خیال ہم کو دن رات — اے دیدۂ اشکبار کیوں ہے

آنکھوں کے سامنے نہ ہو وہ گا غدا حیف — اور اس بغیر میں رہوں جیتا ہزار حیف

(ل) بڑھا

سجدوں نے میرے قدرت اپنی دکھائی اتو | پوجے ہو تجھکو لے بت ساری خدائی اتو
کیا پوچھتا ہے مجنوں عیروں سے آشتی سے | رہتی ہو اُس سے مجھسے ہر دم لڑائی اتو

سر ٹیکنے سے بھی کچھ حاصل نہیں مجنوں بس اُٹھ | یار کب نکلے ہو باہر گھر سے کو بیٹھے ہیں ہم

(۹) مشتاق

عبداللہ خاں ولد ابوالحسن خاں ابن سیف اللہ خاں المتخلص بہ مشتاق، قوم افغان یوسف زئی۔ مولدش کانس کا شانش بود بقولش جد و پدرش ہر دو شاعر بودند سیفی تخلص جد و حسن تخلص والدش میکرد. دازانکہ بہ فضل و کمال درآں زمانہ موصوف بودہ اند، برخلاف زعم خود اشتہار بہ شیخی نیز[2] داشتند۔ جد مرحومش استاد بہادر شاہ بود و پدرش بسبب کثرت زر و مال کہ در خانہ داشت ترک روزگار کردہ بخانہ نشینی گذرانیدہ۔ الحاصل خان مذکور از حضور علی حضرت ظل سبحانی مشتاق علی خاں خطاب یافتہ۔ بہ منصب پانصدی ذات و جاگیر ممتاز است و بہ استادی مرزا فرخندہ بخت بہادر مامور۔ در علم جفر و رمل و ہندسہ دستگاہ تمام دارد و نیز در نوشتن خط نستعلیق و ثلث و شفیعا یگانہ روزگار جوان خوش خلق و خوش اختلاط و عاشق پیشہ و در ابتدا ایں فکر سخن در الہ آباد شعر خود را بہ شاہ محمد علیم حسرت الہ آبادی نمودہ، در شاہجہاں آباد از میر محمد تقی میر استفادہ نمودہ۔ از وست۔

شہیدِ عشق تمہارے کی نعش اُٹھتی ہے | سبنے تو تم بھی چلو ٹک نماز کرنے کو

رنگ کیوں سبز ہے مشتاق ترے چہرے کا | کس نے دیکھا ہو تجھے زہر بھری آنکھوں سے

---

(۱) سیفی۔ (۲) شیخی نیز داشتند۔ (ل ح)

اے باغباں نہ جائیو بلبل کے متصل　　　بیٹھی ہو کس خوشی سو وہ ٹک گل سے متصل
مشتاق وہ جو شانِ محمد ہے اور علی　　　ٹھیرے ہو کون اس کے تحمل سے متصل

(۸) مجنون

درویش برہنہ شاگردِ میر محمد تقی صاحب از اولادِ رائے بیلم ناتھ یعنی نبیرۂ رائے بشن ناتھ کہ بہ حشمت و اقبالِ خاندانِ ایشاں شہرتِ تام وارد مشتاقِ قدیم است۔ دیوانش(۱) آب زدہ از نظرِ فقیر گذشتہ۔ از وست ـ

چڑھا کر ساغرِ لبریز جس دم تو نکلتا ہے　　　ترا انداز ہنسنے کا گلوں کے مونھ ملتا ہے

سر کٹا دیں گے ہم اپنا تیری ہی شمشیر سے　　　لڑ گئی تدبیر اپنی گر کبھی تقدیر سے

بیٹھا تھا دیکھ مجھکو یہاں سے اُٹھ گیا　　　حسنِ سلوک آہ زمانہ سے اُٹھ گیا

تری بے وفائی سے لے زندگانی　　　چھپانا پڑا منہ ہمیں تو کفن میں

پیا ہمیں قدح سے کو میں کبھو تجھ بن　　　رہا مدام مرے جام میں لہو تجھ بن
اسیرِ زلف ترا ہوں تجھی سے کہتا ہوں　　　سنے گا حال مرا کون مو بہ مو تجھ بن
نہ پوچھ حال تو مجنوں کا اے بتِ کافر　　　خراب و خوار وہ پھرتا ہے کو بکو تجھ بن

جس سے دل چاہے ملو تم نہ کسی سے پوچھو　　　مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے ہی جی سے پوچھو

---

(۱) بھیم (۱) نسخہ ز میں دیوانش سے قبل یہ الفاظ ہیں " بہ شرف اسلام مشرف شدہ "

(۱۰) منشی

میر محمد حسین منشی تخلص، سید صحیح النسب از سادات رضویہ ابن میر ابوالحسن عرف میر کلن خوشنویس بزرگانش اہل ولایت بودہ اند از دو سہ پشت در شاہجہان آباد توطن اختیار کردہ مشارٌ الیہ خطِ نستعلیق بسیار درست می نویسد و در فنِ انشا پردازی ہم مہارتِ تام دارد اکثر کتبِ نظم و نثر فارسی از نظرش گذشتہ و قلیل و کثیر در عربی ہم میلید چوں از رہبریٔ بختِ سعید خدمتِ منشی گری مرشد زادۂ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر باو متعلق است ہمیشہ بہ خطوط نویسیِ حضور والا مصروف می باشد۔ از آنجا کہ بہ سبب درستیِ سلیقۂ نظم و نثر و آگاہیٔ فصاحتِ زبانِ اردوئے معلیٰ صرافِ سخن ہم اورا می تواں گفت لہذا ہر غزلے کہ از حضور ارشاد می شود مشاطگیٔ تحریر و تقریر و ترتیبش بدستِ اختیارِ اوست۔ معہذا بموجبِ ارشادِ حضور و جبلتِ موزونیٔ طبع گاہ گاہے فکرِ شعرِ ہندی ہم میکند عمرش تخمیناً بست و ہشت سالہ خواہد بود۔ از وست۔

مالوف طبع اُس کی ہے جور و ستم کے ساتھ
پھر ہم کو ربط کیوں نہ ہوا درد و غم کے ساتھ
صبحِ شبِ وصال ذرا ٹھیر کر نکل
ورنہ یہ جی ہوا ہے مرا تیرے دم کے ساتھ
منشی رقم کروں میں جو اپنا میں سوزِ دل
نکلے ہے دودِ آہ صریرِ قلم کے ساتھ

کی جس سے محبت ہیں لُٹے یار نہ پایا
اس جنس کا کوئی بھی خریدار نہ پایا
تقصیر بھلا کیا ہوئی بتلاؤ جو ہم نے
دروازۂ تک آپ کے کل بار نہ پایا

نہ پوچھو اُس پری کے حسن کا عالم کہ آفت ہے
بلا شوخی غضب رفتار قامت اک قیامت ہے
دیا آئینہ میرے ہاتھ جو آج اُس پری رو نے
تو کیا معنی کہ یعنی صاف اے رفعِ کدورت ہے

کی اک نگاہِ یاس جو مژگانِ یار پر — سو برچھیاں چلیں دلِ امیدوار پر
جی بند ہو نکل بھی گیا تو کھلی رہی — اے چشم آفریں ہے ترے انتظار پر
مشتاق تیرا کشتۂ تیغِ فراق ہے — تقریبِ فاتحہ سے چل اس کے مزار پر

تو جئے مجنوں مرجائے لیلیٰ — لے وائے ویلا صد وائے ویلا

خرد کو روؤں یا اس دل رئیسِ نازپرور کو — کیا اک ترک نے غارت مرے لشکر کے لشکر کو
پسِ مردن یہ سنتے ہی کہ تھے دستِ طلب باہر — کفن میں آہ کس خواہش نے گھیرا تھا سکندر کو
کمندِ ناقۂ لیلیٰ چلا آتا ہے صحرا سے — صبا کس سے ستایا آج قیسِ خاک بر سر کو
مسی آلودہ دندانِ تبسم میں تماشا کر — نہ دیکھا ہو چمکتے گر شبِ یلدا میں اختر کو

آہ لاحق عشق کی جب سے یہ بیماری ہوئی — بارہا نبضیں چھٹیں اکثر غشی طاری ہوئی
بیقراری بے کلی در پئے طپش رہنے لگی — آہ دل دیتے ہی عاید یہ گنہگاری ہوئی
دل سنبھل چل دزدیِ بوسہ شبِ دیگر پہ رکھ — یار چونکا پاسبانوں میں خبرداری ہوئی
کیوں نہ کھٹکے تو پھرے لے حواسِ دل بیرگ بعد — بے نیازوں سے تری کس نازبرداری ہوئی
کھینچ تیغہ دشمنِ جاں امتحاں کرتا ہے کیا — کر چکے ہم عاشقی جب زندگی پیاری ہوئی
کیا کہوں کیا ظلم غفلت سے ہوا مشتاق رات — جا چکا پہلو سے جب دل تب خبرداری ہوئی

ہر قدم پر اس کے کوچہ میں غش آیا مجھے — ناتوانی ہائے یہاں تک تو نے بٹھلایا مجھے

مٹے ہے دمبدم یہاں وصل کی تدبیر کا نقشہ — دکھائی دے ہے کچھ بے ڈھب یہیں تقدیر کا نقشہ

دیکھا ہو جس نے اُس بتِ کافر کے گات کو
آئے نہ فرشِ گل پہ اُسے خواب رات کو
رنگِ شفق کی خاک میں مل جائے سب بہار
جس دم وہ کھولے اپنے حنا بستہ ہات کو
یا تو ہم اُس سے اٹھ پہر ہم کلام تھے
یا اب غضب ہی یہ کہ ترستے ہیں بات کو
مقتولِ مصحفی سے ہوا ہے مجھے یقین
حق دیر گاہ جگ میں رکھے اُس کی ذات کو

بتاں جب کہ زلف دوتا باندھتے ہیں
گرہ میں دلِ مبتلا باندھتے ہیں
نہیں بنتی بلبل سے اپنی چمن میں
ہم اب آشیانہ جدا باندھتے ہیں
ہیں یہاں خون قاہوں ہاتھوں سے اُس کے
جو پاؤں میں اُس کے حنا باندھتے ہیں
جفا کھینچیں گے پر نہ ہاریں گے جی کو
یہ ہم تم سے شرطِ وفا باندھتے ہیں
گرہ دیکے سر پر جو بالوں کا جوڑا
یہ نازک بدن خوش ادا باندھتے ہیں
ہر اک تار میں اُس کے دلہائے عشاق
بہم جمع کرکے بلا باندھتے ہیں
میاں حالِ مقتول دیکھا نہیں کیا
کمر آپ کس پر بھلا باندھتے ہیں

(۱۴) مُضطر [1]

لالہ کنور سین مضطر تخلص پسر دیوان دیبی پرشاد قوم کالستھ سکنہ سینہ، نزرگانش

---

(۱) مضطر کے حالات کے متعلق رامپور کے نسخے میں اختلاف پایا جاتا ہے اس کی نقل ذیل میں دیجاتی ہے۔
مضطر : - کرپا دیال عرف لالہ کنور سین مضطر تخلص خلف دیوان دیبی پرشاد قوم کاتیھ سکسینہ ولالہ درگا پرشاد مضطر کہ ذکر ایشاں گزشت برادر عم زادۂ ایشاں اند جوان خوش خلق و بسیار حلیم وسلیم وباحیا متواضع و خادم درویشاں است۔ بہ سبب موزونی طبع از عالم کتب بینی چیزے در زبانِ ہندی وفارسی موزوں می کرد وا رسیدے بہ سبب دوستی کہ از میاں علیٰ تنہا می داشت بہ حلقۂ شاگردانِ مولف در آمدہ۔ وطبعش رسا ئی کمال است وخیالش بسیار رسا ست، واسال

جو پوچھا اُس سے لوگوں نے کہ منشی کون ہیں بولے
مجھے کچھ تو نہیں اُس کے دو کی صاحب سلامت ہے

نہ رکھیے دیر سے مطلب نہ اب طوفِ حرم کیجے
تنگ آیا ہو جی ہستی سے ٹک سیرِ عدم کیجے
اگر خط بھیجیے اس کو تو پھر حضرتِ سلیماں کا
یہ مصرع کرکے تضمیں ایک شعر اب یوں رقم کیجے
سوا احوال دل لینے کے منشی نے اگر تم کو
لکھا ہو حرفِ شکوہ کا تو ہاتھ اس کے قلم کیجے

گھر سے جو نکلے ہو جی آج تم اس تراش سے
آپ کو کچھ خبر بھی ہے دل کی مری خراش سے
کوچۂ یار کا پتا جب نہ ملا تو مر گئے
خوب ہوا کہ چھٹ گئے روز کی ہم تلاش سے
منشیِ خستہ دل کو اب عشق میں اُس پری کے اُر
فکر نہ کچھ معاد کا کچھ نہ خبر معاش سے

(۱۱) مقتول

مرزا ابراہیم بیگ مقتول ولد مرزا محمد علی[1] مولدِ ترر گانش صفاہان و ایشان از قدیم مرزا یانِ دفتر بودہ اند خودش در شاہجہاں آباد نشو و نما یافتہ سلیقۂ نوشتنِ انشاء نثر بسیار بہ درستی دارد ۔ و در تہمید بد و نیک شعرا در احرف برد یگر صراقان معانی است ۔ کم کم خود ہم بمقتضائے موزونی طبع خیالِ شعرِ ہندی می کند و انچہ گفتہ بہ فقیر نمودہ ماسوائے شاگردی و دستی بسیار بایں خاکسار دارد ۔ عمرش از سی متجاوز خواہد بود از اشعارِ اوست ۔

مطلب رہا نہ کچھ ہمیں دیر و حرم کے ساتھ
اٹکا ہے دل اک ایسے ہی کافر صنم کے ساتھ

کل گھر سے جو وے سادی پوشاک پہن نکلے
سو طرح کے اس میں بھی سب ساختہ پن نکلے

---

(۱) محمد علی (ر ر)

وخوش روئی وخوش خوئی است بمقتضائے موزونیِ طبع گاہ گاہے چیزے موزوں میکند واز آشنایانِ محمد علیؔ است ازوست۔

بہت بے اختیاری کر چکے ہم نہایت آہ وزاری کر چکے ہم
کہا میں کچھ تو کیجے میری خاطر کہا خاطر تمھاری کر چکے ہم
ترے وعدوں پہ سو اب دم شماری بس اب اختر شماری کر چکے ہم
اگر یاری یہی ہوتی ہو صاحب تو بس آگے کو یاری کر چکے ہم
نہ آیا مضطرؔ وہ رشکِ گلہائے لہو آنکھوں سے جاری کر چکے ہم

(۱۴) مرہون

مرزا علی رضا مرہونؔ تخلص کہ بیشتر مضمونؔ[1] تخلص میکرد جوانِ صلاحیت شعار است بزرگانش مشہدی بودہ اند وخودش در شاہجہان آباد نشو ونما یافتہ۔ قبلِ فکرِ شعر بطور سادہ یادداشت ازروئے کہ بحلقۂ شاگردیِ پسرِ میر قمر الدین منتؔ کہ نظام الدین نام دارد درآمدہ طرزِ متانت گوئی خاندانِ ایشاں اختیار کردہ بافقیر ہم بسیار بخوبی پیش می آید۔ ازوست۔

(نوٹ صفحہ ۲۲۴) لالہ درگا پرشاد مضطرؔ خلفِ دیوان بھوانی پرشاد قوم کالیتھ سکسینہ جوانِ صالح وحسنِ خلق است۔ بزرگانش از پیشتہ ہمہ عمدہ معاش با جاہ وثروت بودہ اند چنانچہ در ۱۱۶۰ھ ہجری کہ راجہ بھگوان داس صوبہ دارِ کٹھر بود والد وعموئی شان دیوانِ کل بودند، با وصفِ قابلیت وشعور سلیقہ شعر فہمی کہ بسیار درست دارد گاہ گاہے بسبب موزونیِ طبع فکرِ شعر می کند اصلش از شاہجہان آباد خودش نشو ونما بلکھنؤ یافتہ عمرش تخمیناً بست و دو سالہ خواہد بود از آشنایانِ محمد علی تنہا است کہ ذکرِ ایشاں گذشت (نسخہ رامپور)

(۱) مضمون (ح۔ر)

کہ ہمہ عمدہ معاش و باجاہ و ثروت بودہ اند، از شاہجہان آباد اند و خودش در لکھنؤ تولد و تربیت یافتہ در سنِ تمیز رسیدہ بہ سبب موزونیِ طبع کہ اکثر کودکان را می باشد از عالمِ مکتب نشینی چیزے در زبان ہندی و فارسی موزوں می کرد و از حیا بکس نمی نمود بلکہ از بزرگانِ خود مخفیہ می داشت از چندے معرفت محمد علیسی تنہا کہ ذکرِ ایشاں گزشت بہ حلقۂ شاگردیِ مؤلف درآمدہ ۔ در طبیعتش روانی بسیار معلوم می شود اما از بے اطلاعیِ طرزِ شعر و محاورۂ زبان ناچار است اگر چندے مشقِ سخن بہ سلیقۂ شاعری خواہد کرد البتہ بجائے خواہد رسید ۔ از وست ۔

دیکھ کر باغ میں قد سے ترے رعنائی کو — کام فرمانے لگا سرو بھی مرزائی کو
دشمن اپنا ہمیں تم سمجھو ہوا اور غیر کو دوست — ہم نے بس دیکھ لیا آپ کی دانائی کو
اُس کے حالِ تہہ ابرو پہ مجھے آئے ہے رشک — لیکے بیٹھا ہے وہ کیا گوشۂ تنہائی کو
رشک ہے رنگِ حنا پر کہ یہ کس پردہ میں — بوسہ دیتی ہے ترے ہاتھوں کی زیبائی کو
جب سے اس شوخ کا عاشق میں ہوا ہوں مضطر — ہر کوئی دیکھ ہنسے ہے مری رسوائی کو

جو سن کے خفا ہو نام میرا — کس طرح وہ لے سلام میرا
مکھڑا یہ چار دہ سا دکھلا — کام اُس نے کیا تمام میرا

(۱۴۳) مضطرب[۱]

لالہ درگا پرشاد مضطرب تخلص پسرِ دیوان بھوانی پرشاد قوم کایستھ سکسینہ جوانِ صالح

ہمراہِ پدرِ خود بفوجداریِ محالاتِ جانذپور وغیرہ علاقہ چکلہ بریلی از حضور سرفراز شدہ عمرش بست سالہ خواہد بود ۔ از وست ۔

(۱) رام پور کے نسخے میں کسی قدر اختلاف ہے اس کی نقل لکھی جاتی ہے ۔

باوصفِ آگاہیٔ فن اگر کلامش نگاہ کسی خالی از سخافت نیست، ور نجا این مثل بسیار بموقع بیاد آمدہ کہ دوران یاحیر در حضور و نزدیکان مبے بصر دور۔ از اشعار اوست۔

جو اس کے در پہ بیٹھے ہیں سمجھتے ہیں وہ دل کس کا ہوئے جو اس کے آوارہ وہ کہتے ہیں کہ گھر کس کا
ملی فرصت نہ اتنی بھی کہ اٹھ کر ما سے لگتے پالی ہوا تیر نگہ یوں آہ دل میں کار گر کس کا
ہوا ئے پڑ سکے جاتے کا اس کے گھر کس کا فرشتہ پر نہ جہاں مارے وہاں گذر کس کا

(۱۶) موزوں

میر فرزند علی موزوں تخلص متوطن سامانہ شخص کثیر الکلام است۔ دعوائے شاعری خیلے در دماغش پیچیدہ، بگمانِ باطل خود را از ہمہ بہتر می داند و فکرِ شعر در زبانِ ہندی و فارسی ہر دو میکند اما میلِ طبعش در فارسی از کمالِ تشیع بگفتنِ مثنویاتِ مدحیۂ امیر علیہ السلام و نظم کردنِ معجزاتِ آنجناب مثلِ میر شمس الدین فقیر بیشتر است بلکہ خود را بہ شاگردی میر موصوف نیز متہم می سازد اما فرقِ شب در روز است۔ از وست۔

یارہی چیت چڑھا ہوا بیٹھے ہیں ہم اداس سے ذکر کر اس کا ہمنشیں اٹھ نہ ہمارے پاس سے

نرگس کا پھول بھیجے نامہ میں یار کو معلوم تا کرے وہ مرے انتظار کو

(۱۷) محزوں

عالم شاہ پیرزادہ محزوں تخلص، ساکنِ قصبۂ امروہہ در ایامیکہ فقیر بکتب پیش بود او در آں ضلع شہرت بہ شاعری داشت و در ماہِ محرم مرثیہ و سلام تیز می گفت و می خواند و سہ شعر از د بخاطر است۔

سے محابا چاک کرتا ہے گریباں کے تئیں کس کے آنے سے چمن میں گل کو سودا ہو گیا

کیا سودا پنے برہیں اب دل کی جستجو کا — یہاں آتش درد لہا سی وہ جل بکا کبھو کا
ہر آرزوئے دل کو حرماں نے خون کیا ہی — گردن پہ یاس کے ہی خون اپنی آرزو کا

جز یک نگاہِ خشم کبھی اُس کی خو نہیں — قسمت تو دیکھ یہ بھی کسو سے ہے کبھو نہیں

جہاں رکھتا ہو حکم نیشتر ہر خارِ صحرا کا — وہاں کیا کیا مزے دے آبلہ میری تہ پا کا
عرق اس لطف سی ہی زیرِ زلف اُس روئے تاباں پر — شبِ مہتاب میں ہو جلوہ جوں عقدِ ثریا کا
سراپا ہو گیا آئینہ ساں جوں محوِ حیرانی — دلِ مرہون ہوا ہے مجو کس کے روئے زیبا کا

پڑا ہے شور دل میں جب سے اُس کانِ ملاحت کا — یہاں ہر زخم ہے یہاں نمکدانِ قیامت کا
برہنہ پائی سے چل مجھکو اُس دشتِ مغیلاں میں — جہاں ہر خار کو دعویٰ ہی نشتر کی نیابت کا
نہیں ہی ملتفت مدت سے یہاں وہ دشنۂ مژگاں — لب ہر زخمِ دل سی خون نکلے ہی شکایت کا
یہاں گو حوصلہ طاقت کا برگ کاہ سی کم ہے — و لے رو کش سدا رہتا ہوں میں صدکوہِ محنت کا
شہیدِ لطفِ قاتل ہوں کہ بعد قتل کل اُس نے — کیا محرم لبِ افسوس و انگشتِ ندامت کا

(۱۵) ماہر

میاں فخر الدین ماہرؔ تخلص خلفِ اشرف علی خاں کہ عمدۂ خاندانی ایشاں شہرت تام دارد و شخصِ حسن وجیہا ندیدہ است مدتے بخدمتِ مرزا رفیع سوداؔ اوقاتِ عزیزِ خود را بہ کتابتِ دیوانش صرف ساختہ۔ چوں فیضِ صحبتِ بزرگاں ضائع نمی رود خود ہم چیزے موزوں کردہ و آنرا از نظرِ مرزا گذرانده۔ ازیں جہت اکثرا وقاتِ خود را از مصاحبان و مشیرانِ مرزا می شمارد و فخریہ می گوید کہ مونسِ ہر وقتِ ایشاں بودہ ام وطرفہ تر ایں کہ

(۲۰) مقصود

سقا شاعر بازاریست با وصفِ بے علمی بزانیکہ طبیعتش موزوں و رواں است ہیچ صفتے نہ دارد وگاہی در مجلس شعرا قدم نے گذارد۔ اطفال اجلاف بہ حلقۂ شاگردیش درآمدہ کلامِ واہیش را در ہنگامہ ہا و میلہ ہا می خوانند خصوصاً در ایام ہولی۔ دو شعرش بر مثالے کہ حقیقتِ لعل از سنگریزہ ہا برآید بہ نظرِ ایں مبصر رسیدہ و آں اینست۔

عشق کا دل ہی میں گھر تھا مجھے معلوم نہ تھا
عشق کیا جانے کدھر تھا مجھے معلوم نہ تھا

بوسہ وہ چیز ہے دونوں کو مزا دیتا ہے
بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہو کیوں مشفقِ من

(۲۱) مائل

میاں محمدی مائل کہ متصل جامع فتحپوری قیام دارد و از شعرائے متوسطِ شاہجہان آباد است اگرچہ فقیر را بایں بزرگ اتفاقِ ملاقات نیفتادہ اما یک دو شعرش زبانی عاقل شاہ روزے کہ برائے شنیدن اشعار[1] ایں ہیچمدان می آمد بہ سمع می رسید سلیقۂ سخن سنجیش بسیار بر درستی معلوم می شود۔ از وست

اک دن بھی آ کے تو نہ سرِ گور ہو گیا
اتنا میں مر کے دل سے ترے دور ہو گیا

یہ کافر آہ خدا کا بھی ڈر نہیں کرتا
بتوں سے مل کے گنوایا[2] ہے دینِ دل مائل

(۲۲) مہلت

مرزا علی مہلت شاگردِ جرأت چند سال گذشتہ اند کہ او را پیش ازیں[3] بہ علی تقی محشر مناظرہ

---

(۱) مزخرفات (ل ح) (۲) گنوا تا ہے (ل ح) (۳) ازیں تعلقہ بہ علی تقی محشر رنجشے۔ (ل ح)

اسیر مرتے ہیں حسرت میں قتل کی سچ کہہ — خدا کے واسطے کس دن عتاب ہووے گا

اہلِ دنیا تو نہیں دیتے ہیں محزون غم کی داد — کوہکن کو خواب شیریں سے جگاؤں تو سہی

(۱۸) محشر

محشر بداؤنی کہ ہیچ از احوالش خبر ندارم۔ یک غزلش بر بیاضِ کہنہ کہ از مدتے پیش نقیر است مسطور بود چوں اندکے در سلیقۂ سخن درست می نماید حوالۂ کاغذ کردہ شد۔ از دست

تھنبے ہے نالہ سے گر یک نفس زباں میری — بہے ہے پھوٹ کے یہ چشم خونفشاں میری
جدھر کو لے اُڑے دل کی تپش کروں پرواز — ہیں سو برقِ صفت ہاتھ میں عناں میری
ہر ایک وقت کا یہ روٹھنا ترا نا حق — بلا ہی جان پہ[1] اے شوخِ بد گماں میری
ملی تھی چند سے محبت کے ہاتھ سو فرصت — نظر یہ پھر چڑھا اپنے اک جواں میری
کہوں ہوں بات میں ہر چند خیر خواہی کی — غرورِ حسن میں سنتا ہے تو کہاں میری
ثنا میں زلف کی از بس کیا گیا محشر — قلم کی طرح سیہ ہو گئی زباں میری

(۱۹) مست

جوانِ نوخواستہ بود شاگردِ میر امانی اسد۔ در مشاعرہ ہائے دہلی اکثر بہ مکان فقیر ہمراہ ایشاں می آمد، مولفِ در اں روز ہا غزلے کہ طرح کردہ بود مصرعش را در مقطع تضمین کردہ[2] است۔

مشاعرہ میں چلو مست مصحفی جو کہے — کبھی ملا تو کرے بار سے ہر بار ہم کو

---

(۱) ہتھا ہے جان پہ (بجنسہ)

(۲) کردہ آوردہ راں انیست۔ (ن خ) (ں) چلی ملے۔

من کلامہ

مدعی اُس سے سخن بار بہ سالوسی ہے
پھر تمنا کو یہاں مژدۂ مایوسی ہے

میری ہی طرح جگر خوں ہو ترا مدت سے
لے حنا کس کی تجھے خواہشِ پابوسی ہے

آہ اے کثرتِ داغِ غمِ خوباں کہ مدام
صفحۂ سینہ مرا رشکِ جلوۂ طاؤسی ہے

تہمتِ عشق عبث کرتے ہیں مجھکو ست
ہاں یہ سچ ملنے کی خوباں سے تو اک خوسی ہے

ہم سے وہ خوش ربط الفت دور کی
آپ کو سوجھی نہایت دور کی

(۲۴) محب

شیخ ولی اللہ محب تخلص تلمیذ و ہم صحبت مرزا رفیع اصلش از شاہجہان آباد است شعر را بہ متانت و پختگی تمام می گفت سوائے دیوانِ ریختہ یک مثنوی ہم بزبانِ فارسی بسلکِ نظم کشیدہ۔ از چند سال بصبغۂ شاعری درحضورِ مرشدزادۂ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر امتیاز تمام داشت۔ دو سال است کہ بمرضِ مزمن ناسور رہِ وداعِ جہانِ فانی کردہ بمرقدش دربیر جلیل است ازوست۔

جس طرف تشنۂ دیدار ترے جا نکلے
اُدھر آنکھوں سے بہاتے ہوئے دریا نکلے

یار آیا نہ کہا ضعف سے میں اتنا بھی
خیریت صاحب من آج کدھر آ نکلے

قافلہ پہلی ہی منزل سے دبا ہم نے چھوڑ
سفرِ ملکِ عدم کو تو تنہا نکلے

جی جو بے چین ہو کوچہ ہی ترا دیکھ آئے
کیا کریں ایک گھڑی دل وہیں بہلا نکلے

ہم چمن میں گئے تھے سیر کو گل دیکھتے ہی
یاد آیا جو وہ گل بانغ سے گل کھا نکلے

رکھتی ہے عینِ وصل سے ناہم قرین مجھے
عینک تصور اُس کے کی ہے دوربیں مجھے

درمیان آمده بود آخر ہر دو بریں قرار داد ند کہ از گومتی عبور کردہ آنروئے آب بہ تیغ جنگ کنند آخر ہمیں کردند کہ مشارٌ الیہ چوں زخمی شدہ بخانہ رسید وازاں تاتش ہر چند پرسید مدار ضارب خود نشان نہ داد و در عرصۂ قلیل از ہماں زخم جانستان زندگانی را جواب داد۔ از وست۔

گر یادِ گلرخاں کی تہہ خاک کیجئے ۔۔۔ تو قبر میں بھی تن پہ کفن چاک کیجئے
مرنے کے بعد بھی نہ گئی دل کی وہ طپش ۔۔۔ آرام زیرِ خاک بھی اب خاک کیجئے

(۲۳) منت

میر قمر الدین منت متوطنِ سونی پت کہ شاعرِ مسلم الثبوتِ فارسی است در ابتدا چندے استفادۂ ریختہ از محمد قایم نمودہ ،چنانچہ مشارٌ الیہ او را در تذکرۂ خود ہمیں جہت بہ شاگردی یاد کردہ ہر گاہ بعد پیدا کردن قوت علمی و تحصیلِ عربی و فارسی نام بہ فارسی گوئی برآوردہ دراں زمان خود را شاگردِ میر شمس الدین فقیر میگوید و چندے پیشِ قتوت حسین خان ہم آمد و شد داشت ۔ غرضکہ مفصل احوالش در تذکرۂ فارسی نوشتہ ام زیادہ بریں نوشتن موجب دردِ سرِ سامع خواہد بود ۔ تصانیف بسیار از و بر صفحۂ روزگار یادگار است۔ گاہ گاہے برائے تعلیم شاگردانِ ہندی گو لب بزمزمۂ ریختہ می کشود و الا افتخار او بریں نبود فقیر بعد تاریخ رحلتش کہ از دو سال جہان فانی را پدرود کردہ ، دو سہ شعر تاریخش برائے یمن می نویسد۔

تاریخ لمولف

منت کہ ہیچگہ بہ فنونِ کمال شعر ۔۔۔ از ہمسراں نہ کردہ کسے ہمسری او
دیوانِ زندگیش چو شیرازہ وا گذاشت ۔۔۔ در شہر فاش شد خبرِ ابتری او
چوگان و گو نماند و نگاور زپا نشست ۔۔۔ خالی بماند عرصۂ جولانگری او
ساقیِ روزگار درین مجلسِ خراب ۔۔۔ حنظل فشرد در قدحِ آخری او
واحسرتا کہ سالِ وفاتش نوشتہ شد ۔۔۔ منت کجا و زمزمۂ شاعری او

۱۲ ہ

واللہ ہمیں عشق کی بھولی ہوئی سب چال
کافر تری رفتار نے پھر(۱) یاد دلائی
ہر دم تو بھرا ستیستہ جھلکتا ہی نشہ میں
ڈرتا ہوں کہ تیری نہ مروڑک جائے کلائی
آئینہ نمد پوش ہوا عشق میں تیرے
چارا رووں کی لے کے نقیراز صفائی
ہم جھوٹ کہیں تو نہ ہو دیدار خدا کا
ہے روزِ قیامت تری اک شب کی جدائی
عاشق کو محب سلطنتِ ہر دو جہاں ہے
گر یار کے کوچہ کی میسر ہو گدائی

باندہ جوڑا کیا چمک کر اس نے سج دلی محب
برقِ زیرِ ابر ہے گویا کناری کا مباف(۲)

دل تو پہلے لے چکے اب کیا ہے مطلب آپ کا
بے تکلف وہ بھی کہدیجے کہ ہے سب آپ کا
روزمرہ عاشقوں سے ہے جواب صاف کا
مٹ گیا ان نوخطوں کے دل سے حرف انصاف کا
یہ رگِ جاں ہے کسی مقتول عاشق کا میاں
یا کہ جوڑے پر نمایاں رشتہ ہے موباف کا

کی چشم کی سیاہی سپید انتظار نے
تس پر بھی آہ خط نہ لکھا مجھکو یار نے
دھو لی لگا رکھی ہے ترے در پہ آہ کی
لے شعلہ خو مرے دلِ امیدوار نے

جو خواہشِ دل تھی سو وہ ہیہات نہ نکلی
گالی کے سوا منہ سے ترے بات نہ نکلی
دلی کے ہیں کوچوں میں محب سحر کے پھانسے
کس روز نئی ایک طلسمات نہ نکلی

اُسے ذبح کرنے دیجو تو نہ منہ سے آہ کیجو
جو یہ رسم عاشقی ہے تو محب نباہ کیجو
یہ امیدوار کب تک سہئے اتنی آرزوئیں
کبھی مڑ کے اس طرف بھی تو ذرا نگاہ کیجو

---

(۱) "سب" بجائے "پھر" (ل ح) (۲) موباف (ل ح)

گلزارِ حسن پھولتی ہے اس میں چار فصل
آئینہ کی خوش آئی سراسر زمیں مجھے
جائے تشہد اپنی یہ خواہش ہے اے محب
بھولے نہ ذکرِ دوست دمِ واپسیں مجھے

خانۂ دل کہ ہو عشق کا آئین جس میں
ہے وہ قرآن کہ نہیں سورۂ یٰسین جس میں

باغ میں جب وہ گلِ تازہ بہار آتا ہے
بوئے گل پھر تو ہوا پر ہی دھری رہتی ہے

غلط سم کو کہتا ہو ہو بے مروت
تو ہی سے مروت ہو او بے مروت
نہ دیویں جگہ جی میں منہ پھیرتے ہی
اک آئینہ ہی اور تو بے مروت
نہ دو بوسہ اور مفت لو دل ہمارا
پھر اس میں کہیں کو کہو بے مروت

چشمِ پُر آب میں ہو جلوہ قدِ دل جو کا
دید کرتا ہوں عجب سرو کنارِ جو کا
شبِ فرقت میں جو اُٹھتی ہیں جگر سے آہیں
اک جہاں مجھکو نظر آتا ہے عالمِ ہو کا
ہاتھ تب عشق کے میں سنگِ گراں پر ڈالا
زورِ فرہاد کے جب تول لیا بازو کا
باندھنوں پر یہ نیا باندھنوں باندھا ہے محب
شوخ نے چہرہ جو سر پہ ہے سجا سالو کا

اُس بت سے گلابی جو اُٹھا منہ سے لگائی
شیشہ میں عجب آن سے جھکے تھی خدائی
عالم میں نشہ کے شبِ مہتاب میں تیرے
خورشید سے مکھڑے نے طلسمات دکھائی
مارا ہے اُسے (۱) ٹھوڑ ترے تیرِ نگہ نے
جس ساتھ میاں تو نے ذرا آنکھ لڑائی
گو غیر کے ملنے کی قسم کھاتے ہو پیارے
چھپتی نہیں وہ بات جو منہ سوں بنائی

(۱) ٹھوڑ — (ن نور محمد)

طرفِ چمن نہ جا نہ سوئے لالہ زار دیکھ
تو آپ باغِ حسن ہے اپنی بہار دیکھ
ہے روزِ حشر دیکھنے کا شوق گر تجھے
اے منتظر تو اپنی شبِ انتظار دیکھ

چاہت مرے دل کی آزما دیکھ
ظالم کہیں تو بھی دل لگا دیکھ

آئے ہیں تیری گلی میں اک زمانہ چھوڑ کر
جاویں اب پیارے کہاں ہم یہ ٹھکانا چھوڑ کر
کیا کریں ناچار پھر آئے تری محفل میں یار
جی ہی سے ہم تو گئے تھے یہاں کا آنا چھوڑ کر
آرزو میں سجدہ کے سر ٹوٹے ہے بار منتظر
سر پہ کیا آفت یہ لی وہ آستانا چھوڑ کر

خلق دیکھے ہے مہِ عید تمام آج کی رات
تو بھی لے ماہ جھلک جانبِ بام آج کی رات
کل شبِ وصل کو پھر دیکھئے یارب کیا ہو
ہو گئی باتوں ہی باتوں میں تمام آج کی رات
اک ذرا بے ادبی ہوتی ہے تقصیر معاف
پائینتی گر رہے کہئے تو غلام آج کی رات
منتظر ہے یہ شبِ ہجر کہ اک روز سیاہ
نہ تو شیشہ ہے نہ ساقی ہے نہ جام آج کی رات

چمن تو پھول گل و لالہ زار پر اپنے
کروں میں ناز دلِ داغدار پر اپنے
دنوں کو روتے ہی روتے تمام عمر کٹی
کریں نہ خندہ ہم اس روزگار پر اپنے
ہمارے جی میں تو تھا زہر کھا کے سو رہیے
ولے یہ ڈر ہے نہ تہمت ہو یار پر اپنے

صدمہ جو شبِ ہجر کا یاد آئے ہے مجھکو
اک دو ہی گھڑی ایسی کچھ آ جائے ہے مجھکو
پیدا ہوئی اب سے کے نئی طرح کی وحشت
نہ شہر نہ صحرا نہ چمن بھائے ہے مجھکو

(ل) ، مر ـــ

دنیا میں کیا کسی سے سروکار ہے ہمیں
تجھ بن تو اپنی زیست بھی دشوار ہے ہمیں
تو ہی نہیں تو جان تری جان کی قسم
یہ زیست کس کے واسطے درکار ہے ہمیں

(۲۵) منتظر

میاں نورالاسلام منتظر تخلص ولد شاہ فیض علی عرف پیر غلام برادر بزرگ شاہ بدر علی ابن شاہ محمد جلیل[آل] کہ او برادر خورد شاہ عاقل سبز پوش خدا یاد و خود فراموش بود جوانِ صلاحیت شعار و وارستہ مزاج و شوریدہ سر است تحصیلِ عربی تا صرف و نحو دارد و اکثر کتبِ درسی نظم و نثرِ فارسی ہم بخوبی خواندہ از دہ دوازدہ سالگی طبع موزوں داشت چوں شعر در حسن توامان است دراں ایامِ شباب جائے تعلقِ خاطر بہم رسانیدہ تا دوازدہ سال دیگر[1] خود را بہ تقاضائے دلبریٔ محبوب مصروفِ فکرِ شعر داشتہ اوقات شاں در رہی راشل بسول صرف می کرد۔ از ہشت سال برائے مشورہ کلامِ خویش پیشِ فقیر آمد و شد دارد و ہرگز دریں عرصہ با وجود کم ملاقاتی و فصلِ سال و ماہ مثلِ دیگراں رجوع بہ طرفِ دیگرے نکردہ اگرچہ بعض اشخاص[2] ذہانت طبعش را دیدہ بسیار خواستند کہ او را بہ طریقے بہ حلقۂ بیعت خویش کشند ہرگز التفات[3] نکردہ تا آنکہ بہ برکتِ راسخ الاعتقادیٔ خویش بمقامِ والائے شاعری رسیدہ حالا برائے کلمہ نمکی آنہا برابرِ من موجود است و کلامش از نہایت لطف و صفا ہیچ از کلامِ مؤلف در بایہ کمی نیست نوعیکہ از شاگردانِ رشیدِ ایں خاکسار بمقدار است۔ عمرش تا امروز بست و پنج سالہ باشد[4]۔ از وست[5]۔

ہر دم خیالِ یار جو پیشِ نظر رہا
ہجراں میں بھی وصال ہمیں بیشتر رہا
گر یوں ہی منتظر سے نفانیت رہوگے تم
سن لوگے ایک دن کہ وہ کچھ کھا کے مر رہا

---

(۱) ذکر خود (ل خ) (۲) اشخاص معنوی (ن ح) (۳) التفات نگفتہ ایشاں سر کرد (ن خ) (ال) محمد جلیل (ل محمد)

(۴) "خواہد بود" بجائے "باشد" (ل خ) (۵) انتخاب دیوان اوست (ل ح)

کیوں گردشِ دوراں کا نہ کیجے گلہ ہر روز ۔۔۔ پڑتا ہے نیا پاؤں میں اک آبلہ ہر روز
ہرگز نہ ہوا طے یہ بیابانِ محبت ۔۔۔ درپیش رہا مجھکو نیا مرحلہ ہر روز
ہر چند میں کرواں میں بھی سفر ملکِ عدم کو ۔۔۔ یاروں کا ادھر جائے ہے اک قافلہ ہر روز
وحشت نے یہ گھیرا ہے کہ دیوانے کے تیرے ۔۔۔ پڑتا ہے نیا پاؤں میں اک سلسلہ ہر روز
اے منتظر اس رشک نے مارا کہ رہے ہے ۔۔۔ اک یار نیا وہ صنم دو دلہ ہر روز

جہاں سے ہم دلِ پُر اضطراب لیکے چلے ۔۔۔ عدم کو ساتھ ہی اپنے عذاب لیکے چلے
کبھی نہ لے گئے ہم دل کو اُس تک اچھی طرح ۔۔۔ جو لے چلے تو بحالِ خراب لے کے چلے
یہ سر نوشت میں تھا جا کے راہ میں مارا ۔۔۔ وہاں سے خط کا جو قاصد جواب لیکے چلے
مواحد منتظر اُن کا وہ اُس کی تربت پر ۔۔۔ گل اور شمع برائے ثواب لیکے چلے

کبھی گر بعدِ ماہ و سال مشکل سے ملے ماہ دکھلائی ۔۔۔ تو پھر برسوں ہی مشتاقوں کو تو نے راہ دکھلائی
بروزِ وصل شادی مرگ ہو جانا ہی بہتر تھا ۔۔۔ فلک نے یہ شبِ ہجراں میں کیوں آہ دکھلائی

یک سر مو نہ یہ حالِ دلِ ابتر سمجھے ۔۔۔ زلف سے تیری خدا اور بت کافر سمجھے
مجھ سے کہتا تھا وہ اک روز سمجھ لونگا میں ۔۔۔ حالتِ نزع میں ہوں میں ابھی آ کر سمجھے
دولت حسن ہے جس پاس یہ ہے اس سے سوال ۔۔۔ کچھ نہ لے اور نہ دے پر ہمیں نوکر سمجھے

کیا ہجر میں بسر یونہی اوقات ہووے گی ۔۔۔ یارب کبھی تو اُس سے ملاقات ہووے گی
جب جانتیں لگے کہ آج ہمارے بھی دن پھرے ۔۔۔ ہمدم نصیب وصل کی جب بات ہووے گی
کہتا تھا ایک بات یہ میں تجھ سے ہوں خفا ۔۔۔ دھڑکے ہے دل مرا کہ وہ کیا بات ہووے گی

تم پیار کرو گر نہ صنم اور کسی کو
سوگند تو پھر چاہیں جو ہم اور کسی کو

اغیار تو جھوٹے ہیں میں کب تم کو کہا کچھ
پوچھو تو بھلا دیجیے قسم اور کسی کو

میں نے جو کہا گھر مرے چلیے کوئی دم آپ
تو ہنس کے کہا دیجیے یہ دم اور کسی کو

گئے پوری سے جو تم غیر کے گھر آخرِ شب
دلِ آگاہ نے ہمیں دی یہ خبر آخرِ شب

کل شبِ وصل جو تھی کیسی مچائی تھی دھوم
بولتا آج نہیں مرغِ سحر آخرِ شب

ق
رات بھر تو رہی اس ماہ کے آنے کی امید
پر ہوا خوب مرا حال تبہ آخرِ شب

یاد کر تکیۂ زانو کو میں اس کے ہر دم
لے لے مارا کیا بالیں سے سر آخرِ شب

منتظر کیوں نہ جگر سینہ میں فریاد کرے
لے گیا لوٹ کوئی دل کا نگر آخرِ شب

کچھ پردہ فاش نالے نے کچھ آہ نے کیا
رسوائے خلق ہم کو تری چاہ نے کیا

چاہت کی بات مجھ سے نہ دم دے کے پوچھیے
اپنے ہی جی سے آپ قسم دے کے پوچھیے

لب پہ مرے اس لب کی تقریر ہے اور میں ہوں
آنکھوں کے تلے اس کی تصویر ہے اور میں ہوں

کیا جو تم نے مجھے آج پیار تھوڑا سا
نکل گیا مرے جی کا بخار تھوڑا سا

سر زمیں میں گڑ گئے غنچوں نے سر جھکا دیا
خندۂ گل کو دیکھ جو یار نے مسکرا دیا

یوں لے گئی دل زلفِ سیہ فام لگا کر
جوں صید کو کھینچے ہے کوئی دام لگا کر

شعر از و سکندر حق تعالیٰ سلامت دارد از دست۔

بندہ ہوں حسنِ صورت عشق مجاز کا
ہر آئینہ میں جلوہ ہے اُس جلوہ ساز کا

از خویش رفتگی ہی ہمارا ہم عشق میں[1] یہاں نہیں
عزم کلیسا و ارادہ حجاز کا

اے آہ سینے ادب نہ اُسے پھونکیو کہ ہے
دل جلوہ گاہ پردہ نشیناں راز کا

ہے آستانِ دیر پہ ایسی نشست جاست
کب ہو حرم میں ہم کو ارادہ نماز کا

یہاں جاں تک بھی دے چکے پر اسی ہاں نہیں
جھگڑا چکے گا کیونکہ یہ ناز و نیاز کا

ممنون دلِ ستم زدہ ہے عشق کا حریف
یہاں ہر دو چار صعوۂ بے بال باز کا

کل جو خلوت میں وہ بت محو خود آرائی تھا
آئینہ پشت بہ دیوار تماشائی تھا

جب مقابل ہوا اُس برق بلا سے مجنون
وقفِ آتش مرا سامانِ شکیبائی تھا

کھولا جو پیچ طرۂ عنبر شمیم کا
مشک ختن سے بھر گیا دامن نسیم کا

جب کھول دوں میں سینۂ سوزاں کے چاک کو
تب بازار روئے خلق پہ در ہو جحیم کا

دیکھا جو اُس کا قد و دہاں زلف ہٹ گیا
زاہد کے دل سے نقش الف لام میم کا

بس ہے یہ لطفِ صبا بہر گرفتارِ قفس
راہ بوئے گل کرے سوراخ دیوارِ قفس

منکر ہمارے قتل سے ہوتا ہے تو ہنوز
رنگیں ہے اپنے خوں سے وہ خاک گو ہنوز

آنکھیں یہاں آئینہ پتھرا گئیں مری
اے خود نما پر آیا نہ ادھر کو تو ہنوز

ایسا غبار بھٹکے ہے مانندِ گرد باد
گو ہو گئے ہیں خاک پہ ہے جستجو ہنوز

---

(۱) ہم عشق یہاں نہیں (ن ح)

کچھ نہ پایا جب نثارِ عید قرباں کے لئے ‌ ‌ ‌ لے چلے تب جاں بکف ہم نذرِ جاناں کے لئے
اے صبا یہ ہم صفیروں سے مرا کہیو پیام ‌ ‌ ‌ کوئی تڑپے ہے تو قفس میں سیرِ بستاں کے لئے
ہم اسیروں کو رہائی کیا ہو جب ہر عید کو ‌ ‌ ‌ قفل تو تیار ہوں در ہائے زنداں کے لئے

غصہ میں اُس حسیں پہ پڑے جب شکن کئی ‌ ‌ ‌ دریائے قہر آن سے ہوئے موجزن کئی
کیوں سیرِ لالہ زار کو اُس بن گیا میں ہائے ‌ ‌ ‌ جو تازہ ہو گئے مرے داغِ کہن کئی
آنکھیں کبھو لڑائیں کبھو دیکھ کر تنا ‌ ‌ ‌ میلے میں اس نے ہم سے کئے بانکپن کئی

امید ہے کہ مجھکو خدا آدمی کرے ‌ ‌ ‌ پر آدمی کرے تو بھلا آدمی کرے
اس طرح وہ فریب سے دل لے گئی مرا ‌ ‌ ‌ جس طرح آدمی سے دغا آدمی کرے
بھائیں نہیں کچھ اُس کے نکلتی ہیں اپنی جاں ‌ ‌ ‌ کیا ایسے بے وفا سے وفا آدمی کرے
مارا ہے کوہکن نے سر اپنے پہ تیشہ آہ ‌ ‌ ‌ دل کو لگی ہو چوٹ تو کیا آدمی کرے
گر کچھ کہا بگڑ کے میں بس اُس نے ہنس دیا ‌ ‌ ‌ کیا ایسے آدمی کا گلا آدمی کرے
گذرا میں ایسی جاہ سے تا چند ملتیں ‌ ‌ ‌ بیٹھا کسی کے سر کو لگا آدمی کرے
ہے عشق بد مرض کوئی جاتا ہے منتظر ‌ ‌ ‌ کیا خاک اس مرض کی دوا آدمی کرے

(۲۶) ممنون

میر نظام الدین ممنون تخلص خلف الرشید میر قمر الدین منت جوانِ سعادتمند و ذی شعور است۔ در حینِ حیات پدرِ بزرگوار بعد تحصیلِ کتبِ رسمی بمقتضائے موزونیٔ طبع خود را مصروفِ گفتنِ شعر ہندی و فارسی میداشت تا آنکہ در عرصۂ قلیل قوتِ شاعری چنانکہ شاعر را باید پیدا کرد و کلام خود بہ تتبعِ کلامِ پدر رسانید اکثرے از موزوناں شہر استفادہ

سمجھ کے رکھیو قدم رہروانِ وادیٔ عشق — رواں ہے یہاں دمِ خنجر پہ قافلہ دل کا
عبث نہیں ہے یہ وابستہ پریشانی — کسو کی زلف کو پہنچے ہے سلسلہ دل کا

تھا روز کونسا کہ یہاں غم نہیں رہا — پڑھ پڑھ کے دل کا مرثیہ ماتم نہیں رہا
کیوں مسکی مسکی چیز لی ہے اور بکھرے بکھرے بال — گر اختلاط غیر سے باہم نہیں رہا

دورِ فلک میں کس کو نہیں میکشی سے ذوق — رکھتا ہے ماہ ہاتھ میں ساغر بلور کا
ممنون ہر رنگِ حضرتِ سودا ہو دیکھئے — ہر سنگ میں شرارہ ہے اُس کے ظہور کا

عین راحت ہے جو کچھ ہم پہ ستم کیجے گا — سر جھکا دیں گے اگر تیغ علم کیجے گا
کس کو پروا کہ ہوا دارِ گل و لالہ رہے — باغِ دل اپنے ہی کو رشکِ ارم کیجے گا
دیکھ کر مجھ کو یہ کہتے ہیں بتانِ خوشخط — ایک دن سر کو ترے تن سے قلم کیجے گا

نہیں ہے جلوہ نما غنچہ شاخ پر گل کا — یہ ہو رہا ہے گرہ شعلہ آہِ بلبل کا

ہم سے کتنے بے دلوں کی کب ہے منزل تک پہنچ — یار گو دل میں ہے پر ہم کو کہاں اُس دل تک پہنچ
کشتیٔ طاقت شکستہ اور بحرِ غم کا جوش — مژدہ نومیدی نہیں اب اپنی ساحل تک پہنچ
وحشتِ تنہائی میں صحرا گردی ہے جوں گردباد — مشتِ خاکِ قیس کی مشکل ہے محمل تک پہنچ
صیدگاہِ شوق میں کیا بے ادب یہ صید ہے — جو کہ جاتا ہے تڑپ کر اپنے قاتل تک پہنچ

ہے سایۂ نگین زلفِ سیہ فام زمیں پر — یا صبحِ قیامت کی ہے یہ شام زمیں پر

رکھے ہے ڈھنگ کچھ ساقی شرابِ ناب آتش کا — مقطر کیا گیا ہے کر گلِ شاداب سے آتش کا
مرے یہ گرم آنسو پر نچھڑ مت دستِ نگاریں سے — کہ ان چشموں سے رہتا ہے رواں سیلابِ آتش کا
ڈراتا ہے عبث ممنوں کو تو دوزخ سے واعظ — دکھاؤں داغِ دل تو ہووے زہرہ آب آتش کا

قدم(۱) رکھا ہے یہاں کس نے کہ گل تصویرِ قالی کا — رکھے ہے ڈھنگ آہ پائے حنا بستہ کی لالی کا
دعائیں زیرِ لب آہستہ آہستہ آئے دل میں — جو یاد آوے ہے لب تک آ کے رک جانا وہ گالی کا
پڑا ہے پرتوِ مہ طلعتاں اس دیدۂ تر میں — یہاں دیکھ آ کے عالم ماہتابِ(۲) پرتگالی(۳) کا
نگاہِ شوخ یوں گستاخ مت جا اس کے عارض تک — خطر ہے سبزۂ نوخیز خط کو پائمالی کا
لکھا جو شعر تعریفِ جمالِ یار میں ممنوں — وہ حسنِ نظم میں ہمسر ہے اشعارِ جمالی کا

کب گل ہے ہوا خواہ صبا اپنے چمن کا — وابستہ دم سے ہے رفو زخمِ کہن کا
بے تابیٔ دل تیرے شہیدوں کی کہاں جائے — کچھ کم رگِ بسمل سے نہیں تارِ کفن کا
اس(۴) واسطے دیتا ہوں اب آئینہ کو بوسہ — وہ شوخ جو دلدادہ(۵) ہے عکس اپنے دہن کا
طفلی میں دیا ہے سبق استاد نے تجھکو — نازو نگہ و عربدہ و شوخی و فن کا
ہم زمزمہ ہم تم تھے کبھی پر یہی پیغام — مرغانِ قفس کے لئے مرغانِ چمن کا

دھویا ہے کس نے منہ کہ یہ ہے رنگ آب کا — لبریز رنگِ گل سے ہے ساغر حباب کا

رہے ہے روکشِ نشتر پر آبلہ دل کا — یہ حوصلہ ہے کوئی بل بے حوصلہ دل کا

---

(۱) قدم رکھا یہاں کس نے کہ الخ (ن نور محمد) (۲) رنگ (ن ش - ن نور محمد) (۳) پرتگالی (ل ح)
(۴) کس واسطے (ل ح) کس واسطے دیتا ہے اب الخ (ن نور محمد) (۵) دلدادہ ہے اپنے دہن کا (ل ح)

نہیں فتنہ قدو قامت سے
ہنس کے پھر دیکھنا قیامت ہے

(۳۰) مزمل

شاہ مزمل تخلص از قدما است گویند درویشے بود شعرے از طفولیت یاد دارم۔

دل ہرن میرا مزمل رم گیا
دشمنوں کے من کے چیتے ہو گئے

(۳۱) معین

یہ شاگرد[1] مرزا محمد رفیع شہرت دارد شاعر کہنہ مشق است فقیر او را ندیدہ یک غزلش مشہور است برائے یادگاری نوشتہ و دو رباعی اینست۔

اے باد صبا باغ میں مت جائیو تڑکے
شاید کہ وہ سوتا ہووے اور بات نہ کھڑکے

جوں شیم کی کشتی اگر اُس راحت جاں کو
چھاتی سے لگا رکھئے تو دل کاہے کو دھڑکے

آتے ہی نہیں گر کے سوئے چشم یہ آنسو
اس گھر سے مگر روٹھ کے نکلے ہیں یہ لڑکے

اے ابر بہاری شب ہجراں ہو خبردار
دامن ترا مجھ آہ کے شعلہ سے نہ بھڑکے

سر رشتہ رہِ عشق کا ہرگز نہ کروں گم
سو ٹکڑے اگر سچہ نمط ہوں مرے دھڑ کے

قمری ہو فدا باغ میں شمشاد کی دھج پر
ہم صدقہ ہیں اے سرو رواں تیری اکڑ کے

قصہ ہی کرو مختصر اب جانے دو یارو
کیا لینا ہے تم کو مرے قاتل سے جھگڑ کے

ہوں میں وہ دوانا کہ بہار آنے سے آگے
زنجیر میں رکھتا ہوں معین تجھکو جکڑ کے

رباعی

جب سے تجھ ساتھ دل لگایا ہم نے
کیا کیا اندوہ و غم اُٹھایا ہم نے

تقصیر نہیں ہے اس میں تیری باللہ
جیسا کہ کیا تھا ویسا ہی پایا ہم نے

---

(۱) میاں معین معین تخلص (۲) جی دن ح ا (۲) اشتم سرب لیتب ہی علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ (عبدالوہاب خاں سلام)

(۲۷) محترم

خواجہ محترم خاں محترم تخلص کہ فقیر از احوالِ ایشاں مطلع نیست اروست۔

اے محترم اتنی اشکباری — کھل جاتا ہے ابر بھی برس کر
کیا رونا ہے یہ ترا کہ جس سے — بدنام ہوا میں اب تو بس کر

---

۱ پیغام تو جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک — شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

(۲۸) مصدر

میر ماشاء اللہ مصدر تخلص پدر میر انشاء اللہ خاں کہ کمالاتِ طبعی ایشاں از غایتِ اشتہار محتاج بیان نیستند۔ گاہ گاہے خیالِ شعر ہم می کنند و ہر کہ پیشِ ایشاں کلام خود بخوانند در جواب آں بدیہہ گوئی را ((۱)) زیادہ می شنوند فقیر اگر چہ ایں بزرگ را ندیدہ اما اوصافِ کمالاتش بیشتر شنیدہ ، دو شعر از و بسمع رسیدہ۔

خدا کرے کہ مرا مجھ سے مہرباں نہ پھرے — پھرے جہاں تو پھرے پر وہ جانِ جاں نہ پھرے

کافر ہو سوا تیرے کرے چاہ کسی کی — صورت نہ دکھائے مجھے اللہ کسی کی

(۲۹) مضمون

میاں شرف الدین مضمون از قدما است ، دو شعر ایشاں بطریق یمن نوشتہ۔

ہمارا اشک قاصد کی طرح یک دم نہیں تھمتا — کسی بے تاب کا شاید لیے مکتوب جاتا ہے

---

(۱) چہ اشعار ش از نظر گذشتند انچہ انتخاب افتاد نیست (ن خ) (۲) آمادہ (ن لورمحا)

(۴۳) معروف

الٰہی بخش معروف تخلص پسرِ عارف خاں جوانِ خوش اختلاط و وجیہ است در ایامیکہ فقیر تذکرہ با تمام رسانیدہ از شاہجہان آباد بہ لکھنؤ گذر افگندہ بہ شاگردی میاں نصیر نازش دارد و فکرِ شعر نیز بروئیۂ ایشاں کہ تلاش است میکند در یک دو مشاعرۂ حالِ صاحبِ عالم شریکِ غزلِ طرحی نیز بود و بعد یک دو ماہ باز بہ شہر عود کرد مطلع از و بیاد ماندہ۔

کیا چھٹی اس کی تمامی کی وہ انگیا ہاتھ سے
ہاتھ ملتا ہوں گئی سونے کی چڑیا ہاتھ سے

(۴۴) مروت

صغیر علی مروت تخلص کہ بہ پسرِ مصری شہرت دارد ولدِ کبیر علی عرف حکیم کبیر سنبھلی شیخ انصاری کہ ذکرش گذشت جوان قابل و دانا است تحصیلِ کتبِ طب وغیرہ از والدِ خود در رامپور کردہ بمقتضائے موزونیِ طبع چوں شوقِ شعر دامنِ دلش را بسوئے خود کشید او را بہ صحبتِ نجو خاں پسرِ مستقیم خاں کہ جوانِ شاعر دوست گذشتہ پیر و داوینِ اساتذۂ سلف و حال خاطر خواہ میسر آمد ناگاہ گاہے کہ فکرِ شعر می کند در آں تلاشِ معنی ہائے تازہ منظور می دارد و اکثر غزلش قصیدہ طور است و یک دو قصیدہ کہ گفتہ خیال بندی را در ربطِ بہ سلیم وسعت دادہ۔
دریں کار ردیئہ مرزا رفیع پیش نہادِ خاطرِ اوست۔ در ہماں ایام کہ بہ رامپور بود یک دو داستان بروئیۂ مثنوی میر حسن در سلکِ نظم کشیدہ با خود داشت و میخواست کہ آنہا را بہ نظرِ موی الیہ بگذراند چوں در ہماں ایام میرِ موصوف را سفر ناگزیر در پیش آمدہ بسیار تاسف خوردہ و رفتہ رفتہ ہماں چند قطرہ اش دریا گردید یعنی در عرصۂ پنج شش[1] سال کہ از سفرِ بنارس در شہر باز آمد جوابِ مثنوی بہ معنی ہائے تازہ مہیا گردانیدہ بعد اتمام قصہ بہ عرصۂ

(۱) سال روزہائے کہ از سفر ۔ (ل ح ۱۲۷) مثنوی میر صاحب (ل ح)

دیگر

دل[1] کے ہاتھوں ہمارا جینا معلوم　　خون پیتے ہیں اب تو مرے کا پینا معلوم
گر جیب پھٹا ہو تو رفو ہو ناصح　　یہ چاک جگر ہے اس کا سینا معلوم

(۳۲) محشر

مرزا علی نقی محشر از بزرگانش اہل خطہ بودہ اند و خودش در لکھنؤ نشو و نما یافتہ بمقتضائے موزونی طبع شعر بہ زبان ہندی و فارسی ہر دو میگفت و دعوائے شاعری چناں در دماغش جا گرفتہ بود کہ کسی را بہ خاطر نمی آورد و طرفہ تر اینکہ خود اکثر قدم در راہ خطا می گذاشت۔ درایامیکہ از بیم دعوائے خون مرزا علی نہلت از شہر برآمدہ وارد شاہجہاں آباد گردید روزے بہ مجلس مشاعرۂ مؤلف حاضر[2] شدہ و روزی بہ صحبت کیمیا خاصیت خواجہ میر درد نیز رسیدہ و بہ ہمیں جہت خود را بہ شاگردیٔ ایشاں متہم میداشت۔ آخر بعد یک دو سال بہ طرف اکبرآباد وغیرہ سیر کردہ ہر گاہ دید کہ فتنہ فرو نشست باز بہ شہر آمد و بہ ہوشیاری تمام زندگانی میکرد۔ وارثان مقتول عجالتاً باو آویختن مصلحت وقت نمی دانستند چوں ایں ماجرا از خاطرش[3] گردید و چند سال بریں بگذشت در سنہ یکہزار و دو صد و ہشت در عشرۂ ماہ محرم قابوئے وقت یافتہ او را بہ بیکسی کشتند و قصاص خون نہلت بہ نہلت گرفتند عمرش تخمیناً قریب سی رسیدہ باشد۔ از وست۔

جان منتظر ہے آنکھوں میں وقت رحیل ہے　　جلدی پہنچ کہ تیرے ہی آنے کی ڈھیل ہے

دو دم میں اس ستم کے گردوں کو آسایش نہیں　　کس گھڑی کس دم نئے فتنہ کی فرمایش نہیں
گفتگو از دو زباں کی کوئی ہم سو سیکھ جائے　　کیا ہوا دل میں محشر اپنی پیدایش نہیں

(۱) دوسرا مصرعہ پہلے ہے اور پہلا بعد میں (ان نخ) (۲) شدہ بود (ان نخ) (۳) از خاطرش نسیاً منسیاً گردید (ان ح)

غیروں پہ دیکھ دیکھ کرم اُس نگار کا
چیں بر جبیں ہے نقش ہمارے مزار کا

گو مثلِ گردِ باد ہے گردش نصیب میں
پر ہے دماغ عرش پہ مجھ خاکسار کا

مجنوں کی خاک بن کے بگولا چلی ہے ساتھ
محتاج کیوں ہو ناقۂ لیلیٰ مہار کا

بن گردِ باد یار کے صدقے ہوا اس لئے
ہے رابطہ ہوا سے ہمارے غبار کا

ہے حسن کی اک موج شبِ ماہ میں دُرریز
قطرے وہ عرق کے ہیں اس ماہ جبیں پر

نہ چمن ہے نہ گل ہے نہ بو ہے
جلوہ گر یہاں تو ہر طرف تو ہے

دیکھنا ہنس کے اُس کا آنکھ ملا
کیا کہوں سحر ہے کہ جادو ہے

حسنِ چشم آہ یہ کس گل کا مجھے بھاتا ہے
خواب میں تختۂ نرگس ہی نظر آتا ہے

تحفۂ لختِ جگر اشک مرا اے ہمدم
دمبدم گوشۂ دامن کو لئے جاتا ہے

ہر رو پر ترے گیسوئے سیہ کے نیچے
ق خالِ مشکیں مجھے اس شکل نظر آتا ہے

جس طرح وقتِ سحر موسمِ سرما میں غزال
شاخِ سنبل کے تلے دھوپ کھڑا کھاتا ہے

مصحفی (۳۵)

مصحفی نہ ماند کہ مؤلفِ تذکرہ غلام ہمدانی نام دارد مصحفی تخلص مے گذارد دیر زمانش نوکری[۱] خانۂ بادشاہ کردہ اندازا اینکہ تفرقۂ شدیدی در سلطنت راہ یافتہ سلطنت خانۂ ایں روسیاہ ہم خاک برابر شد ہمہ از تمتعِ دنیا بہرہ دانی داشتند۔ ایں فقیر چوں بخت طالع آنہا نداشت[۲] ناچار از آغازِ شباب بمقتضائے موزونیِ طبع مصروفِ تحصیلِ علم بود چنانچہ

(۱) بزرگانش (اماعت خد) نوکری (ن ح) (۲)، خاک سیاہ برابر شدہ (ن ح)

قلیل بہ ہمسایگی فقیراورا نویسانیدہ وصاف نمودہ درمعرض شہرت افگندہ اکثردوستان نقل گرفتند ارتن شاعری او بریں مثنوی است (۱) درآغاز شباب اول چندے بہ ترغیب میرحسن فکر شعر کردہ از نظر ایشاں گذرانیدہ وبعداز اں در روزہائے کہ در رستم نگرا قامت داشت بسبب قرب وجوار بہ میاں قلندربخش جرأت رجوع آوردہ اقرار شاگردیش بہ یک کس نیست لہذا می گوید کہ سہ رہبر خرمنے خوشہ یافتم - تمتع زہرگوشہ یافتم بسبب (۲) ہمسایگی اتفاق ملاقات می شود۔ از وست ۔

کیوں تونے وا کیا تھا بندِ قبا چمن میں — اُڑتی پھرے ہے گل سے بلبل خفا چمن میں
ہرسمت اب صبا جو پھرتی ہے خاک اُڑاتی — بلبل کے پر پڑے ہیں کیا جا بجا چمن میں
نرگس کی آنکھ تجھ پر پڑتی ہے بے طرح سی — مت وقتِ شام جانا بہرِ خدا چمن میں
جوں لالہ داغِ دل یہاں پھر جل اٹھا ہے شاید — جاتا ہے سیر کرنے وہ بے وفا چمن میں
جیب اپنا گل نے پھاڑا بلبل موہی امرؔت — کیوں اپنے غم کا قصہ تو نے کہا چمن میں

چھٹتا نہیں ہے دستِ مصوّر سے وہ ورق — کھینچی ہے اُس نے جس پہ مرے یار کی شبیہ
ناخن زنی میں دل کے ورق پر رہی ہے آہ — کس کس طرح اُس ابروئے خمدار کی شبیہ

کیا صدف ہوں میں رکھوں جو ہر گھڑی گوہر بدست — جوہرِ شمشیر ہوں رہتا ہوں نت خنجر بدست
اپنی صیادی پہ وہ صیاد کیا نازاں ہے واہ — آ گیا ہے ایک جو مجھ سا طائر بے پر بدست
خارِ صحرا نے قدم چومے جو ہیں مجنوں چلا — لی بہارِ تماشے لیلے الجشم تر بدست
عشق کا قصہ مروّت سے سنو لے بلبلو — مثلِ گل اس بات کا رکھتا ہے وہ دفتر بدست

---

(۱) مثنوی است ماسوائے آں ہر غزل و قصیدہ وغیرہ چنداں مصاحب ندارد در آغاز (ن ح)
(۲) چوں خانہ اش قرب وجوار مکان فقیر است اکثر ملاقات می افتد۔ (ن ح)

یہ خیال اک دن اسی صورت فزوں ہو جائیگا
رفتہ رفتہ مجھکو سودا ہے جنوں ہو جائیگا

ان حنائی ہاتھوں کو پردے میں رکھ بہر خدا
مفت میں ظالم کسی کا ورنہ خوں ہو جائیگا

تابش خورشید میں تو گھر سے باہر مت نکل
پھول سا رخسارہ تیرا لالہ گوں ہو جائیگا

گو کہ اب پاتے نہیں ہم اُس کا کوچہ مصحفی
شوق اگر یہ ہے تو اک دن رہنموں ہو جائیگا

صورت کو تری دیکھ کے مانی نے رو دیا
یہاں تک کہ خوں میں اپنا مرقع ڈبو دیا

ہرگز رہے نہ ہم تو کسی کام کے دریغ
سب کام سے ہمیں تری الفت نے کھو دیا

کل میں جو راہ میں اُسے پہچان رہ گیا
کچھ وہ بھی مجھکو دیکھ کے حیران رہ گیا

سمجھے وہ صید خستہ مرے اضطراب کو
سینہ میں جس کے ٹوٹ کے پیکان رہ گیا

شوخی تو دیکھ تیر کو سینہ سے کھینچ کر
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا

مارے خوشی کے کود پڑا میں تو مصحفی
شب پاس میرے اُس کا دوالیان رہ گیا

نظر آتے ہیں پردے تیری آنکھوں کے گلابی سے
کہیں سے پی ہے تو نے یا اُٹھا ہے نیم خوابی سے

ہوا ہیں سو وہ کیفیت کہ نخل اس باغ کے سارے
گلے میں باہیں ڈالے ہیں کھڑے باہم ترابی سے

نزاکت کو نظر کیجو کہ کل اُس نے شب مہ میں
چھپایا چاند سے مکھڑے کو اپنی آفتابی سے

جو میرا دل نہیں ملتا تو پایا ہے میرے پہلو سے
اُٹھا لیتا ہے تو کیوں ہاتھ کو رکھ کر شتابی سے

مکان مصحفی اس کو نہ سمجھو آپ کا گھر ہے
تکلف کچھ نہیں کھل بیٹھیے یہاں بے حجابی سے

قدغن ہے کہ در تک کوئی یہاں آنے نہ پاوے
اور بے خبر آوے بھی تو پھر جانے نہ پاوے

دہاں روزن دیوار بھی اب بند ہوئے ہیں
تا سینہ کے روزن کوئی دکھلانے نہ پاوے

بہ فیض صحبت بزرگان اول از تکمیل نظم و نثر زبان فارسی و تحقیق محاورہ و اصطلاح آں فراغت حاصل کردہ بہ مقتضائے رواج زمانہ آخر کار خود را مصروف بہ ریختہ گوئی داشتہ برائے اینکہ رواج شعر فارسی در ہندوستاں بہ نسبت ریختہ کم است و ریختہ ہم فی زماننا بپایۂ اعلیٰ فارسی رسیدہ[1] دوازدہ سال در شاہجہان آباد بہ دور نواب نجف خاں مرحوم بگوشۂ عزلت گزیدہ زبان ریختہ ار دوئے معلیٰ کماہی دریافت نمودہ و سرگز برائے تلاش معاش در آں حشر احبا و امورات بروں کس: رفتہ اگرچہ بہ نسبت فارسی گوئی در یاران مسلم الثبوت فارسی گو ہم شمردہ می شود اما نام را آوردہ بہ ریختہ است و آنچہ دریں مدت تصنیف و تالیف کردہ انیست کہ دو دیوان فارسی یکے در جواب مولانا نظیری نیشاپوری و یکے بطور خود و سہ دیوان ہندی و دو تذکرۂ فارسی و ہندی و یک دو جزو شاہنامہ تا نسب نامہ حضرت شاہ عالم بہادر و یک دیوان ہندی کہ در شاہجہاں آباد گفتہ معہ مسودۂ دیوان فارسی اول کہ زبان آں بطور جلال اسیر و ناصر علی بود بہ دزدی رفتہ میخواست کہ کلام خود را آخر بہ صاحبان نویسد اما حرف میم بر آں آورد کہ بہ ردیف میم داخل باشد لہٰذا[2] المؤلفہ۔

اشعار از دیوان اول

لگائے ہاتھ کوئی اُس بدن کو کیا گستاخ ۔۔۔ نہ جس بدن کو لگی ہو کبھی ہوا گستاخ

میں چھیڑتا ہوں جو اُس کو کہے ہر کٹ کے رقیب ۔۔۔ قدیم سے ہے تمھارا یہ آشنا گستاخ

سنا ہے مصحفی میں جب سے شعر عرفی کا ۔۔۔ ہمیشہ ہاتھ گریباں سے ہو مرا گستاخ

بہ ساعتے کہ کشائی قبا بہ یاد آور ۔۔۔ کہ می کشاد کسے بند ایں قبا گستاخ

کریں گے خواب راحت یا یہی جنجال ہووے گا ۔۔۔ خدا جانے کہ بعد از مرگ کیا احوال ہووے گا

---

(۱) رسیدہ بلکہ از و بہتر گردیدہ، چیداں مصروف فارسی نماندہ است۔ (ن خ)۔ (ن) نسخہ رہیں بعد فارسی "زباں تصحیح" کے الفاظ زائد ہیں (ن خ)، لہٰذا مرخرافات خود را نیز داخل ایں جریدہ کردہ شد تا صفحۂ روزگار یادگار ماند (ن خ)

اُس نے جس وقت کہ خال اپنے زنخداں پہ رکھا
داغ اک اور مرے سینۂ سوزاں پہ رکھا
آگیا یار کا دامن جو مرے ہاتھ کبھو
میں نے رومال سمجھ دیدۂ گریاں پہ رکھا

شب ترے کوچہ میں کوئی کہتے ہیں مرکر رہ گیا
تو نہ آیا اور وہ مسکین آہ بھر کر رہ گیا

پردا اٹھا کے اُس نے جو سینہ دکھا دیا
میں چاک کرکے اپنا گریبان اڑا دیا

قصد کرتا ہوں جو اُس در سے کہیں جانے کا
دل یہ کہتا ہے تو جا میں تو نہیں جانے کا

ٹھکانا اک جگہ ہوتا نہیں اُس غم کے مارے کا
یہ گردش طالعوں کی پھیر ہے گویا ستارے کا
خدا جانے پڑی ہے آنکھ وہاں کس بے محابا کی
کئی دن سے جو ہر روز ان نیند ہے اُسکے نظارے کا

داغ دیکھے تھا کھڑے لالۂ صحرائی کا
زور عالم نظر آیا تری سودائی کا
بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا

کبھی اُس تازہ گل بن ہم جو رخصت اپنا ملتے ہیں
ملیں ہیں عطر کو لیکن کف افسوس ملتے ہیں
کوئی ان کافروں کے ہاتھ سے کیونکر نکل جاوے
نئی ترکیب ہر روز اور نئے نقشے نکلتے ہیں
جو خط بھیجوں تو خط کو آگ پر رکھدے ہے وہ ظالم
جو قاصد جائے تو تا سمہ کر دل تیر نکلتے ہیں
کچھ ان بے دردوں تو میں یہ نکتہ دیکھا اُس کے کوچہ میں
کبوتر کئے ہوئے جاتے ہیں کتوں سے جلتے ہیں
باتوں میں اب ہنس ہنس ان زہر گھولتے ہیں
ہم سے ہی بے حیا ہیں جو تم سے بولتے ہیں

یوں صاحبِ بستاں کا ہوا اب حکم کہ صیاد — اس باغ میں بلبل کا قفس لانے نہ پاوے
کیا خاک کرے سحر ترے نقشِ قدم کے — جو خاک بھی اُس کوچہ سے لیجانے نہ پاوے
تو آگے ہی جا بیٹھ دلا بزم میں اُس کی — تا آگے کوئی پیچھے اُسے سکھلانے نہ پاوے
تو شوق سے لچکا قد جوں شاخِ گل اپنا — پر موت ہے کمر دیکھیو بل کھانے نہ پاوے
کعبہ میں تو ہم کو نہ ملا مصحفی یا رد — بھیجو کوئی قاصد اُسے بتخانے نہ پاوے

شب کہ دل درد و الم سے سر بسر لبریز تھا — شورِ محشر کی طرح ہر نالہ شور انگیز تھا
اِن اداؤں کا کوئی مارا ہے کس طرح آئے — یا ہوا اب یہ گرم جوشی یا کہ وہ پرہیز تھا
نوبہاراں میں تو کرتے ہم بھی دلوسائے خوں — مثلِ گل چاکِ گریباں ہم سے دست آویز تھا
کی ٹھنک اک آب دمِ شمشیرِ قاتل نے کمی — ورنہ پیمانہ ہماری عمر کا لبریز تھا

دیوان دویم

ترا خدنگ نگہ جس کے دل کے پار ہوا — نشانِ تیرِ تغافل وہ دل فگار ہوا
قفس سے چھوڑ دے نواب تو ہم کولے صیا — چمن میں کہتے ہیں پھر موسمِ بہار ہوا
صبا جو پوچھے خبر مصحفی کی تجھ سے رہ شوخ — تو کہیو ہنس کے میں صدقے ترے نثار ہوا

مرضِ عشق سے گر اب کے سنبھل جاؤں گا — تو میں دو چار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا
مجھکو قاصد کے تغافل نے تو مارا ہی پر — روز ظالم یہی کہتا ہے کہ کل جاؤں گا

صانع نے جو خم ابروئے دلدار میں رکھا — سالک نے بھلا کون سی تلوار میں رکھا
قاصد نے دیا نامہ مرا اس کو تو اُس نے — کر چاک وہیں رخنۂ دیوار میں رکھا

قفس سے چھوٹے ہے اب مجھکو کیا تو اے صبا — چمن کے بیچ کہاں موسم بہار رہا
خیالِ یار جو شب میرا ہمکنار رہا — تمام شب میں اُسی کے گلے کا ہار رہا
میں تیرے ڈر سے نہ دیکھا اُدھر بہت شبِ وصل — ستارۂ سحری مجھ کو آنکھ مار رہا

چھپ چھپ کے وہ گھر غیر کے مہمان گیا تھا — چوری کی نظر میں وہیں پہچان گیا تھا
جانے سکا نہ لے نام شب عید ہم پیارے — سن بات مری میں ترے قربان گیا تھا

کب میں یاروں کے تئیں دیکھ پکارا نہ کیا — پر کسو نے مری تربت پہ گذارا نہ کیا
بیٹھنا پاس تمھیں غیر کے کیا لازم تھا — تم نے اتنا بھی میاں پاس ہمارا نہ کیا
میں ہوں وہ کشتۂ ناچیز گلی میں اُس کی — جس کا خورشید نے روزن سے نظارا نہ کیا

بھیگے سے ترا رنگ حنا اور بھی چمکا — پانی میں نگارین کف پا اور بھی چمکا
جوں جوں کہ پڑیں منہ پہ ترے مینہ کی بوندیں — جوں لالہ تر حسن ترا اور بھی چمکا
دھویا نہ گیا خون مرا تیغ سے تیری — کمبخت پہ پانی جو پڑا اور بھی چمکا

سو گیا تھا شام وہ رکھ کر جبیں پر پشت دست — دیکھ اُسے خورشید نے ماری زمیں پر پشت دست
سانپ سو لہری سے رہ جو رات لہرانے لگے — کیا جھجک کر اُس نے ماری آستیں پر پشت دست

بیٹھے ہی جو کوئی اُس بت پُرفن کے برابر — اُس دوست کو ہم سمجھے ہیں دشمن کے برابر
انداز تو بسمل کا سمجھا اسے نہ وہ کیسا — رہ جائے ہی آ کر ترے دامن کے برابر
کیا جانئے اُس تیغ کو کیا سوجھی ہے اُس دم — پھر جائے ہے آ کے جو گردن کے برابر

کیا غم ہے گر سحر وہ گئی چشم تر لئے　　شبنم نے گل کے ساتھ تو شب عیش کر لئے

گو کہ مخلِ ہمدمی حرج بخاطر از ہے　　ہم کو تو اتنا تک وہی بندگی و نیاز ہے
سمجھے تھے ہم کہ جائے گی جیسا گیا ہے روزِ وصل　　کب ہمیں اس کی تھی خبر ہجر کی شب دراز ہے
دامن اٹھا کے چلتے ہو مرے مزار سے عبث　　خاک میں میں تو مل گیا کس سے اب احتراز ہے

ہم کو ترساتے ہو تم کیوں یہ ادا دکھلا کر　　منہ چھپایا نہ کرو بہرِ خدا دکھلا کر
شرطِ یاری یہی ہوتی ہے کہ بس پھر گئے اب　　چار دن مہر و محبت کا مزا دکھلا کر
حسن کہتا ہے اُسے پردہ اُٹھائے پر شرم　　یہ سکھاتی ہے کہ لے منہ کو چھپا دکھلا کر
دل کو ہاتھ اُس کے جو بیچوں ہوں تو کہتے ہیں تریا　　لیجیو تم اسے بازار ذرا دکھلا کر
پھر قیامت ہے جو وہ شوخ چھپا لے منہ کو　　اپنا دیدار ہمیں روزِ جزا دکھلا کر
اُن کے ہاتھوں سے بھلا کیونکے کوئی بچ نکلے　　لیویں جو دل کو لبھلا رنگِ حنا دکھلا کر
لالہ سر کھینچے ہے خاکِ شہدا سے اتنا تک　　تم چلے آئے تھے اک دن کفِ پا دکھلا کر
تیرے بیمار کو دے کر کے پشیمان ہوئے　　لائے تھے وہ جو مسیحا سے دوا دکھلا کر
خواہ دیوانہ کہے خواہ وہ وحشی مجھ کر　　مصحفیؔ میں اُسے حال اپنا چلا دکھلا کر

از دیوان سویم

کیا دید میں عالم کی کردں جلوہ گری کا　　یہاں عمر کو دتفہ ہے چراغ سحری کا
مُردوں کو جلاتی ہے ترے پاؤں کی ٹھوکر　　اس چال پہ مرتا ہے بجا کبکِ دری کا
جو دیکھے ہے نقشہ کو ترے وہ یہ کہے ہے　　سارا بدن انسان کا چہرہ ہے پری کا

گھبرا نہ سن کے صدا میری ایک بار رہا　　میں رہروانِ عدم کو بہت پکار رہا

ماہ رو کی جو مہربانی ہے — یہ بدو ہم پہ آسمانی ہے
اُس کا رخسار دیکھ جیتا ہوں — عارضی میری زندگانی ہے

ایں شعر دوم در تذکرۂ میر حسن صاحب بنام محمد شاکر ناجی مسطور است ومن از زبانش او شنیدہ بودم، واللہ اعلم بالصواب۔

اُس کے تئیں ہماری نہ کچھ یاد ہی رہی — اور اپنے تئیں نہ طاقت فریاد ہی رہی
اُس بلبل اسیر کو کیا گل سے راہ و رسم — جو زیر دام مست صبا دہی کا رہی
جوں گرد و باد ساکن یک جانہ ہو سکی — اپنی یہ ہرزہ زندگی برباد ہی رہی
دنیا کو جائے عیش سمجھتے تھے لیے نثار — سو اپنے جینے تک تو غم آباد ہی رہی

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گے ہم — یہ گریباں وا کیے صحرا کو دکھلاویں گے ہم

مر ہی جاویں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے — بھول تو گئے ہو ہمیں پر یہ تمہیں یاد رہے

(۲) نثار

محمد امان نثار تخلص قوم شیخ بزرگانش معمار بودہ اند بلکہ کسے کہ طرح جامعۂ دہلی انداختہ یکے از اجداد اوست علم ریاضی را بہ خاندان ایشاں نسبت تمام است مشارٌالیہ پیش ازیں در دہلی بہ سرکار نواب محمد[1] الدولہ بہ سرانجام عمارت عزو انتیار داشت بعد دستگیر شدن نواب موصوف بہ سرکار نواب ضابطہ خاں دخیل شدہ اکنوں کہ از چند سال بہ پورب رسیدہ بہ سرکار پیراجہ ٹکیت رائے بہ پیشہ خود عزت تمام دارد۔ چوں اصلش معمار است لہٰذا بنائے ریختہ ہم بخوبی نہادہ ادائے زبانِ اردو چنانچہ باید از زبانِ ندرت بیانش می شود ار

(۱) مجد الدولہ۔ (ل نخ۔ ل نورمحمد)

جب اُس نے ہاتھ دھوئے خونِ عاشق سے ذرا مل کر | کیا اُس رنگ اصلی کو غلط رنگ حنا مل کر
کفک کا کس کی نقشا یاد آیا اس کو گلشن سے | چلی پاؤں تلے پھولوں کو کیوں ایسا مل کر
کچھ ایسی ہو گئی حالت مری جب سے حسن آیا | بدن سے آتے تھے یوں تو وہ ٹھہرا رہا مل کر

مہندی ہے کہ قہر ہے خدا کا | ہوتا ہے یہ رنگ کب حنا کا
کل آئے ہو ہاتھوں سے تم اپنے | یا خون کسی تازہ آشنا کا
خط لے کے مرا یہ کب گیا[2] ہیں | دل دیکھوں ہوں قاصد صبا کا
تلوار کو کھینچ اس پہ رہ دیکھ | ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

کاغذ کا ورق ہے پائے صورت | نقاش ایسی بنائے صورت
چہرہ پہ نظر نہیں ٹھہرتی | اللہ رے تری صفائے صورت

حرف النون

(۱) نثار

میر عبدالرسول نثار تخلص مرد یست جہاندیدہ و فہمیدہ اصلش از اکبرآباد است۔ فقیر اورا در ابتدائے شاعری در قصبۂ امروہہ دیدہ بود اکثر بعد ہفتہ و عشرہ ملاقات می شد و در تذکرہ شعر بیان می آمد۔ از معاصران میر و مرزا شاعر سحر کار و با فصاحت و بلاغت دیدمش۔ عمرش تخمیناً قریب شصت خواہد بود حالا معلوم نیست کہ زندہ است یا مردہ این چند شعر[3] از وست۔

---

(۱) ود (ن خ) (۲) کیا (ن ح)، (۳) بیادماندہ از وست (ن خ)

منعم نہ کر اس عمارت کی بزرگی[1] — اک خاک سے تیری تعمیر سو کیا خاک
نامہ کو مرے پڑھ کے پٹک دے ہے زمیں پر — دیکھی رقم شوق کی تاثیر سو کیا خاک
گردا ہو تری شکل کا بیٹھے ہو مرے گرد — اب اور میں کھینچوں تری تصویر سو کیا خاک
مجھ سوختہ کے تن میں نہیں بوند لہو کی — جا لے گا مری جان ترا تیر سو کیا خاک
جاتی ہے اڑی گرد نثار اس کی گلی کو — کی عشق نے اس شوخ کی تسخیر سو کیا خاک

تم تو اک دم ٹھیر کر مجلس میں گھر آتے رہے — گھر ہزاروں مٹھ گئے لاکھوں کے جی جاتے رہے
میری اس کی گرم صحبت ایک دم ہونے نہ دی — روز میرے شعلہ خو کو غیر بھڑکاتے رہے
خواہش دل تھی جو کچھ وہ بات بن آئی نہ یار — آہ کیا کیا مسودے ہم دل میں ٹھیراتے رہے
آئینہ نے دی جو تم کو خط کے آنے سے خبر — اپنی زلفوں کی طرح کیا دل میں بل کھاتے رہے
بے تکلف ہو نہ بیٹھے سامنے آنکھیں نہ کیں — وصل کے دن بھی نثار اتنے سے شرماتے رہے

خط کے آنے سے نہ کچھ چل سکی تدبیر اپنی — بوسہ بازی کی لگی خالصے جاگیر اپنی
کر دیا دل کو خدا نے جو بتاں کے بس میں — کیا دکھا دے گی ہمیں دیکھئے تقدیر اپنی
اپنے گھر میں تمہیں یہ حسرت دیوار نثار — اپنی غفلت پہ ہنسا کرتی ہے تعمیر اپنی

شب کو وہ کوٹھے ہی کوٹھے گھر ہمارے آ رہا — غیر دروازہ پہ بیٹھا راہ ہی تکتا رہا

گردش کا اس نگاہ کی اب طور اور ہے — اے ساکنان میکدہ یہ دور اور ہے
صورت موافقت کی کوئی سوجھتی نہیں — صاحب کی وضع اور مرا طور اور ہے

---

(۱) نسخ میں یہ شعر داخل ہے اور مصرعہ اول میں شاید لفظ "اپنی" چھوٹ گیا ہے مصرعہ دوم میں "تیری ہے" ہوگا

ابتدا در شعر شاگرد شاہ حاتم است دیوان ضخیمے ترتیب دادہ قدرت پرگوئی بسیار دارد و اکثر در مشاعرہ ہائے دہلی ہم طرح یاران بود[1]۔ از وست۔

خنجر نہ کمر میں نہ وہ تلوار رکھے ہے — نظروں ہی میں جا ہے جسے مار رکھے ہے
دستار گلابی یہ نہیں طرہ زرتار — خورشید شفق میں وہ نمودار رکھے ہے

خوبی میں ترے حسن کی کچھ حرف تو کب ہے — لیکن یہ ذرا خط ہے کہ اصلاح طلب ہے

اس رشک سے ہم کیونکہ نہ سر سنگ سے ماریں — آئینہ ترے حسن کی لوٹے ہے بہاریں

کیا جامہ پھلکاری اس گل کی پھبن کا تھا — جو تختۂ دامن تھا تختہ وہ چمن کا تھا
ہم آگو ہی سمجھے تھے تم گھر کو سدھاروگے — جوں صبح گجر باجا تھا وہیں ٹھن کا تھا
ملتا میں نہو جلوہ وہ یادہ گلگوں کا — جامہ میں جو کچھ یار و رنگ اسکے بدن کا تھا
نرگس کو کیا ایسا بیمار ان آنکھوں نے — ڈھلکا ہی نظر آیا گردن کا جو منکا تھا

شیخی تو آفتاب کی ذرہ گھٹائیے — برقع اٹھا کے یار کا مکھڑا دکھائیے
دیکھا نہیں شگفتہ کبھی غنچۂ دہن — پیارے خدا کے واسطے ٹک مسکرائیے

ہم سے ہو زر و سیم کی تدبیر سو کیا خاک — دنیا میں بڑی چیز ہے اکسیر سو کیا خاک
ہوجائے دل اک آن میں مٹی شنوا اسکا — ہم خاک نشینوں کی ہے تقریر سو کیا خاک

---

(۱) با فقیر از قدیم الایام آشنا است۔ (از دست ن ح)

- پرستی و موزونی طبع اشتہار دارند۔ کمالاتِ بسیار در ذاتِ بابرکاتش جمع آمدہ بہتش ہمیشہ متوجہ مقاصدِ عمدہ می ماند چنداں مصروف و مالوف بہ ریختہ گوئی نیست مگر چیزے کہ در زبانِ سابق گفتہ شہرت یافتہ۔ احوالش در تذکرہ فارسی نیز نوشتم۔ از وست۔

نا رونقِ گلشن ہیں نہ زینت کسو سر کے مثلِ گلِ بازی نہ ادھر کے نہ ادھر کے

دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسو کی یارب نہ کسو دل کو لگے چاہ کسو کی

آیا نہ کبھو خواب میں بھی وصل میسر کیا جائے کس وقت مری آنکھ لگی تھی

پوچھیں نہ کبھو اشک یہ مغرور کسو کے بڑھ جاویں اگر چشم میں ناسور کسو کے

پھڑکاتی ہو کیا دختر رز شیشہ میں آنکھیں تجھ نہ ہوئی پردہ میں مستور کسو کے

(۵) نعیم

کہ نعیم اللہ خاں نام داشت جوانے بود از شاگردانِ قدیم شاہ حاتم۔ دیوانِ ضخیم ترتیب دادہ پر گوئیش مشہور و کلامش از رطب و یابس معمور بفقیر اوراد آولر دیدہ بود کہ بعد چندے در سرکارِ نواب محمد یار خاں نوکر ستد چوں ملازمتِ نواب مؤلف ہم در آں نزدیکی کرد و قصیدۂ مدح بہ گوشِ حضارِ مجلس رسانیدہ داخلِ صحبت کیمیا خاصیت شد لہذا اکثر اتفاقِ ملاقات می افتاد بر گاہ بعد شکستِ ضابطہ خاں بر سکرتال از مرہٹہ ہا وحضرتِ ظلِ سبحانی سلسلۂ صحبتِ یاراں گسیخت و تفرقۂ شدیدی در آبادی کیٹھر[1] رو آورد وہم در آں ایام چوں اکثر بیمار می ماند بمرضِ استسقا در موضعِ عطر جہندی[2] رفتہ بود کہ درگذشت۔ از وست۔

(۱) کیٹھر۔ (ل ح) (۲) عطر حیدری (بجنبہ ل ح)

بندہ ہوں جاں نثار ہوں میں اُس کا لے نثار　　آخر جو میں ہوں اور رہیں اور اور ہے

(۳) ناجی

کہ محمد شاکر[1] دارد اصلش شاہجہان آباد مرد سپاہی پیشہ از شعرائے ایہام گوئے عہد محمد شاہی است معاصر میاں آبرو - دیوانِ او ہنوز در دہلی بر صفحۂ روزگار یادگار راست واشعار دلپذیر بطور خود بسیار آمدار - از وست -

کفن ہو سبز ترے گیسوؤں کے ماروں کا　　مکان غم ہے ترے در کے بیقراروں کا

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تلک بھلا　　چلی جاتی ہے فرمایش کبھی یہ لا کبھی وہ لا

دیکھ کر رنگِ حنا تیرے کفِ خونریز پر　　آگ لگ لالہ کا دل غیرت سی بریاں ہو گیا

منکر نہ ہو کہ رات رہا نہیں رقیب پاس　　رہنے کی ہر دلیل یہ جامہ ہوا
موروں قد اس کا چشم کے میراں میں جب تلا　　طوبیٰ تب اُس سے یک قدِ آدم کسا ہوا

مجھکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا　　لے چلا جب دل کے تئیں منہ دیکھتا میں رہ گیا
ڈوب گئے کئی فلک جب کھولی لبِ دنیا پر لف　　حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں رہ گیا

(۴) نظام

نواب عماد الملک نظام تخلص کہ پیشتر تخلص ایشاں آصف بود از ابتدائے عمر شاعر

---

(۱) ناجی کہ محمد شاکر نام دارد (ں ح)

شریک مشاعرہائے دہلی بودہ با فقیر اعتقاد و نیازمندی کلی داشت۔ از مدتِ بسیار مفقود الاحوال است۔ از وست۔

کانوں پہ جب کھنا ہے گل اک اس طرف اک اس طرف　　شمس و قمر رہتے ہیں تل اک اس طرف اک اس طرف

(۸) نصیر

میاں نصیر نصیر تخلص پسر زادۂ از اولادِ میر حیدر جہان صاحب جوانِ خوشگو است فقیر دریافت کہ در شاہجہاں آباد بود اکثر در مشاعرہ می آمد۔ درآں عالم نومشقی در طبعش روانی و تیزی دریافت میشود حالا گویند کہ قوتِ شاعری بسیار پیدا کردہ شعرے از و بسمع رسیدہ این ست[1]۔

چڑائی چادرِ مہتاب شب میکش نے جیحوں پر　　کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر

خوفِ زلفِ یار چھٹا ماہی کس کا رات نے　　(۲)　　کہکشاں سے لیا دانتوں اپنی نکارات نے

تیرے آنے کی خبر جو گلِ شاداب اڑی　　(۳)　　بیضۂ غنچہ سے اک بلبلِ بیتاب اڑی

شیدیزِ ناز پہ چڑھا وہ کتار بسد　　(۴)　　تارِ نظر سے ہم نے لگائی فتکار بند

رباعی

کوئی نہیں کہتا یہ سنئے قلباں کو　　(۵)　　فریاد و فغاں میں کچھ سرگرم نہ ہو
دم عشق کا کیا بھرے ہے لے سوختہ جاں　　(۶)　　آتی ہے اٹھی منہ سے تجھے دود کی بو

---

(۱) نسخہ ر میں "دو شعرے از و بہم رسیدہ" لکھا ہے اور ایک شعر جو اوپر درج ہے اسکے علاوہ یہ شعر زائد ہے۔
پشتِ لب پہ ترے یہ خط ریحاں ایسا　　منہ تو دیکھو نکھرا توت رقمِ جاں ایسا
(۲) ن ح میں یہ ۲ تا ۶ اشعار نصیر کے اور ہیں۔

آنت کی نشانی ہی رہے ہم تو زمیں پر　　جو سنگِ بلا چرخ سے آیا سو ہمیں پر

گر تجھے منظور تھا غیروں سے ہونا آشنا　　پھر عبث تو کیوں ہوا ظالم ہمارا آشنا
تیری خاطر کے لئے سنتا ہوں لے بیگانہ وضع　　سب مرے دشمن ہیں کیا بیگانہ و کیا آشنا

کوچۂ یار سے دل ہم سے اُٹھایا نہ گیا　　مل گیا خاک میں اس طرح کہ پایا نہ گیا

شتابی عبث تو نے کی جانِ مضطر　　ابھی تو ہمیں آرزو تھی کسو کی

(۶) ندیم

مرزا علی قلی ندیم اصلش شاہجہاں آباد است در مرثیہ و سلام توغل بسیار کردہ چنانچہ کلامش ازیں قسم شہرت[۱] دارد۔ آخر آخر سخافتِ کلامِ دیگر مرثیہ گویان دیدہ و طرز ایشاں را مطلقاً نپسندیدہ عنانِ رخشِ ہمتِ خود را بہ طرفِ ریختہ گوئی معطوف ساختہ گو کہ فغان کہ ذکرش گذشت اقرار شاگردی او دارد۔ ازیں جہت است کہ بعض مرثیۂ مشارٌ الیہ ہم بسیار دیدہ بسمع رسیدہ۔ بالفعل یک شعرش کہ در برجستگی[۲] مضمون نظیر ندارد بہم رسیدہ اینست[۳]۔

جدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے[۴] ہیں　　بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

(۷) نالان

میاں عسکری نالان تخلص، قوم مغل اول کسے کہ در شاہجہاں آباد بہ حلقۂ شاگردئ فقیر در آمد اینست۔ میر حسن صاحب او را در تذکرہ خود شاگردِ شاہ حاتم نوشتہ اند محض غلط اکثر

---

(۱) شہرت تمام دارد (ن خ) (۲) برجستگی (ن خ) (۳) از دست (ن ح) (۴) جلتے ہیں (ن خ)

شاگردِ میاں بقا راللہ می گویدکہ از مصتویرِ مرزا جہاندار شاہ عوان بخت مرحوم بخطاب خوش فکر فانی عزد امتیاز یافتہ[1]۔ فکرِ شعر در زبان ہندی و فارسی ہر دو میکند ما قصیدہ را اسیار بہ متانت و پختگی بہ سر انجام می رساند معہذا طرزِ نظمِ قصیدہ اش بہ سببِ اندراجِ لغاتِ عربی و فارسی از ابنائے زبان جدا است و بسیار فراست[2] دارد و الحق کہ دریں کار ہر کہ با و در افتادہ شکست فاحشہ خوردہ۔ بہ سببِ دوستی کہ میانِ من و میاں بقار اللہ[3] بہ پایہ برادریست فقیر را عمومی گو یداز دوست۔

اب اشک تو کہاں ہی جو جا ہوں ٹپک پڑے — آنکھوں سی وقت گریہ مگر خوں ٹپک پڑے
یہاں تک ہی جوشِ اشک کہ آنکھوں سی تجھ بغیر — یک قطرہ آب چاہوں تو حیوں ٹپک پڑے

ہمارا نامہ کے کردے ہے وہ دشنام قاصد کو — چھٹا اس کے کچھ نہیں ملتا وہاں انعام قاصد کو
خط آنا یک طرف اب چاہئے پیغام تیرا کی — کہ جا کر لیے مِری جانب سے وہ پیغام قاصد کو
اسے تو خط کو یہاں آیا تھا یا صورت پرستی کو — چل اپنے کام لگ اس کام سی کیا کام قاصد کو
تو آقا صد کو اپنے پردہ مفتون آپ کرتے ہیں — وہ آپ ہی جو ب ہیں کیا دیجئے الزام قاصد کو

(۱۱) نادر

لالہ گنگا سنگھ نادر شاگردِ میر حسن جوانِ خوش خلق است ہمیں مطلعش شہرت یافتہ۔

قاصد تو اس فریب سی تو اس پاس جائیو — کس کا یہ خط ہی اس کو مجھے پڑھ سنائیو

---

(۱) یافتہ ام اگرچہ در خوش فکریش شک نیست، اما فقیر از یں مقدمہ کما ینبغی آگاہی ندارد (ن خ۔ ن کمم)
(۲) فرق دارد۔ (ن ح) (۳) از قدیم الایام ہمپایہ (ن خ)

(۹) نحیف

کہ[1] از نام ونشانش خبر نہ دارم دو سہ غزلش بر بیاضے نوشتہ دیدم چوں رہ بدرستی داشت نقل گرفتہ شد بانیست

کس طرح ربط نہ ہو زلف سے دیوانوں کو
اُنس ہوتا ہی پریشاں سے پریشانوں کو
مجھکو بتلادے صبا باغ میں تو نے آکر
کس لئے ٹکڑے کیا گل کے گریبانوں کو
پھاڑ کر اپنا گریباں یہ نحیف ہر جی میں
چلئے اب یہاں سے نکل دیکھئے ویرانوں کو

جیسے وفائی پہ یار ہے سو ہے
یہ دل بے قرار ہے سو ہے
ابر موسم ہی پر برستا ہو
دیدۂ اشکبار ہے سو ہے
سوزش عشق کیا بتاؤں نحیف
سینۂ داغدار ہے سو ہے

دل کو کہتا ہوں شاید اب سمجھے
پر یہ خانہ خراب کب سمجھے
اُس کے کوچہ میں ومبدم جانا
روز سمجھے ہے دل نہ شب سمجھے
درد دل اور میری بے تابی
جب وہ چاہے کسی کو تب سمجھے
آہ کس ڈھب سے اُس سے کیجے بات
بات سیدھی بھی جو کہ ڈھب سمجھے
ہجر کے غم سے مرگئے لاکھوں
ہم بھی تھے تجھکو جاں بلب سمجھے
شکر صد شکر بچ گیا تو نحیف
تیرا جینا ہی ہم عجب سمجھے

(۱۰) نوا

شیخ ظہور نوا تخلص ساکن بداؤں پسر مولوی دلیل اللہ جوان خوش فکر و سنجیدہ وضع

---

(۱) کہ ہیچ از نام (ن نخ)

یہ خدا جانے کیا تھا کل اے دل   وہ کوئی بار بار نکلے ہے

عشق میں کیا فضل و ہنر چاہئے   آہ میں تھوڑا سا اثر چاہئے
آٹھ پہر جس پہ ستم کی ہو مشق   ٹک تو کرم کی بھی نظر چاہئے

لی دلے ہمرہوں نے رہ اپنی اپنی ہاں کی   ہم رہ گئے بھٹکتے جوں گرد کارواں کی

گیا ہے واقف تفتیدہ دل مگر تہِ خاک   کہ لالہ خاک سے اب داغ داغ اُگتا ہے

واقف شراب معلوم اس دورِ آخری میں   ناچار کیا کریں ہم افیون گھولتے ہیں

(۲) وحشت

شاگرد جعفر علی حسرت۔ نقیر اورا ندیدہ۔ از وست۔

آہ آگئے تو نکلتی تھی جگر سے باہر   اب جگر نکلے ہے خود دیدۂ تر سے باہر
کیوں کے تم گھر سے نکلو گے میاں دیکھینگے   ہم نکالیں گے تمھیں لاکھ ہنر سے باہر
آہ کس طرح سے دیدار میسر ہووے   پاؤں رکھتا ہی نہیں وہ کبھی در سے باہر

نکل گھر سے ذرا اے یار مجھ بیمار کی خاطر   کھڑا ہوں منتظر کب سے ترے دیدار کی خاطر

جو کچھ ہم پر ستم کیجے بجا ہے   کہ ہم نے تم کو اپنا دل دیا ہے

حرف الواو

(۱) واقف

شاہ[۱] واقف واقف تخلص درویشے بود شعر خوب می گفت ۔ از وست ۔

ان رقیبوں سے گو گریزے ہیں کیا لے یار ہم | وہ شریکِ بزم ہوویں اور نہ پاویں بار ہم
در تلک نکلا نہ ہوگا واسطے واقف کے تو | پھر گئے ہوں گے ترے کوچہ میں سو سو بار ہم

خیال وعدہ سے از بسکہ تو نظر میں رہا | تمام رات مرا جی صدائے در میں رہا

روزِ خزاں چمن میں جو دیکھا ہزار کے | اک مشت پر پڑے تھے تلے شاخسار کے
یارانِ ہمنشیں و رفیقانِ دوست دار | سب آشنا ہیں زندگیِ مستعار کے
جب مند گئی یہ آنکھ تو لے دوست بعد مرگ | پھٹکے ہے پاس کون کسی کے مزار کے
جو نقشِ پا رہے سو رہے پھر نہ اٹھ سکے | واقف کی طرح اٹھ گئے کوئے یار کے

صبح پر وصلِ یار کی ٹھیری | آہ پھر انتظار کی ٹھیری
کیا طرح اس گلی میں کہہ تو صبا | میرے مشتِ غبار کی ٹھیری

جب کہ پردیس یار نکلے ہے | آہ بے اختیار نکلے ہے

(۱) شاہ واقف تخلص گویند درویشے بود در فیض آباد بحکیمن منقبت با شہرت اردو گاہ گاہے خیال شعر ہم میکرد چنیدہ از لسان ار نظر فقیر گذشتہ شعر خوب ہم می برآید دیگر از احوال خوب واقف نیستم از وست (ن نور محمد مطابق ن خ) (۲) بار کری (ن ا) عالماً بار گرے

بخش اپنے ولاؔ کو بھی از راہِ کرم یا رب
ہر چند گنہہ سے ہے وہ سر بسر آلودہ

دل کیونکے نہ ہو اُس بتِ طرار کے صدقے
ہوتے ہیں سبھی وضعِ طرحدار کے صدقے
گہ چشم و گہ ابرو کے گہے چینِ جبیں کے
گہ خال کے ہوں گاہ ہیں رخسار کے صدقے
اک بوسہ تو لینے دے مجھے اپنے لبوں سے
انکار نہ کر میں ترے انکار کے صدقے
اس اشک کے قطرے کو اثر دے مرے یارب
تا ہووے ولاؔ چشمِ گہربار کے صدقے

(۴) وہم

میر محمد علی وہمؔ تخلص نبیرۂ میر محمد تقی خیالؔ جوانِ موزون الطبع بتقربِ نواب وزیر آصف[1] الدولہ بہادر اعتبار تمام دارد۔

گو فکر تیری دل کے تئیں سو لگی رہے
پر وہمؔ شرط یہ ہے کہ وہ لو لگی رہے
ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے
پر تجھ کو چاہیئے کہ تگ و دو لگی رہے

حرف الہاء

(۱) ہادی

میر محمد جواد ہادیؔ تخلص سید صحیح النسب در ابتدا برفاقتِ نواب عماد الملک عزِ امتیاز داشت وبسببِ موزونیِ طبع یکدگر صحبتِ ظرفین از مدت دراز ترکِ روزگار کردہ بتوکل می گذرانید تا بندہ در شاہجہاں آباد بود اکثر بر مکانِ حقیر تشریف می آورد۔
از وست۔

---

(۱) خوشنویسِ آصف الدولہ بہادر کہلاتا ہے۔

(۳) ولا

مظہر علی خاں ولا تخلص عرف مرزا لطف⁽¹⁾ علی خلف سلیمان علیخاں ردا دجوانِ حلیم و سلیم بمقتضائے موزونی طبع گاہ گاہے خیالِ شعرِ ہندی میکند و بنام پدر بزرگوار خود ہرجا فروختہ می شود استفادۂ سخن چندے بمرزا جان طپش و چندے بمولف بود حالا بمیر نظام الدین ممنون کلام خود را می نماید۔ از کلام اوست ۔

ممکن نہیں کہ خاک نشینوں کی تو سنو ۔۔۔ ہے ان دنوں دماغ ترا آسمان پہ

نہ حاجت کے لئے دست دعا کو منہ پہ لاتا ہوں ۔۔۔ میں اپنی زندگی سے پیچ تو یہ ہاتھ اٹھاتا ہوں

ایک جیحوں ہے کہ پلکوں سے بہا آتا ہے ۔۔۔ کیا بلا تھی یہ مرے دیدۂ گریاں کے بیچ

یونہیں گر کرتے رہے ہم اشک سے تر آستیں ۔۔۔ آپ بھی رو دینگے اک دن منہ پہ دھر کر آستیں

قتل سے میرے نہ منکر ہو کر ظالم اب تلک ۔۔۔ بھر رہی ہے خون سے تیری سراسر آستیں

عشق کے آثار سب تجھ میں ہویدا ہیں ولا ۔۔۔ رنگ زرد و آہ سرد و اشک سے تر آستیں

ہرگز نہ گریں اس سے اشکِ اثر آلودہ ۔۔۔ ہووے نہ کبھی خون سے جب چشم تر آلودہ

از بسکہ کلیجہ کے ٹکڑے ہوئے گرتے ہیں ۔۔۔ آنکھوں سے میرے آنسو ہے لختِ جگر آلودہ

وہاں رشکِ چمن اس نے گھر اپنا کیا ہے یہاں ۔۔۔ اشکِ جگری سے ہے دیوار و در آلودہ

اک پل میں گزر جاوے نہ چرخ بریں سے بھی ۔۔۔ ہوتی ہے بری ظالم آہِ اثر آلودہ

---

(۱) در نسخ، لطیف علی۔ در نور محمد، لطافت علی

رات اس مرتبہ اڈی تھی تری یاد کہ بس — ایسے ہنگاموں سے کرتے رہی فریاد کہ بس

مت پوچھ فریبندہ تری زلف ہو یا خط — اک آفت نو زلف ہو اک تازہ بلا خط

تجھ بن آنکھوں میں خواب معلوم — اس دل کو جو چاہو تاب معلوم
قاصد آتا ہے واں سے گریاں — نامہ کا ہوا جواب معلوم
جز اس کے کہ خوار ہو کے مرجائے — کوئی تجھ سے ہو کامیاب معلوم

نہ وفا چھوڑی ہیں نا تو نے کی شفقت ظالم — آفریں باد مجھے اور تجھے رحمت ظالم
سخت آیا ہوں بجان دیکھیں مرجاؤں گا — رحم کر مجھ کو نہ دے اتنی اذیت ظالم
اور معشوقوں کی بے مہری کو تو دو دیکھے ہے — بارے کچھ تجھ میں بھی ہے مہر و محبت ظالم
مرتے میں مر گیا یہ رحم نہ آیا تجھ کو — رہ گئی دل ہی میں مرے آہ یہ حسرت ظالم
وقت مرنے کے یہ ہادی نے کہا اس سے کہ آہ — گو میں دنیا سے گیا رہ تو سلامت ظالم

غافل ہیں اس سے یار جتا دے انھوں کے تئیں — ہادی تو راہ عشق بتا دے انھوں کے تئیں
یہ بخت خفتہ جنبش پا چاہتے ہیں یار — بہتر تو ہے تو آکے جگا دے انھوں کے تئیں

ماہ کہاں کہاں وہ رو غنچہ کہاں وہ ہاں کہاں — مشک کہاں کہاں وہ زلف سنبل گلستاں کہاں
دشت میں اور کوہ میں صومعہ و کنشت میں — تجھکو میں ڈھونڈھتا پھرا جان مری کہاں کہاں

تو اُن لوگوں سے ملتا ہے کہ جن سے مجھکو عار آوے — مری اور تیری پیارے کس طرح صحبت برآوے

رہ رہ کے سخن کہنا ہر بار بہت تحفہ — ہیں لب تو میاں لب ہی گفتار بہت تحفہ
ہر پانو کی ٹھوکر میں سو دل پڑے تڑپے ہیں — کچھ ان دنوں سیکھے ہو رفتار بہت تحفہ
خورشید کا یوں چہرہ زر تار تو ہے لیکن — ہے سر پہ ترے سادی دستار بہت تحفہ
مژگاں سے بچے گر دل ابرو کریں سو ٹکڑے — تو غرض ہے(۱) یہ تلوار بہت تحفہ
اک بوسہ پہ دل ٹھیرا اس پر وہ نہیں لیتا — اک سہل سی قیمت پر تکرار بہت تحفہ
ہم مر چکے پر اس تے دل کی نہ خبر پوچھی — ہم کو بھی ملا ہے یہاں دلدار بہت تحفہ
دیکھے کوئی اے ہادی اس شیخ کے جبہ کو — یہ خر تو عجب ہے یہ خر بار بہت تحفہ

میں کہا غیر کے مت جا تو کہا تجھکو کیا — کر نہ تو آپ کو رسوا تو کہا تجھ کو کیا
رو برو میرے دئے غیر کو اس نے بوسے — میں جو پوچھا کہ یہ ہے کیا تو کہا تجھ کو کیا
سر کو ملتا ہے ترے پاؤں پہ رکھ رکھ ہادی — میں کہا کچھ اسے فرما تو کہا تجھ کو کیا

طرہ(۲) دیں آس ست کے ہاتھوں ہائے ابتر ہو گیا — جس مسلماں نے اسے دیکھا سو کافر ہو گیا
اے دل اب دیتا نہیں وہ داد یہ کیا ہو گیا — آج کچھ سنتا نہیں فریاد یہ کیا ہو گیا
لگ گیا دل اس کا جب تصویر تیری کھینچ کر — رکھ قلم کہنے لگا بہزاد یہ کیا ہو گیا
جان نکل جائے خون ہادی کی جب نکلا فصد — دیکھ کر کہنے لگا فصاد یہ کیا ہو گیا

سیکھ لے ہم سے کوئی سر سے گزر جانے کی طرح — آگ میں ہم آپ کو جھونکیں ہیں پروانے کی طرح

نہ جانے یار رنت کرتے ہیں گلگشت چمن کیونکر — سلامت یہاں سے لیجاتے ہیں اپنا پیرہن کیونکر

---

(۱) ہے ہی (ل ح) (۲) یہ شعر بہ ادنیٰ تغیر اس نسخے میں یقین کے نام بھی درج ہے۔ ل نسخے میں ہادی کے نام پر لیکن یقین کے نام نہیں۔

راجہ رام ناتھ کہ محرک بنائے آں میاں ثناء اللہ خاں فراق بودند می آمد اکنوں شنیدہ شد کہ ہمانجا باجل طبعی درگذشت۔ شعرے از ونجاطر است۔

خط آئے پہ یہ حسن نہ یہ مان رہیگا ۔۔۔ ایسے میں اگر ملئے تو احسان رہیگا

(۴) ہدایت

ہدایت خاں ہدایت تخلص مشاق قدیم ومعاصر[1] میر ومرزا شاگرد بلکہ مرید خواجہ میر درد نوراللہ مضجعہ شخصے است بسیار حلیم وسلیم۔ شعر را بسیار بہ فصاحت می گوید۔ عمرش از شصت متجاوز خواہد بود۔ صاحب دیوان است۔ انتخاب کلام اوست۔

تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیر باغ کو ۔۔۔ لگتی ہے کھٹ نکہت گل سے دماغ کو

معشوق بے وفا وستم گر رہے بھلا ۔۔۔ جی جس کو چاہے وہ تو دل آزار ہو بھلا
دیکھا نہ دور سے بھی ہیں روئے جس کبھو ۔۔۔ آنکھوں سے میری رخنہ دیوار ہو بھلا

آتش سے داغ دل کے سراپا تو جل گیا ۔۔۔ گلزار پھولی کیا کہ بدن سارا جل گیا
تکلیف سیر باغ کرے گی کسے نسیم ۔۔۔ آمد ہی میں بہار کی یہاں جی نکل گیا

نے جم رہا جہاں میں نے جام رہ گیا ۔۔۔ مردوں کا ایک جگ میں مگر نام رہ گیا
کوئی پھرا نہ ملک عدم سے تو اب تلک ۔۔۔ پایا جہاں کسو نے کچھ آرام رہ گیا
جب کچھ بھی بس چلا نہ تو صیاد مرغ دل ۔۔۔ آخر تڑپ تڑپ کے تہ دام رہ گیا
آتی ہے آج تجھ سے تو کچھ اور بو نسیم ۔۔۔ رات اس چمن میں کون گل اندام رہ گیا

---

(۱) مشاق قدیم ومعاصر دہم طرح محمد قائم تترکیب دور دورہ میر ومرزا۔ (ل ح مطابق ل لو رمحمد)

جنوں کے ہاتھ سے بے طرح تو وحشت میں ہے بادی
خدا جانے بچے گا یا نہیں جتبک بہار آوے

ہاتھ میرا جھٹک گئے سو گئے
یک بیک تم تنک گئے سو گئے

نہ دیا اُس کو یا دیا قاصد
خط مرا تو نے کیا کیا قاصد

(۲) ہاشمی

میر ہاشمی ہاشمی تخلص شاگرد مرزا رفیع۔ عمرش از شصت متجاوز خواہد بود فقیر اورا در لکھنو دیدہ۔ از وست۔

مرا سو بار اُس تک نامہ پر آزردہ پہنچا
پر اودھر سے جواب صاف پہنچا جب کبھو پہنچا

کیا افشا تمھیں نے راز عشق اے دیدہ گریاں
بگوش خلق ورنہ کس طرح یہ گفتگو پہنچا

دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا نکہت سے[1] سنبل کی
مشام آرزو میں تو کسی کاکل کی بو پہنچا

ابھی چھوٹا ہے موج رشک کی زنجیر سے قمری
نہ تھر گوش دل سروار تک آواز ہو پہنچا

یہ دعوے سب کے باطل حکمہ میں ہاشمی ہونگے
اگر حاکم تلک وہ شوخ بارو سے نکو پہنچا

آہ و نالہ کے دو مصرع جو گئے ہیں موزوں
صاحب درد آسے شعر نغانی سمجھا

وہ برہمن بچہ افسوس کہ اے ہم نفساں
قصۂ درد مرا رام کہانی سمجھا

(۳) ہاتف

مرزا محمد ہاتف ہاتف تخلص دریا میکہ فقیر در شاہجہاں آباد بود اکثر در مشاعرہ بسیر

---

(۱) سنبل کی نکہت سے۔ (ن خ)

صبح محشر ہو چکی پر بے خودی ہے اب تلک
کس کی دیکھی ہیں یہ یارب انکھڑیاں متوالیاں

پہنچے ہے فصلِ گل کوئی حسرت شکار کو
ٹکڑے پہ اُس کے صدقہ کیا تو بہار کو

کس دل جلے کی خاک لے گذری چمن میں آج
دیکھا عرق فشاں ہیں نسیمِ بہار کو

لازم ہے دستگیری افتادگاں نسیم
(۱) لے پہنچ اُس گلی کے تئیں میری غبار کو

نالے سے میرے اور تو اب چاہتا ہے کیا
پانی تو کر دیا ہے دلِ کوہسار کو

اللہ رے کار خانۂ تقدیرِ ذوالجلال
یہ اعتبار ہستیِ بے اعتبار کو

کھیوے ہو دہ مت اشکِ گریۂ شب کو
کہ عاقبت ہے اثر کچھ نہ کچھ کواکب کو

کہتے ہیں قیامت بھی ہوئی ہم تو ہدایت
افسوس کہ محروم ہیں دیدار سے اب تک

بیاں کروں لبِ شیریں کی کیا حلاوت کا
کہ وقتِ بوسہ ہر اک دم ہے گھونٹ شربت کا

انجامِ کارِ دل کا ہدایت میں کیا کہوں
آنسو کی بوند ساتھ لہو کے ٹپک گئی(۱)

ہدایت اپنا وطن کس کو خوش نہیں آتا
پر آہ کیا کرے اب کوئی مرضیِ رب کو

ہزار حیف کہ دلی سا شہر ویران کر
کیا ہے یاروں نے آباد ملکِ پورب کو

غیر پر جور و جفا کیجیے گا
یا دنت میری وفا کیجیے گا

(۱) "لے پہنچ اس گلی تئیں میرے" ل ح (۲) ٹپکی - ن نور محمد)

برنگِ گل زمانہ جس کے ہو باعث ہنسانے کا　　　کرے پھر فکر پہلے خاک میں اُس کے ملانے کا
ہدایت کیسے کیسے گل رُخاں یہاں خاک میں مل گئے　　　نہ دیکھا جان میری رنگ تو نے کچھ زمانے کا

ٹھیر چکی تھی جی پہ یہ جاؤں نہ کوئے یار میں　　　آہ پر اس کو کیا کروں دل نہیں اختیار میں
گرچہ ہدایت ایک جا ٹھیرے ہے کوئی بے نوا　　　کیجے پر اب تو بسترا کوئی دن اس دیار میں

نامہ کا میرے لے کر اس سے جواب پھر لیو　　　پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھر لیو
اب اور تو میں تجھکو اے عشق کیا کہوں پر　　　میری طرح سے تو بھی خانہ خراب پھر لیو

کیا کہوں میں کہ ترے ہجر میں کیونکر گذری　　　وہ ہی جانے ہے مری جان کہ جس پر گذری
کیا کہوں تجھ سے ہدایت کہ مری شام و سحر　　　یاد میں زلف و رخِ یار کی کیونکر گذری
دن جو گذرا تو مجھے روزِ قیامت سے دراز　　　رات گذری تو شبِ ہجر سے بدتر گذری

بے آب و دانہ مرتے ہیں اُن کا ثواب لے　　　ظالم خبر اسیروں کی اپنے شتاب سے لے

مرتا ہے اُس کی چشمِ سیہ فام کے لئے　　　دل ہے مرا دو نیم دو بادام کے لئے

اک دم بھی آپ سے تو نہ تجھ کو جدا کروں　　　قسمت ہی گر بُری ہو تو میں اس کو کیا کروں

کیا ہی دکھلاتی ہیں گلشن میں گلوں کی ڈالیاں　　　گہری گہری سبزیاں اور جھمجھاتی[1] لالیاں

---

(۱) چہچہاتی (ن خ)

حرف الیاء

(۱) یقین

میاں انعام اللہ خاں یقین پسرِ اظہر الدین خاں بود و نبیرۂ حمید الدین خاں نیمچہ جولنے بود مرزا مزاج و شیریں زبان از حسن وجاہت بہرۂ وافی داشت گویند مرزا جانِ جاناں او را بسیار دوست داشتے و اکثر بخانہ اش شب را روز و روز را شب کردے۔ دیوانش از نظرِ مرزا بجز یلی گذشتہ[1] بلکہ بقولِ بعضے ہمہ کلامش گفتۂ مرزا است[2] در دورۂ ایہام گویان اول کسیکہ ریختہ را شستہ و رفتہ گفتہ ایں جوان بود بعد ازاں تتبعش بدیگراں رسیدہ چنانچہ خود می گوید

حق کو یقیں کے یارو ہر یاد مت دو آخر   طرزِ سخن کے اُس کی تم نے اڑائیاں ہیں

عمرش زیادہ بر بست و پنج نخواہد بود کہ پدرش او را کشتہ در دیگ مدفون ساختہ۔

ایں سر را کسیکہ می داند میداند خدائیش بیامرزاد۔ از دیوان اوست۔

ٹک اک انصاف کر اتنا بھی کرتا ہے جفا کوئی   کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی
عجب سج ہے کیا ہی قتل مجھ کو اس کو مت ٹوکو   طلب کرتا ہے اپنے قاتلوں سے خوں بہا کوئی
گزر جا وصل سے گر ہجر میں دیکھے رضا اس کی   محبت میں یقیں لیتا ہے نامِ مدعا کوئی

بت کرے سجدہ ترے حسنِ خدا داد کو دیکھ   سرو شرمندہ ہو ترے قامتِ آزاد کو دیکھ
آن گنہگاروں میں ہوں میں کہ مرے کے مارے   جی نکلتا ہے مرا دورِ جلاد کو دیکھ
عشق کے جور و جفا میں تجھے گر شک ہے یقیں   عیشِ پرویز کو اور محنتِ فرہاد کو دیکھ

---

(۱) گذشت (ن خ) (۲) شاید کہ چنیں باشد خالی از نفاست نیست (ل، نور محمد مطلق ل ح)

چلتے ہیں ہم بھی ترے ساتھ نسیم — رہ کے اس باغ میں کیا کیجئے گا

رہا مرتے مرتے مجھے غم اسی کا — نہیں بعد میرے کوئی بے کسی کا
کیا تیغِ قاتل نے جب کام اپنا — میں منہ دیکھتا رہ گیا بے بسی کا
عبث ہے غرض ان بتاں سے بھی ملنا — نہیں آج دنیا میں کوئی کسی کا
کیا حسن سے اس نے آگاہ اس کو — الٰہی ہو خانہ خراب آرسی کا
ہدایت کہا ریختہ جب سے ہم نے — رواج اٹھ گیا ہند سے فارسی کا

مر جائے جو کوئی کھائے افسوس — احوال مرا ہے جائے افسوس
ہم مر گئے پر ہدایت اس نے — اتنا نہ کہا کہ ہائے افسوس

گاہ جیتے ہیں گاہ مرتے ہیں — ہم بھی دنیا میں زیست کرتے ہیں

(۵) ہوش

تخلص جوانِ شیریں زبان است بہ شاگردیِ میر سوز نازشی دارد۔ ازوست۔

یار ہنستا ہے چشمِ تر کو دیکھ — گریہ ٹک اپنے تو اثر کو دیکھ
دست و پا گم کرے ہیں مو کر — نازنین تیری اس کمر کو دیکھ
تیرے خط کا جواب آیا ہے — ہوش کھول آنکھ نامہ بر کو دیکھ

اُس سلبتی پوتی سے آغوش رنگیں کیجئے
جی میں ہے اس مصرعۂ موزوں کو تضمیں کیجئے
عشق میں راحت نہیں ملتی مگر جوں کوہکن
جاں شیریں دیجئے تب خوابِ شیریں کیجئے

چھٹے اس زندگی کی قید سے اب داد کو پہنچے
وصیت ہے ہمارا خوں بہا جلّاد کو پہنچے
نہ نکلا صبر سے کچھ کام اب فریاد کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

وفا کا کیا قیامت ہے جو کوئی بدلا جفا دیوے
ترحم ان بتاں کو اپنے بندوں پر خدا دیوے
محبت کا جو بانا(۱) ہے عجب آداب ہیں اس کے
کہ جوں جوں یار دیوے گالیاں عاشق دعا دیوے
نہ تھی پرواز قسمت میں مرے صیاد پر اتنا
صبا سے کہیو میری خاک گلشن میں اڑا دیوے
خفا ہو زندگی سے مر گیا ہوں بسکہ ڈرتا ہوں
مبادا حشر مجھکو خوابِ راحت سے جگا دیوے
یقیں زنجیر میں ہے تب تو عالم میں نہیں چلیں
جو ٹک چھوٹے دوانا تو ابھی دھومیں مچا دیوے

جو دکھ تو دیتا ہے کر رہوں تجھکو بھی حیراں تو سہی
باغباں اب کے اجاڑے لوں گلستاں تو سہی
اب تو ناصح کے تئیں سینے دو مرا چاکِ جیب
تار تار اس ضد سے کر ڈالوں گریباں تو سہی
لوگ نظروں میں نہیں لاتے ہیں رونے کے تئیں
اشکِ خوں سے باغ کر ڈالوں بیاباں تو سہی
اپنے بندوں کو جلا کر خاک کرتے ہیں یقیں
ان بتاں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں تو سہی

اگر دیتے ہو دل کی داد جتنا اس کا جی چاہے
تو کرنے دو اسے فریاد جتنا اس کا جی چاہے
نہیں ممکن کہ ہم کعبہ کو جائیں چھوڑ بت خانہ
کرے واعظ ہمیں ارشاد جتنا اس کا جی چاہے
یقیں مجھ بن نہیں ہے قدرداں کوئی مصیبت کا (۲)
فلک مجھ پر کرے بیداد جتنا اس کا جی چاہے

---

(۱) پایہ (ن نخ ۱) - (۲) ن نخ میں یہ شعر نہیں -

خار سے مژگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح — رکھ مری آنکھوں پہ پیتے ہو کفِ پا بے طرح
وصلِ گل بھی آن پہنچا دیکھئے کیا ہو یقیں — اب کے چلتا ہے جنوں پر جی ہمارا بے طرح

نہیں معلوم اب کے سال مے خانہ پہ کیا گذرا — ہمارے توبہ کرنے سے پیمانہ پہ کیا گذرا
برہمن سر کو اپنے پیٹتا تھا دیر کے آگے — خدا جانے تری صورت سے بتخانہ پہ کیا گذرا
یقیں کب یار میرے سوزِ دل کی داد کو پہنچے — کہاں ہے شمع کو پروا کہ پروانہ پہ کیا گذرا

سرِ سلطنت سے آستانِ یار بہتر تھا — ہمیں ظلِ ہما سے سایہ دیوار بہتر تھا
مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاراں میں — کہ گل ہاتھوں میں اور پاؤں میں میرے خار بہتر تھا
مجھے پھر دکھ دیا تو نے منڈا کر سبزۂ خط کو — جراحت کو مرے یہ مرہمِ زنگار بہتر تھا
مرا دل مر گیا جس دن سے نظارہ سے باز آیا — یقیں پرہیز اگر کرتا تو وہ بیمار بہتر تھا

کارِ دیں اُس بت کے ہاتھوں ہائے ابتر ہو گیا — جس مسلماں نے اُسے دیکھا سو کافر ہو گیا
کیا بدن ہوگا کہ جس کا کھولتے جامہ کا بند — بوئے گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا
آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ یقیں — گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا

باغباں بے رحم اور در بند دیواریں بلند — بلبلِ بے بال و پر گلشن میں جاوے کس طرح
اختیار ہی ہے مگر یہ کام ناصح تو ہی کہہ — عشق سے کوئی یقیں کو باز لاوے کس طرح

عمر آخر ہے جنوں کر لو بہاراں پھر کہاں — ہاتھ مت پکڑو مرا یارو گریباں پھر کہاں
ہے بہشتوں میں یقیں سب کچھ ولیکن درد نہیں — بھر کے دل رو لیجئے یہ چشمِ گریاں پھر کہاں

لے گئے بے رحم بیکس کر گئے ایک تھا عاشق کے غمخواروں میں دل
اب تو کیوں جینا رہے کا نہیں جا پڑا ہے شوخ خونخواروں میں دل

پوشیدہ مباد کہ اگرچہ تذکرہ تمام شد اما خاتمہ اش مشتمل بر اشعارِ چند زنان است و داخلِ تذکرہ برائے آں نہ شدند کہ از تخلص بعضے ازآں آگاہی نہ داشتیم[1]۔

(۱) دولہن بیگم

جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں مثالِ لالہ کے دل داغدار رکھتے ہیں

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

(۲) جینا بیگم

یہ کس کی آتشِ پنہاں نے جی جلایا ہے کہ تا فلک مرے شعلہ نے سر اٹھایا ہے

(۳) گنا بیگم

زوجۂ عماد الملک گو سلیقۂ طبع موزوں داشت احوالش از کثرتِ اشتہار محتاج بہ بیان نیست میر قمرالدین منت کہ پیش ازیں چندے بہ رفاقتِ عماد الملک بہ نسبتِ شعر و شاعری امتیاز داشتند و درآں ایام بیگم مذکور کلامِ شکستہ و بستۂ خود را بحکم نواب بہ نظرِ ایشاں می گذرانید ازیں جہت ایں غزل میر صاحب بنام او شہرت یافتہ بلکہ تخلصِ ایشاں نیز پیش ناآگاہان تخلص او گردیدہ مطلعِ غزل ایں است ؎

---

(۱) ایں اشعار را ہمانا نوشتہ می شود بعد از اں خاتمہ ہم نوشتہ (ن خ)

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے — بُرا بُرا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
اس اشک و آہ سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں — یہ دل کچھ آب رسیدہ کچھ جلا بھی ہے
یہ آرزو ہے کہ اُس بیوفا سے یہ پوچھوں — کہ میرے سے بے مزہ رکھنے میں کچھ مزا بھی ہے
یہ کون ڈھب ہے کہ تن خاک میں ملا سنے کا — کسو کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے
یقین کا شور جنوں سن کے یار نے پوچھا — کوئی قبیلۂ مجنوں میں کیا رہا بھی ہے

خون انصاف سے اتنا بھی زبان تر نہ کرو — لعل کو یار کے ہونٹوں سے برابر نہ کرو
سایہ سے شخص نہیں رہتا ہے کہتا ہے یقین — آپ سے مجھکو جدا حضرت مظہر نہ کرو

اسیران قفس کی نا امیدی پر نظر کیجو — بہار آوے تو اے صیاد ہم کو بھی خبر کیجو
کہا جاتا نہیں کچھ مجھ سے تو جو کہہ سکے کہیو — مری اس بے زبانی پر نظر اے نامہ بر کیجو
یقین سے ملتے ہیں اتنے کا سر اتنا بھی نہ ٹھکراؤ — اس آتش سے اٹے دامن را زو ٹک حذر کیجو

(۲) یکرنگ

مصطفٰے خاں یکرنگ تخلص بقولے شاگرد خان آرزو و بقولے میاں آبرو از مخوات
کلامش حسینی می تراود کہ شاگرد مرزا مظہر خواہد بود۔ برائے تیمن دو شعرش قلمی می شود۔ از وست

ہرگز ہم اب کسی سے کے سجن آشنا نہیں — سب خوبیاں ہیں تم میں ولے اک وفا نہیں
یکرنگ نے تلاش کیا ہے بہت سو — مظہر سا اس جہان میں کوئی میرزا نہیں

(۳) یکرو

یاں یکرو تخلص دو شعر از ایشان بنظر رسیدہ دارم و آں اینست۔

کوچہ میں کوئی رہ سکے کوئی در پہ مر سکے ہے
انصاف بھی کچھ ہے تو یہ کیا ظلم کرے ہے

موجود ہے ہر آن جو نزدیک ہمارے
وہ وہم و گماں سے بھی حقیقت میں پرے ہے

ہے نالہ و زاری کا مرے شور فلک تک
پردہ بتِ مغرور کوئی کان دھرے ہے

یاد آتی ہے اُن آنکھوں میں آمد وہ نشہ کی
ساقی مئے گلرنگ سو جب جام بھرے ہے

غش میں مجھے کل دیکھ کے وہ ڈر کے یہ بولا
بس ہوش میں آ کیوں مجھے بدنام کرے ہے

پیغامِ اجل چاہ ہو اُس بت کی ولیکن
کب عاشقِ جاں باختہ مرنے سے ڈرے ہے

جاتے تھیں ٹک دیکھا تو آنکھیں نہ نکالو
منظور ہمیں تو نظرے خوش گذرے ہے

محفل میں مجھے دیکھ کے کہنے لگا اپنی
جا مرے یہ بلا گھر سے مرے کوئی لے رہے

آنکھیں تو بولا کہ میں ہوں غیر کو کہتا
جل جل کے تو کچھ اپنی ہی غیرت میں مرے ہے

نازک سفرِ دور کو گویا وہ سدھارا
گرم طلبِ شوق کے نزدیک وہ رہے ہے

(۵) موتی

موتی نامی از اہلِ طوائفِ اربابِ نشاط در فنِ خود صاحبِ مذاق و ذی اعتبار۔ اصلش شاہجہاں آباد است۔ دوازدہ سال گزشتہ کہ مرزا ابراہیم بیگ مقتول را کہ ذکرِ ایشاں در ردیفِ میم گزشت شیفتگی برادشدہ بود تا امروز ایشاں بر جادہ وفاداری قائم است چند سال گزشتہ کہ از دہلی بہ لکھنؤ رسیدہ گاہ گاہے فقیر ہم برائے ملاقاتِ مرزائے مذکور کہ بہ خانہ اش میرفتم بسیار بہ خوبی پیش می آمد۔ ازوست۔

گلابی روبرو ہے اور ہم ہیں
بس اب جام و سبو ہے اور ہم ہیں

سیا گر تو نے چاکِ جیب تا صبح
تو پھر تار رفو ہے اور ہم ہیں

بلا سے گو نہ ہووے دل کو واشد
ہجومِ یاس تو ہے اور ہم ہیں

شبِ مہتاب میں تا صبح ساقی
خیالِ ماہ رو ہے اور ہم ہیں

مدعی اس دشمن ساز بہ سالوسی ہے　　پھر تمنا کو یہاں مژدہ مایوسی ہے

ازروست
شمع کی طرح کون روجاے　　جس کے جی کو لگی ہو سو جانے

جس طرح لگی دل کو مرے چاہ کسو کی　　اس طرح نہ لگیو مرے اللہ کسو کی[1]

جس افسوں ہو کے اُن پاؤں کی جب کچھ بات چلتی تھی　　رگڑ تی تھی سر اپنا سنگ پر اور ہاتھ ملتی تھی
ترے منہ کی تجلی دیکھ کر کے رات حیرت سے　　زمیں پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع جلتی تھی

اُس کا پیغام مجھے کیونکہ زبانی آوے　　نام سنتے ہی مرا جس کو گرانی آوے
دین و دنیا سے سر و کار رہے کس کا ذکر　　رات دن فکر یہی ہو کہیں جانی آوے

ارے قاصد تو میرا اور کچھ نہ کو مت کہیو　　یہی کہیو کہ اپنے دل سے مجھکو مت کہیو

نہ کھیو خط سونپ کے پیغام کو قاصد　　لے او کھیو نہ پہلے ہی مرے نام کو قاصد

حسن کا بھی ہرا داتجہ میں یہاں سوتو نہیں　　گل تصویر میں گو رنگ ہوا بو تو نہیں

(۴) زینت

نازک تخلص زینت نام دیعضی آباد از میر مستحسن خلیق معلوم شدہ مشارالیہ می گوید کہ ہر گاہ من ہمراہ لشکر رفتم بسبب الفتے کہ با من داشت ایں غزل نوشتہ فرستادہ بود[2]

(۱) کسی (ل نخ) (۲) در رنگ راست برگردن رادی (ل نخ)

تاریخ دیگر[1]

چوں ز انعامِ خدائے کارساز　　شد مرتب ایں کتاب دلپذیر
بسکہ در معنی نظیرِ خود نہ داشت　　گفتہ شد تاریخ جلد بے نظیر
۱۲۰۵ھ

کاتب بندہ مرزا فدا حسین ولد آقا مرزا صاحب ۲ جمادی الثانی ۱۲۱۹ھ ملک لکھنؤ مکان احمد گنج در سن سی ام۔

ایں تصنیف استاد زمانہ بعہد خود خاقانی شیخ غلام ہمدانی مرحوم مصحفی تخلص دارد کتبہ محمد علی بیگ خاک پائے جلالی بار دویم شہر صفر ۱۲۲۳ھ تمام شد۔

تمت الکتاب بعون الملک الوہاب

---

(۱) تاریخ لمولفہ

یہ کیا جی میں لہر آلی کہ موتی　　کنارِ آب جو ہے اور ہم ہیں

خاتمہ

بر ضمیرِ آئینہ نظیرِ مبصرانِ گوہرِ معانی مخفی و محتجب نماند کہ مولفِ ایں تذکرہ غلام ہمدانی ولد ولی محمد ابنِ درویش محمد کہ بہ مصحفی شہرت دارد از سببِ حواس و پریشانی خاطر و ناساعدیٔ زمانہ کجا فرصتِ آں داشت کہ بہ تصحیح احوال و اشعارِ شعرائے سابق و حال پرداختہ نقشۂ ایں جریدہ را بروئے کار آرد اما اکنوں کہ بہ رہبری بختِ سعید در حضورِ پرنورِ مرشد زادۂ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر دام اللہ اقبالہٗ باریافتہ ہمیشہ موردِ گوناگوں مہربانی آں مہر سپہرِ خلافت و جہانداری می باشد فرصت را غنیمت شمردہ مسودۂ محسوس تذکرہ را کہ از چند سال بہ طاقِ نسیان افتادہ بود صاف نمودہ و درست ساختہ احوالِ اکثرے درو بہ شرح و بسط مسطور است و احوالِ بعضے از متقدمین کہ کما ینبغی آگاہی بر اوقات آنہا حاصل نشود بطورِ بیاض سمتِ تحریر یافتہ۔

قطعہ

غرض نقشیست کز ما یاد ماند　　کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے بہ رحمت　　کند در کارِ ایں مسکیں دعائے

امید کہ بہ نظرِ قبول آں والا جناب در آمدہ مقبولِ دلہا گردد!!

تاریخ

چونکہ از فضلِ خدا ساختہ شد　　جلد ایں تذکرہ مانندِ بہشت
سالِ او چوں ز خرد پرسیدم　　یکہزار و دو صد و نہ بنوشت

---

(۱) ا ل ح ۱۲۰۹ قطعۂ تاریخ۔

جامع برقی پریس جامع مسجد دہلی میں ۱۹۳۲ء چھپی

اُردُو

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کیجاتی ہے۔ اس کے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں اُن پر تبصرے اس رسالہ کی ایک خصوصیت ہے۔

یہ رسالہ سہ ماہی ہے اور ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے، رسالہ کا حجم ڈیڑھ سو صفحے ہوتا ہے اور اکثر اس سے زیادہ۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات روپے سکہ انگریزی۔ آٹھ روپے سکہ عثمانیہ۔

Anjuman-i-Tarraqqi-e-Urdu Series No 54

Tadzkirah-i-Hindi

A Biographical Anthology

of

Urdu Poets

by

Ghulam Hamdani "Mushafi"

Edited by

MOULVI ABDUL HAQ, B A (ALIG)

1933